گلشنِ بےخار

تصنیفِ لطیف

عظیم الدولہ سرفراز الملک نوّاب محمّد مصطفےٰ خان شیفتہ مظفر جنگ مرحوم

ترجمہ و حواشی

از

جناب محمّد احسان الحق فاروقی ایم - اے

تعارف

سیّد الطاف علی بریلوی

پیش لفظ

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی ایم - اے - پی ایچ ڈی

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس - کراچی

(جملہ حقوق بحق کانفرنس اکیڈمی محفوظ)

ناشر

سید الطاف علی بریلوی
ڈائرکٹر

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

ناظم آباد۔ بی۔ روڈ۔ کراچی

تعداد طبع بار اول ـــــ ۱۰۰۰

قیمت ـــــ بارہ روپے ۱۲

مطبوعہ ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس کراچی

۱۹۶۲ء

اِنتساب

نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ کی نادرالوجود کتاب "گلشنِ بے خار" جس کے اردو ترجمہ، حواشی اور سیر حاصل مقدمہ کی تیاری میں میرے سالہا سال صرف ہوئے دلی مسرت کے ساتھ

جناب جی۔ اے۔ مدنی

ایم۔ اے (علیگ) ایس۔ کیو۔ اے کمشنر پشاور ڈویژن

کے نامِ نامی پر معنون کرتا ہوں، مدنی صاحب حضرت مصنف علّام کے پرپوتے اور معنوی خصوصیات کے اعتبار سے ان کے قابلِ فخر جانشین ہیں۔

سکۂ اقبال بنامِ تو باد
ہرچہ بگیتی ست بکامِ تو باد

احسان الحق فاروقی

فہرست مضامین

		صفحہ
	مقدمہ مترجم	۳۳
	دیباچہ مصنف علامہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ	۶۲
	ترجمۃ الکتاب	۶۹
	(الف)	
۱	آبرو نجم الدین عرف شاہ مبارک	۶۹
۲	آتش خواجہ حیدر علی	۷۰
۳	آرزو سراج الدین علی خاں	۷۴
۴	آرام خیر اللہ	۷۵
۵	آرام رائے پریم ناتھ کھتری	۷۵
۶	آرام مکھن لعل کائستھ	۷۵
۷	آزردہ مولانا صدر الدین خاں	۷۶
۸	آزاد شیخ امیر الدین	۷۹
۹	آزاد فقیر اللہ	۷۹
۱۰	آزاد رام سکھ	۷۹
۱۱	آشوب میر امداد علی خاں	۸۰
۱۲	آشفتہ تمیز الدین خاں عرف بھورے خاں	۸۱
۱۳	آشفتہ مرزا رضا علی	۸۱
۱۴	آشفتہ سیّد منور علی	۸۳
۱۵	آصف وزیر الملک نواب یحییٰ خان	۸۴
۱۶	آفتاب ابو المظفر مجاہد الدین شاہ عالم	۸۵
۱۷	آفریں شیخ قلندر بخش	۸۶
۱۸	آفاق میر فرید الدین ابن بہاؤ الدین	۸۶
۱۹	آگاہ میر حسن علی	۸۷
۲۰	آگاہ نور خان	۸۷
۲۱	اٹل میر عبد الجلیل	۸۷
۲۲	اثر حسین علی خان	۸۸
۲۳	اثر سید محمد میر	۸۸
۲۴	احسان لکھنوی	۹۱
۲۵	احسان حافظ عبد الرحمن خاں	۹۱
۲۶	احسن	۹۷
۲۷	احسن مرزا احسن علی	۹۷

نمبر		صفحہ
۲۸	احسن احسن اللہ خاں	۹۸
۲۹	احمد شیخ حافظ غلام احمد	۹۸
۳۰	احمد احمد بیگ	۹۸
۳۱	احقر مرزا اجواد علی	۹۹
۳۲	اختر	۹۹
۳۳	اختر میر اکبر علی	۹۹
۳۴	ارمان	۱۰۰
۳۵	اسعد مرزا اسعد بخش	۱۰۰
۳۶	اسعد	۱۰۰
۳۷	اسلام	۱۰۱
۳۸	اسیر تبلار	۱۰۱
۳۹	آسفان	۱۰۱
۴۰	اشرف محمد اشرف	۱۰۲
۴۱	اصغر سید امجد علی	۱۰۲
۴۲	اظہر غلام محی الدین	۱۰۲
۴۳	اعظم اعظم خاں	۱۰۳
۴۴	افسوس میر شیر علی	۱۰۳
۴۵	افسر غلام اشرف	۱۰۴
۴۶	اکبر اکبر خان	۱۰۴
۴۷	الہام شیخ شرف الدین	۱۰۵
۴۸	الم محمد علی	۱۰۶
۴۹	الفت	۱۰۶
۵۰	الفت منگل سین	۱۰۶
۵۱	امیر امیر الدولہ ناصر جنگ	۱۰۷
۵۲	امیر نواب علی محمد خاں	۱۰۷
۵۳	امیر امیر اللہ	۱۰۸
۵۴	امین خواجہ امین الدین	۱۰۸
۵۵	امین امین الدولہ خاں	۱۱۰
۵۶	امین محمد اسمٰعیل	۱۱۰
۵۷	امین میر محمد امین	۱۱۰
۵۸	امانی میر امانی	۱۱۰
۵۹	امانی	۱۱۱
۶۰	امجد مولوی امجد	۱۱۱
۶۱	امی روشن بیگ	۱۱۱
۶۲	امانت امانت رائے	۱۱۲
۶۳	انور ولی محمد خاں	۱۱۲
۶۴	انتظار	۱۱۲
۶۵	انیس امیر الدولہ نوازش خاں	۱۱۳
۶۶	انجام عمدۃ الملک نواب امیر خان	۱۱۳
۶۷	انشا میر انشاء اللہ خاں	۱۱۴
۶۸	اویسی شاہ محی الدین	۱۱۶
۶۹	اوباش شیخ امیر الزمان	۱۱۷

۷۰	ایماںؔ شبیر محمد خاں	
	(ب)	
۷۱	بحرؔ	۱۱۷
۷۲	برشتہؔ شرف	۱۱۸
۷۳	برترؔ برکت اللہ خاں	۱۱۸
۷۴	برکتؔ برکت علی خاں	۱۱۸
۷۵	پروانہؔ محمد بیگ	۱۱۹
۷۶	پروانہؔ راجہ جسونت سنگھ	۱۲۰
۷۷	بزازؔ حسین بخش	۱۲۰
۷۸	بسملؔ سید جبار علی	۱۲۰
۷۹	بشیرؔ میر بشارت علی	۱۲۱
۸۰	بقاؔ شیخ محمد بقاء اللہ	۱۲۱
۸۱	بہادرؔ راجہ بینی بہادر	۱۲۳
۸۲	بیتابؔ	۱۲۳
۸۳	بیتابؔ خداوردی خاں	۱۲۳
۸۴	بیتابؔ سیوک رام	۱۲۴
۸۵	بیتابؔ	۱۲۴
۸۶	بیتابؔ عباس علی خان	۱۲۴
۸۷	بیباکؔ میر نجف علی	۱۲۵
۸۸	بیچانؔ شیو سنگھ	۱۲۵
۸۹	بیخودؔ مرزا محمد حسن	۱۲۶
۹۰	بیخوابؔ	۱۲۶
۹۱	بیدارؔ میر مہدی	۱۲۶
۹۲	بیانؔ خواجہ احسن اللہ	۱۲۹
۹۳	پیامؔ شرف الدین علی خاں	۱۳۰
۹۴	تاباںؔ میر عبدالحی	۱۳۱
۹۵	تابؔ مہتاب رائے	۱۳۳
۹۶	تپشؔ مرزا محمد اسمٰعیل	۱۳۴
۹۷	تجلیؔ میر محمد حسین	۱۳۵
۹۸	تجلیؔ شاہ تجلی	۱۳۶
۹۹	تحملؔ محمد عظیم	۱۳۶
۱۰۰	تحملؔ لکھنوی	۱۳۶
۱۰۱	تجردؔ میر عبداللہ	۱۳۷
۱۰۲	تحیرؔ مصطفٰے	۱۳۷
۱۰۳	ترقیؔ مرزا تقی خاں	۱۳۷
۱۰۴	تسلیؔ ٹیکا رام	۱۳۷
۱۰۵	تسکینؔ سعادت علی	۱۳۸
۱۰۶	تسکینؔ میر حسین	۱۳۸
۱۰۷	تصورؔ سید حیدر حسن خاں	۱۴۲
۱۰۸	تعشقؔ میر سید محمد	۱۴۲
۱۰۹	تمکینؔ صلاح الدین	۱۴۳
۱۱۰	تمناؔ محمد اسحٰق خاں	۱۴۳

۱۱۱ تنہا محمد علی ۱۴۳

(ث)

۱۱۲ ثابت مرزا معز الدین ۱۴۴
۱۱۳ ثابت اجابت خاں ۱۴۴
۱۱۴ ثاقب شاہ شمس الدین ۱۴۵
۱۱۵ ثروت سید درویش علی ۱۴۵
۱۱۶ ثنا میر شمس الدین ۱۴۵

(ج)

۱۱۷ جام کنور سین ۱۴۵
۱۱۸ جان جان علی ۱۴۶
۱۱۹ جانی بیگم جان ۱۴۶
۱۲۰ جذب میر عزت اللہ خاں ۱۴۶
۱۲۱ جراح غلام ناصر ۱۴۷
۱۲۲ جرأت قلندر بخش ۱۴۷
۱۲۳ جعفری میر باقر علی ۱۵۵
۱۲۴ جلال ۱۵۵
۱۲۵ جنون مرزا نجف علی خاں ۱۵۵
۱۲۶ جنون شاہ غلام مرتضیٰ ۱۵۶
۱۲۷ جنون فخر الاسلام ۱۵۶
۱۲۸ جوہر مرزا احمد علی ۱۵۶
۱۲۹ جوشش محمد عابد ۱۵۷
۱۳۰ جوشش شیخ محمد روشن ۱۵۷
۱۳۱ جوش رحیم اللہ ۱۶۰
۱۳۲ جولاں مرزا نعیم بیگ ۱۶۰
۱۳۳ جولاں میر بہادر علی ۱۶۱
۱۳۴ جولاں میر حسن علی خاں ۱۶۱
۱۳۵ جہانگیر جہانگیر بیگ ۱۶۲
۱۳۶ جہاندار جہان مرزا جہاندار شاہ ۱۶۲
۱۳۷ جھمن جھمن ناتھ ۱۶۳
۱۳۸ جینا جینا بیگم ۱۶۳

(ح)

۱۳۹ حاتم شیخ ظہور الدین ۱۶۳
۱۴۰ حافظ محمد اشرف ۱۶۴
۱۴۱ حاکی میر محب علی ۱۶۵
۱۴۲ حبیب ۱۶۵
۱۴۳ حجام عنایت اللہ عرف کلو ۱۶۵
۱۴۴ حزیں ۱۶۶
۱۴۵ حسرت جعفر علی ۱۶۶
۱۴۶ حسرت ذوقی رام ۱۶۸

۱۴۷ حسرت ہیبت قلی خاں ۱۶۸
۱۴۸ حسن سید غلام حسین ۱۶۹
۱۴۹ حسن خواجہ حسن ۱۷۱
۱۵۰ حسن مولوی ابوالحسن ۱۷۲
۱۵۱ حسن حسن علی خاں ۱۷۳
۱۵۲ حسن مرزا حسن ۱۷۳
۱۵۳ حسین سید غلام حسین ۱۷۳
۱۵۴ حسین سید غلام حسین ۱۷۳
۱۵۵ حشمت میر محتشم علی خان ۱۷۴
۱۵۶ حشمت میر محمد علی ۱۷۴
۱۵۷ حضور لالہ بالمکند کھتری ۱۷۵
۱۵۸ حفیظ محمد حفیظ ۱۷۵
۱۵۹ حقیقت میر شاہ حسین ۱۷۶
۱۶۰ حکیم محمد اشرف خاں ۱۷۶
۱۶۱ حکیم محمد پناہ خاں ۱۷۶
۱۶۲ حقیر امام الدین ۱۷۷
۱۶۳ حیرت میر مراد علی ۱۷۸
۱۶۴ حیرت فخر الدین ۱۷۸
۱۶۵ حیرت پنڈت اجودھیا پرشاد ۱۷۸
۱۶۶ حیراں حیدر علی ۱۷۹
۱۶۷ حیدر حیدر علی ۱۸۰
۱۶۸ حیدر حیدر علی ۱۸۰
۱۶۹ حنیف میر چراغ علی ۱۸۰

(خ)

۱۷۰ خاکسار محمد یار ۱۸۱
۱۷۱ خاکی حیدر بیگ ۱۸۱
۱۷۲ خادم ۱۸۱
۱۷۳ خادم ۱۸۲
۱۷۴ خادم خادم علی خاں ۱۸۲
۱۷۵ خاں محمدی خاں ۱۸۲
۱۷۶ خاں اشرف خاں ۱۸۲
۱۷۷ خرد نواب فخر الدین خاں ۱۸۳
۱۷۸ خستہ محمد عبداللہ خاں ۱۸۳
۱۷۹ خستہ غلام قطب ۱۸۴
۱۸۰ خوشنود ۱۸۴
۱۸۱ خلق میر احسن ۱۸۴
۱۸۲ خلیق مستحسن ۱۸۵
۱۸۳ خنداں ۱۸۶
۱۸۴ خود غرض ۱۸۶
۱۸۵ خیال غلام حسن خاں ۱۸۶

(د)

۱۸۶ داغ میر مہدی ۱۸۷
۱۸۷ دارا مرزا دارا بخت ۱۸۸
۱۸۸ دانا میر فضل علی ۱۸۸
۱۸۹ داؤد ۱۸۸
۱۹۰ دردمند کریم اللہ خاں ۱۸۹
۱۹۱ درد خواجہ میر درد ۱۸۹
۱۹۲ دریغ سید زین العابدین ۱۹۴
۱۹۳ درویش میر شاہ علی ۱۹۴
۱۹۴ دل مولوی شمس الدین ۱۹۴
۱۹۵ دل زور آور خاں ۱۹۵
۱۹۶ دل آزاد خاں ۱۹۵
۱۹۷ دل زیبا پیر شاہ ۱۹۶
۱۹۸ دل خوش بہادر سنگھ کھتری ۱۹۶
۱۹۹ دلبر دلبر شاہ ۱۹۶
۲۰۰ دلسوز خیراتی خان ۱۹۶
۲۰۱ دلگیر میر حمایت اللہ خان ۱۹۷
۲۰۲ دلہن بیگم ۱۹۸
۲۰۳ دوست ۱۹۸
۲۰۴ دیوانہ مرزا محمد علی ۱۹۸
۲۰۵ دیوانہ رائے سروپ سنگھ ۱۹۹

(ذ)

۲۰۶ ذاکر مرزا احمد بیگ ۱۹۹
۲۰۷ ذرہ مرزا رام ناتھ ۲۰۰
۲۰۸ ذکا ذکاء اللہ خاں ۲۰۰
۲۰۹ ذکا خوب چند کا تخلص ۲۰۰
۲۱۰ ذوق شیخ محمد ابراہیم ۲۰۱
۲۱۱ ذوقا ذوقا شاہ ۲۲۰
۲۱۲ ذوقی ذوقی رام ۲۲۰
۲۱۳ ذوقی شاہ ذوقی ۲۲۱

(ر) ۲۲۱

۲۱۴ راقم غلام محمد ۲۲۱
۲۱۵ راقم بندرابن ۲۲۱
۲۱۶ راغب مرزا سبحان قلی بیگ ۲۲۲
۲۱۷ رافت رؤف احمد ۲۲۲
۲۱۸ راسخ غلام علی ۲۲۲
۲۱۹ راجہ راجہ بہادر ۲۲۳
۲۲۰ رجا ۲۲۳
۲۲۱ رسا ۲۲۳
۲۲۲ رسا مولوی علیم اللہ ۲۲۳
۲۲۳ رستم سید رستم علی خاں ۲۲۴

نمبر		صفحہ
۲۲۴	رسوا آفتاب رائے چودھری	۲۲۴
۲۲۵	رضا........	۲۲۴
۲۲۶	رضا میر رضا علی	۲۲۵
۲۲۷	رضا حمید الدین	۲۲۵
۲۲۸	رضا میر محمد رضا	۲۲۵
۲۲۹	رضا مرزا جیون	۲۲۶
۲۳۰	رضا سید میر مہدی	۲۲۶
۲۳۱	رضی سیف الدولہ	۲۲۶
۲۳۲	رضی مرزا رضی خان	۲۲۷
۲۳۳	رغبت میر ابو المعالی	۲۲۷
۲۳۴	رغبت........	۲۲۷
۲۳۵	رفیق مرزا اسد بیگ	۲۲۷
۲۳۶	رفیق امین اللہ	۲۲۸
۲۳۷	رفاقت مرزا امکین	۲۲۸
۲۳۸	رفیع رفیع الدین خاں	۲۲۸
۲۳۹	رقت قاسم علی	۲۲۹
۲۴۰	رنگین سعادت یار خاں	۲۲۹
۲۴۱	رنگین بودھ لال کائستھ	۲۳۲
۲۴۲	رند گنگا پرشاد	۲۳۲
۲۴۳	رند مہربان جان	۲۳۳
۲۴۴	رنج میر محمد نصیر	۲۳۴

نمبر		صفحہ
۲۴۵	رونق میر غلام حیدر خاں	۲۳۵
۲۴۶	روشن........	۲۳۵
۲۴۷	روشن روشن شاہ	۲۳۵

ز

۲۴۸	زار مرزا برہان الدین خاں	۲۳۶
۲۴۹	زار سید مظہر علی	۲۳۶
۲۵۰	زار میر جنوں	۲۳۷
۲۵۱	زکی شیخ مہدی علی	۲۳۷
۲۵۲	زکی جعفر علی خاں	۲۴۰
۲۵۳	زماں سید محمد زماں	۲۴۰
۲۵۴	زینت........	۲۴۰

س

۲۵۵	ساقی مرزا محمد جان بیگ	۲۴۰
۲۵۶	سائل مرزا محمد یار بیگ	۲۴۱
۲۵۷	سالک میر محمد ناصر	۲۴۱
۲۵۸	سبحان عبد السبحان	۲۴۲
۲۵۹	سبقت مرزا مغل	۲۴۲
۲۶۰	سجاد میر سجاد	۲۴۳
۲۶۱	سخن حکیم مرزا محمد حسین	۲۴۳
۲۶۲	سخنور دلواتی سنگھ	۲۴۳

۲۶۳	سرسبز مرزا زین العابدین خاں	۲۴۴
۲۶۴	سراج سراج الدین علی	۲۴۴
۲۶۵	سرکج	۲۴۵
۲۶۶	سرور اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں	۲۴۵
۲۶۷	سرور مرزا رجب علی بیگ	۲۴۷
۲۶۸	سعادت سعادت علی	۲۴۷
۲۶۹	سعید قاضی سعید الدین خاں	۲۴۸
۲۷۰	سکندر خلیفہ محمد علی	۲۴۸
۲۷۱	سلطان آفاق مرزا ایزد بخش بہادر	۲۴۹
۲۷۲	سلطان نواب نصر اللہ خاں	۲۴۹
۲۷۳	سلیمان مرزا سلیمان شکوہ بہادر	۲۴۹
۲۷۴	سلیمان سلیمان	۲۵۰
۲۷۵	سلام نجم الدین علی خاں	۲۵۰
۲۷۶	سودا مرزا محمد رفیع	۲۵۰
۲۷۷	سوز محمد میر	۲۶۰
۲۷۸	سوزاں مرزا احمد علی خاں	۲۶۲
۲۷۹	سہراب سہراب بیگ	۲۶۲
۲۸۰	سیادت مجاہدین	۲۶۲
۲۸۱	سید میر غلام رسول	۲۶۳
۲۸۲	سید میر قطب علی	۲۶۳
۲۸۳	سید میر غالب علی خاں	۲۶۳

ش

۲۸۴	شاد الہ یار بیگ	۲۶۵
۲۸۵	شاد	۲۶۵
۲۸۶	شاد	۲۶۵
۲۸۷	شاد میر احمد حسین	۲۶۶
۲۸۸	شاداب خوش بخت رائے	۲۶۶
۲۸۹	شاداں میر رجب علی	۲۶۶
۲۹۰	شاکر شاہ شاکر علی	۲۶۷
۲۹۱	شاکر محمد شاکر	۲۶۷
۲۹۲	شاہد شاہ سعد اللہ	۲۶۷
۲۹۳	شائق محمد ہاشم	۲۶۷
۲۹۴	شائق میر حاجی	۲۶۸
۲۹۵	شائق پیر محمد	۲۶۸
۲۹۶	شائق محمد نظیر الدین حسن	۲۶۸
۲۹۷	شرف مرزا اشرف الدین بیگ	۲۶۹
۲۹۸	شرف شیخ شرف الدین	۲۶۹
۲۹۹	شرف میر مہدی	۲۶۹
۳۰۰	شریف شریف بیگ	۲۷۰
۳۰۱	شرافت مرزا اشرف علی	۲۷۰
۳۰۲	شرر مرزا جعفر	۲۷۰
۳۰۳	شرر مرزا صادق	۲۷۰
۳۰۴	شرر مرزا ابراہیم بیگ	۲۷۱

۳۰۵ شورش ۲۷۱
۳۰۶ شعلہ امرناتھ ۲۷۱
۳۰۷ شفا حکیم یار علی ۲۷۲
۳۰۸ شفیع محمد شفیع ۲۷۲
۳۰۹ شفیق مظہر علی خاں ۲۷۲
۳۱۰ شکوہ محمد رضا خاں ۲۷۳
۳۱۱ شکوہ میر شکوہ علی ۲۷۳
۳۱۲ شکیبا شیخ غلام حسین ۲۷۳
۳۱۳ شکر رادھا کشن کائستھ ۲۷۴
۳۱۴ شگفتہ مرزا بیدار بخش بہادر ۲۷۴
۳۱۵ شگفتہ مرزا سیف علی ۲۷۴
۳۱۶ شگفتہ بدھ سنگھ ۲۷۵
۳۱۷ شوق شیخ الٰہی بخش ۲۷۵
۳۱۸ شوق جواہر بیگ ۲۷۶
۳۱۹ شوق مولوی قدرت اللہ ۲۷۶
۳۲۰ شوق ۲۷۶
۳۲۱ شوق حسن خاں ۲۷۶
۳۲۲ شوق بھوگی لال ۲۷۷
۳۲۳ شوق روشن لال ۲۷۷
۳۲۴ شوق محمد بخش ۲۷۷
۳۲۵ شوق غلام رسول ۲۷۸
۳۲۶ شوکت سنگھ ۲۷۸
۳۲۷ شوخ مرزا محمود بیگ ۲۷۸
۳۲۸ شورش غلام احمد ۲۷۹
۳۲۹ شورش میر غلام حسین ۲۸۰
۳۳۰ شہرت امیر بخش ۲۸۰
۳۳۱ شہرت ۲۸۰
۳۳۲ شہامت شہامت علی ۲۸۱
۳۳۳ شہیدی ۲۸۱
۳۳۴ شہیدی کرامت علی ۲۸۱
۳۳۵ شیدا ۲۸۳
۳۳۶ شیدا خواجہ ہینگا ۲۸۳
۳۳۷ شیدا نواب معین الدین خاں ۲۸۳
۳۳۸ شیفتہ ۲۸۴
۳۳۹ شیفتہ حافظ عبد الصمد ۲۸۴
۳۴۰ شیفتہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ ۲۸۴

ص

۳۴۱ صاحب مظفر الدولہ نواب ظفر یار خاں ۲۹۸
۳۴۲ صاحب ۲۹۹
۳۴۳ صاحب امۃ الفاطمہ بیگم ۲۹۹
۳۴۴ صاحبقران امام علی ۳۰۰
۳۴۵ صادق صادق علی خاں ۳۰۰
۳۴۶ صادق میر جعفر علی ۳۰۱
۳۴۷ صادق صادق علی خاں ۳۰۱

۳۴۸ صابر صابر شاہ ۳۰۱
۳۴۹ صانع نظام الدین احمد ۳۰۱
۳۵۰ صہبا کانجی مل ۳۰۳
۳۵۱ صہبا ۳۰۲
۳۵۲ صہبا مرزا راجہ شنکر ناتھ ۳۰۳
۳۵۳ صبر مرزا غلام حسین خاں ۳۰۳
۳۵۴ صدقی ۳۰۴
۳۵۵ صفا منولال کائستھ ۳۰۴
۳۵۶ صفا ۳۰۴
۳۵۷ صفدر میر صفدر علی ۳۰۴
۳۵۸ صفدری میر صادق علی ۳۰۵
۳۵۹ صنعت کریم الدین ۳۰۵

ض

۳۶۰ ضبط میر حسن شاہ ۳۰۶
۳۶۱ ضمیر شیخ مداری ۳۰۶
۳۶۲ ضمیر گنگا داس ۳۰۶
۳۶۳ ضیاء مرزا ضیا بخت ۳۰۷
۳۶۴ ضیاء ضیاء الدین ۳۰۷
۳۶۵ ضیاء میر ضیاء الدین ۳۰۷

ط ۳۰۸

۳۶۶ طالب طالب حسین ۳۰۸
۳۶۷ طالب ۳۰۸
۳۶۸ طالب میر طالب ۳۰۸
۳۶۹ طالب حافظ طالب ۳۰۸
۳۷۰ طبیب جھنولال کائستھ ۳۰۹
۳۷۱ طرہ طرہ باز خاں ۳۰۹
۳۷۲ طفل مرزا عبد المقتدر ۳۰۹
۳۷۳ طوس ۳۰۹
۳۷۴ طوماس ۳۱۰

ظ

۳۷۵ ظاہر میر مہدی ۳۱۰
۳۷۶ ظفر مرزا ابو الظفر بہادر ۳۱۰
۳۷۷ ظہور ساظہور اللہ بیگ ۳۱۲

ع

۳۷۸ عالی ۳۱۲
۳۷۹ عالی جاہ نواب نظام الملک بہادر ۳۱۲
۳۸۰ عارف محمد عارف ۳۱۳
۳۸۱ عارف میر عارف علی ۳۱۳
۳۸۲ عاجل الفت خاں ۳۱۴
۳۸۳ عاجز نور آور سنگھ کھتری ۳۱۴

۳۸۴ عاصی منشی امداد حسین ۳۱۴
۳۸۵ عاصی ۳۱۴
۳۸۶ عاصی خواجہ برہان الدین ۳۱۵
۳۸۷ عاقل عقل شاہ ۳۱۵
۳۸۸ عاشق ۳۱۵
۳۸۹ عاشق بخشی بھولاناتھ ۳۱۵
۳۹۰ عاشق رام سکھ کھتری ۳۱۶
۳۹۱ عاشق مہدی علی خاں ۳۱۶
۳۹۲ عاشق شیخ نبی بخش ۳۱۶
۳۹۳ عاشق مولوی جلال الدین ۳۱۷
۳۹۴ عاشقی آغا حسین قلی خاں ۳۱۷
۳۹۵ عبرت میر ضیاء الدین ۳۱۸
۳۹۶ عبدالواسع ۳۱۸
۳۹۷ عزلت سید عبدالولی ۳۱۸
۳۹۸ عزیز بھکاری لال ۳۱۹
۳۹۹ عزیز عزیز اللہ ۳۱۹
۴۰۰ عزیز مہاراج سنگھ ۳۱۹
۴۰۱ عزیز شیوناتھ ۳۲۰
۴۰۲ عسکری مرزا عسکری ۳۲۰
۴۰۳ عشاق ۳۲۰
۴۰۴ عشقی ۳۲۰
۴۰۵ عشق حکیم میر عزت اللہ خاں ۳۲۱
۴۰۶ عشق شاہ رکن الدین ۳۲۱
۴۰۷ عشق شیخ غلام محی الدین ۳۲۲
۴۰۸ عشرت میر غلام علی ۳۲۳
۴۰۹ عظیم مرزا عظیم بیگ ۳۲۴
۴۱۰ عظیم ۳۲۵
۴۱۱ عظمت میر عظمت اللہ خاں ۳۲۵
۴۱۲ علی مرزا علی قلی ۳۲۶
۴۱۳ علی علی محمد خاں ۳۲۶
۴۱۴ عنایت عنایت علی خاں ۳۲۶
۴۱۵ عیش مرزا حسین رضا ۳۲۶
۴۱۶ عیشی طالب علی خاں ۳۲۷
۴۱۷ عیاش میر یعقوب ۳۲۷
۴۱۸ عیاش خیالی رام ۳۲۸

غ

۴۱۹ غالب مکرم الدولہ بہادر بیگ خاں ۳۲۸
۴۲۰ غالب غالب علی خاں ۳۲۹
۴۲۱ غالب اسداللہ خاں ۳۲۹
۴۲۲ غنائی ۳۳۸
۴۲۳ غافل بختاور سنگھ ۳۳۸
۴۲۴ غافل رائے سنگھ ۳۳۸
۴۲۵ غریب ۳۳۹

۴۲۶ غریب شیخ نصیر الدین احمد ۳۳۹
۴۲۷ غضنفر غضنفر علی خاں ۳۳۹
۴۲۸ غلام راجہ گوپال ناتھ ۳۴۰
۴۲۹ غلامی شاہ غلام محمد ۳۴۰
۴۳۰ غمگین میر سید علی ۳۴۰
۴۳۱ غنی ۳۴۱
۴۳۲ غنی شیخ عبد الغنی ۳۴۱
۴۳۳ غواص ۳۴۱

ف

۴۳۴ فارغ میر احمد خاں ۳۴۱
۴۳۵ فارغ ۳۴۱
۴۳۶ فارغ فارغ شاہ ۳۴۲
۴۳۷ فارغ مکند سنگھ ۳۴۲
۴۳۸ فائز ۳۴۳
۴۳۹ فدا سید محمد علی ۳۴۳
۴۴۰ فدا میر عبد الصمد ۳۴۴
۴۴۱ فدا فدا حسین ۳۴۴
۴۴۲ فدا عاقبت محمود خاں ۳۴۵
۴۴۳ فدا لچھمی رام ۳۴۵
۴۴۴ فدا عاقبت محمود خاں ۳۴۵
۴۴۵ فدائی مرزا عظیم بیگ ۳۴۵
۴۴۶ فدوی مکن بقال ۳۴۶
فدوی میر فضل علی ۳۴۶
۴۴۸ فدوی محمد حسن ۳۴۷
۴۴۹ فدوی مرزا محمد علی ۳۴۷
۴۵۰ فراغ محمد فراغ ۳۴۸
۴۵۱ فراسو ۳۴۸
۴۵۲ فرخ میر فرخ علی ۳۴۸
۴۵۳ فرخ فرخ بخش ۳۴۹
۴۵۴ فرحت امیر علی ۳۴۹
۴۵۵ فروغ میر روشن علی خاں ۳۴۹
۴۵۶ فریاد ۳۵۰
۴۵۷ فراق حکیم ثناء اللہ خاں ۳۵۰
۴۵۸ فراقی پریم کشور ۳۵۱
۴۵۹ فرہاد میر ببر علی ۳۵۲
۴۶۰ فصیح مرزا جعفر علی ۳۵۲
۴۶۱ فضل فضل مولا خاں ۳۵۲
۴۶۲ فغان اشرف علی خاں ۳۵۳
۴۶۳ فقیر فقیر اللہ ۳۵۴
۴۶۴ فقیر میر شمس الدین ۳۵۵
۴۶۵ فگار میر حسین ۳۵۵
۴۶۶ فگار مرزا قطب علی بیگ ۳۵۶
۴۶۷ فیض پنڈت کرپا کشن ۳۵۶

۴۶۸ فیض میر فیض علی ۳۵۶

ق

۴۶۹ قائم شیخ محمد قیام الدین ۳۵۷
۴۷۰ قاسم سید قاسم علی خاں ۳۶۴
۴۷۱ قاسم حکیم قدرت اللہ خاں ۳۶۵
۴۷۲ قاسم میر قاسم علی ۳۶۶
۴۷۳ قاسم میر ببر علی بیگ ۳۶۶
۴۷۴ قابل مرزا علی بخش ۳۶۶
۴۷۵ قبول غنی بیگ ۳۶۷
۴۷۶ قدرت شاہ قدرت اللہ ۳۶۷
۴۷۷ قدرت مولوی قدرت اللہ ۳۶۹
۴۷۸ قدرت مولوی قدرت اللہ ۳۶۹
۴۷۹ قربان میر مہدی ۳۷۰
۴۸۰ قربان قربان علی ۳۷۰
۴۸۱ قرار جان محمد ۳۷۰
۴۸۲ قرار میر حسن علی ۳۷۰
۴۸۳ قریں ۳۷۱
۴۸۴ قسمت ۳۷۱
۴۸۵ قلندر نظر ۳۷۱
۴۸۶ قمر مرزا قمر الدین ۳۷۲
۴۸۷ قمر مرزا قمر طالع ۳۷۲
۴۸۸ قیس مرزا احمد بیگ ۳۷۲

ک اور گ

۴۸۹ کامل پنڈت ٹھاکر داس ۳۷۳
۴۹۰ کامل مرزا کامل بیگ ۳۷۳
۴۹۱ کبیر حکیم کبیر علی ۳۷۴
۴۹۲ کریم کریم اللہ خاں ۳۷۴
۴۹۳ کرم شیخ غلام ضامن ۳۷۴
۴۹۴ کرم مرزا حیدر علی بیگ ۳۷۶
۴۹۵ گرفتار سنگی بیگ ۳۷۷
۴۹۶ گریاں میر محمد علی ۳۷۷
۴۹۷ گستاخ مرزا علی ۳۷۷
۴۹۸ کلو مرزا کلو ۳۷۸
۴۹۹ حکیم شیخ کلیم اللہ ۳۷۸
۵۰۰ حکیم میر محمد حسین ۳۷۸
۵۰۱ کمال شاہ کمال الدین حسین ۳۷۹
۵۰۲ گمان ۳۸۰
۵۰۳ گنا بیگم ۳۸۰
۵۰۴ کوچک مرزا وجیہہ الدین ۳۸۱
۵۰۵ کوشش مہدی علی خاں ۳۸۱
۵۰۶ گویا شیخ حیات اللہ ۳۸۲
۵۰۷ گویا حسام الدولہ ۳۸۳

ل

۵۰۸ لطیف میر شمس الدین ۳۸۴
۵۰۹ لطیف میر لطیف علی ۳۸۵
۵۱۰ لطف مرزا علی ۳۸۵

م

۵۱۱ مائل میر مہدی ۳۸۷
۵۱۲ مائل محمد یار بیگ ۳۸۸
۵۱۳ مائل سید کاظم علی ۳۸۸
۵۱۴ ماہر فخر الدین خاں ۳۸۸
۵۱۵ مبتلا مرزا کاظم بیگ ۳۸۸
۵۱۶ مبتلا ۳۸۹
۵۱۷ مجذوب مرزا غلام حیدر بیگ ۳۸۹
۵۱۸ مجنوں ۳۸۹
۵۱۹ مجنوں ۳۹۰
۵۲۰ مجرم میر فتح علی ۳۹۰
۵۲۱ مجرم رحمت اللہ ۳۹۱
۵۲۲ مجبور ۳۹۱
۵۲۳ محزوں میر ناصر خاں ۳۹۱
۵۲۴ محزوں ۳۹۲
۵۲۵ محور شیخ عظیم اللہ ۳۹۲
۵۲۶ محور حسن علی خاں ۳۹۲
۵۲۷ محب شیخ ولی اللہ ۳۹۳
۵۲۸ محبت میر بہادر علی ۳۹۳
۵۲۹ محبت نواب محبت خاں ۳۹۴
۵۳۰ محنت مرزا حسین علی ۳۹۵
۵۳۱ محشر اکرام اللہ خاں ۳۹۵
۵۳۲ محشر مرزا علی نقی ۳۹۵
۵۳۳ محسن میر حسن ۳۹۶
۵۳۴ محترم خواجہ محترم خاں ۳۹۶
۵۳۵ محمود محمود خاں ۳۹۷
۵۳۶ مخلص میر باقر ۴۰۱
۵۳۷ مخلص مخلص علی خاں ۴۰۱
۵۳۸ مدحت لکھنوی ۴۰۱
۵۳۹ مدہوش ۴۰۱
۵۴۰ مرزا آقا مرزا ۴۰۱
۵۴۱ مرزا مرزا ایلیا ۴۰۲
۵۴۲ مرزا ہدایت اللہ ۴۰۲
۵۴۳ مرزا حکیم مرزا محمد خاں ۴۰۲
۵۴۴ مروت صغیر علی ۴۰۳
۵۴۵ مرہون مرزا علی رضا ۴۰۳
۵۴۶ مرسل مزمل شاہ ۴۰۳
۵۴۷ مسرور شیخ پیر بخش ۴۰۴

۵۴۸ مسرور مرزا نگی بیگ ۴۰۴
۵۴۹ مسرور میر شرف الدین احمد ۴۰۴
۵۵۰ مسکین سید عبدالواحد خاں ۴۰۵
۵۵۱ مسرت شیخ وزیر علی ۴۰۵
۵۵۲ مستمند یار علی خاں ۴۰۵
۵۵۳ مسیح ۴۰۵
۵۵۴ مشیر قطب الدین ۴۰۶
۵۵۵ مشتاق عبداللہ خاں ۴۰۶
۵۵۶ مشتاق حافظ تاج الدین ۴۰۷
۵۵۷ مشتاق محمد واصل ۴۰۷
۵۵۸ مشہور ۴۰۷
۵۵۹ مصلح میر ماشاءاللہ خاں ۴۰۸
۵۶۰ مصحفی غلام ہمدانی ۴۰۸
۵۶۱ مضمون ۴۱۵
۵۶۲ مضمون شرف الدین ۴۱۶
۵۶۳ مضطر کنور سین ۴۱۶
۵۶۴ مضطر مرزا سنگین ۴۱۷
۵۶۵ مضطرب درگا پرشاد ۴۱۷
۵۶۶ مضطرب محمد حاجی ۴۱۷
۵۶۷ مظہر مرزا جان جاناں ۴۱۸
۵۶۸ مظفر سید مظفر علی خاں ۴۱۹
۵۶۹ معقول ۴۱۹
۵۷۰ معنی محمد امین ۴۲۰
۵۷۱ معین معین الدین ۴۲۰
۵۷۲ معروف الٰہی بخش خاں ۴۲۰
۵۷۳ مغل مغل علی ۴۲۵
۵۷۴ مغموم میر سیب علی ۴۲۶
۵۷۵ مفتون مرزا کریم بخش ۴۲۶
۵۷۶ مفلس محب علی ۴۲۶
۵۷۷ مقبول مقبول نبی ۴۲۶
۵۷۸ مقتول ابراہیم بیگ ۴۲۷
۵۷۹ مقصود ۴۲۷
۵۸۰ ملال ۴۲۷
۵۸۱ ملول شاہ شرف الدین ۴۲۷
۵۸۲ مملو ۴۲۸
۵۸۳ ممتاز ۴۲۸
۵۸۴ ممنون میر امانت علی ۴۲۸
۵۸۵ ممنون نظام الدین ۴۲۸
۵۸۶ منیر وجیہہ الدین ۴۳۶
۵۸۷ منیر خواجہ آفتاب خاں ۴۳۷
۵۸۸ منشی میر محمد حسین ۴۳۷
۵۸۹ منشی مول چند کالستھ ۴۳۸
۵۹۰ منتظر نورالاسلام ۴۳۸
۵۹۱ منتظر شیخ امام الدین ۴۳۹

۵۹۲ منعم قاضی نورالحق ۴۳۹
۵۹۳ منعم موہن لال ۴۴۰
۵۹۴ منصف منصف علی خاں ۴۴۰
۵۹۵ منت میر قمرالدین ۴۴۰
۵۹۶ موزوں میر فرزند علی ۴۴۲
۵۹۷ موزوں بیر سنگھ ۴۴۳
۵۹۸ موج خدا بخش ۴۴۳
۵۹۹ مونس حکیم سعادت علی ۴۴۳
۶۰۰ مومن حکیم مومن خاں ۴۴۴
۶۰۱ مہر رجب علی ۴۷۲
۶۰۲ مہر منشی مہر چند ۴۷۳
۶۰۳ مہلت مرزا علی ۴۷۳
۶۰۴ مہیر محمد تقی ۴۷۴

ن

۶۰۵ ناجی محمد شاکر ۴۹۴
۶۰۶ نالاں محمد عسکری ۴۹۵
۶۰۷ نالاں ۴۹۵
۶۰۸ نادم ۴۹۶
۶۰۹ ناصر نواب ناصر جنگ ۴۹۶
۶۱۰ نادر گنگا سنگھ ۴۹۶
۶۱۱ نادر میر محمد عارف علی ۴۹۷
۶۱۲ نارنگ زینت ۴۹۷
۶۱۳ ناظم ۴۹۷
۶۱۴ نامی مرزا رجب علی بیگ ۴۹۷
۶۱۵ نامی مرزا حسام الدین ۴۹۸
۶۱۶ نامی ۴۹۹
۶۱۷ ناسخ امام بخش لکھنوی ۴۹۹
۶۱۸ نثار عبدالرسول ۵۰۹
۶۱۹ نثار نثار علی ۵۱۰
۶۲۰ نثار محمد امان ۵۱۰
۶۲۱ نجف میر نجف علی ۵۱۱
۶۲۲ نجات سید زین العابدین ۵۱۲
۶۲۳ ندیم مرزا علاء ۵۱۲
۶۲۴ ندرت مرزا مغل ۵۱۲
۶۲۵ نزہت مرزا ارجمند ۵۱۳
۶۲۶ نزاکت رجو ۵۱۳
۶۲۷ نسیم مرزا راجہ گیلانی حافظ ۵۱۵
۶۲۸ نسیم گلزار علی ۵۱۵
۶۲۹ نشاط مولوی الٰہی بخش ۵۱۶
۶۳۰ نشاط الیسری سنگھ ۵۱۶
۶۳۱ نصیر شاہ نصیر الدین ۵۱۷
۶۳۲ نظیر شیخ ولی احمد ۵۱۹
۶۳۳ نظیر دھنپت رائے ۵۲۰

۶۳۴ نظیر ۵۲۰
۶۳۵ نظام نواب غازی الدین خاں ۵۲۰
۶۳۶ نوازش نوازش حسین خاں ۵۲۱
۶۳۷ نیاز مولوی نیاز احمد ۵۲۱
۶۳۸ نیاز میر محمد ۵۲۲

و

۶۳۹ واثق حسن بخش خاں ۵۲۲
۶۴۰ واصل محمد واصل ۵۲۲
۶۴۱ وجیہہ وجیہ الدین خاں بہادر ۵۲۳
۶۴۲ وحشت ۵۲۳
۶۴۳ وحشت میر ابو الحسن ۵۲۳
۶۴۴ واقف ۵۲۴
۶۴۵ والہ ۵۲۴
۶۴۶ والہ مرحمت خاں ۵۲۴
۶۴۷ وحشت غلام علی خاں ۵۲۵
۶۴۸ وحدت جمعیت رائے ۵۳۰
۶۴۹ وزیر وزیر علی خاں ۵۳۰
۶۵۰ وزیر خواجہ وزیر ۵۳۰
۶۵۱ وسعت مستقیم خاں ۵۳۱
۶۵۲ وصال نصر اللہ خاں ۵۳۱
۶۵۳ والہ مظہر علی خاں ۵۳۱
۶۵۴ ولی ۵۳۲
۶۵۵ ولی مرزا ولی محمد ۵۳۳

ہ

۶۵۶ ہادی میر محمد عباد علی خاں ۵۳۴
۶۵۷ ہاشمی میر محمد ہاشم ۵۳۵
۶۵۸ ہاشمی ۵۳۶
۶۵۹ ہدایت ہدایت خاں ۵۳۶
۶۶۰ ہرچند ہرچند کشور ۵۳۷
۶۶۱ ہمدم عبداللہ خاں ۵۳۸
۶۶۲ ہمزہ شاہ ہمزہ ۵۳۸
۶۶۳ ہمت اخوند ہمت ۵۳۸
۶۶۴ ہوش غلام مرتضیٰ ۵۳۹
۶۶۵ ہوش ۵۳۹
۶۶۶ ہوش مرزا محمد تقی خاں ۵۳۹

ی

۶۶۷ یاد میر غلام حسین ۵۴۱
۶۶۸ یاس خیر الدین ۵۴۱
۶۶۹ یقین انعام اللہ خاں ۵۴۳

پیش لفظ

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی

ایم-اے (انگلش ایم-اے فلاسفی) ایل-ٹی (تعلیم) پی ایچ ڈی (انگلش لٹریچر)

ہمارے تذکرہ نگاروں میں اگر کسی کو نقاد کے دائرے میں لایا جاسکتا ہے تو وہ شیفتہ ہیں، جی چاہتا ہے کہ اردو تنقید میں انہیں وہی مقام دیا جائے جو انگریزی میں سر فلپ سڈنی کو حاصل ہے۔ شیفتہ اور سڈنی میں بہت سی مناسبتیں ملتی ہیں۔ دونوں عالی خاندان صاحبان ذوق تھے، شاعروں کے مربی اور دوست اور خود بھی پیدائشی شاعر، دونوں کے کردار کی شرافت اور نیک دلی مشہور ہے، انگریزی لفظ NOBLE سر فلپ سڈنی کے نام سے منسوب ہو گیا اور یہی لفظ جس میں شرافت، متانت اور بہت سے معنے آجاتے ہیں شیفتہ کی تعریف کے لئے بھی مناسب ٹھیرے گا۔ دونوں شدت کے ساتھ مبتلائے عشق تھے اور دونوں نے اس کا اظہار شاعری میں کیا ہے۔ سڈنی کی شاعری صنف "سانٹ" سے تمام تر وابستہ جو ہماری غزل سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہے اور شیفتہ کی شاعری تمام تر غزل گوئی ہے۔ مگر ان سب مناسبتوں سے زیادہ اہم مناسبت یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے ملک میں اور اپنے اپنے ادب میں اسی چیز کی بنیاد رکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جو نکتہ چینی کے دائرے سے نکل کر تنقید کے دائرے میں آجاتی ہے۔ سڈنی سے پہلے یورپ کی تنقید میں بھی اسی قسم کی نکتہ چینی تھی جیسی ہمیں شیفتہ سے پہلے کے تذکرہ نگاروں میں ملتی ہے۔ سڈنی نے اپنے تنقیدی مضمون میں عام اصولوں کی وضاحت کی اور اپنے دور کے ادب کا جائزہ لیا۔ شیفتہ اس درجہ تک نہیں پہنچے ہیں۔ ان کا

دیگلشن بے خار" تذکرہ ہی ہے اور زیادہ تر تذکرے ہی کے خصوصیات رکھتا ہے مگر خاص بات اس میں یہ ہے کہ شاعروں کے ذکر اور ان پر رائے میں ہمیں وہ نظر ملتی ہے جو ہمیشہ تنقید نگاری کی جان اور روح رواں رہے گی۔ اس لئے اس اہم تنقیدی تصنیف کا زیر نظر ایڈیشن اردو تنقید نگاری کی بڑی خدمت کرتا ہے۔

اس ایڈیشن کے ساتھ فاروقی صاحب کا مقدمہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں ہمیں وہ محنت اور ریسرچ ملتی ہے جو اگر بڑھادی جائے تو اسے ڈاکٹر کی سند کے لئے ہر یونیورسٹی قبول کرے گی۔ اس میں شیفتہ کی شاعری اور تنقید نگاری کی بابت اتنے معلومات فراہم کردئے گئے ہیں کہ میں قلم بدندان سوچ رہا ہوں کہ آگے کیا لکھوں۔ ہاں اتنا عرض کروں گا کہ شیفتہ کی تنقید میں وہ غیر جانبداری اور وہ تنقیدی ہمدردی ہے جو جدید تنقید کا طرۂ امتیاز ہے۔ غیر جانبداری سے ہمارے یہاں مفہوم نکالنے اور کلر کانہ دوری لیا جاتا ہے اور اگر شیفتہ کو غیر جانبدار کہا جائے تو فوراً یہ اعتراض ہوگا کہ وہ دہلی کے شعراء کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہیں اور ان کے بمقابلہ دوسرے مقامات کے شاعروں کے زیادہ طرفدار ہیں ایسا اعتراض فن تنقید سے عدم واقفیت پر مبنی ہوگا۔ فن تنقید ہر فن کی طرح ایک مخصوص انفرادیت کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے اور ایک مخصوص انفرادیت کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ شیفتہ کو بھی اپنے فن کا دائرہ مقرر کرنا پڑا اور یہ ان کی انفرادیت کی شان ہے کہ انہوں نے اس تذکرے میں صرف ایسے شاعروں کو شامل کیا جن کے فن سے وہ بہت اچھی طرح واقف تھے اور جن کی ہستیوں سے ذاتی لگاؤ رکھتے تھے۔ یہ صفت ان کے تذکرہ کو محض "ہواؤ ہوی" کے دائرے سے نکال کر ایک فنی چیز بنا دیتی ہے۔ یہی "گلشن بے خار" کی سب سے بڑی اہمیت ہے کہ اس میں محض فنی گیری نہیں ہے بلکہ ایک زندہ اور صاحب ذوق شاعر اپنی مخصوص نظر سے ان لوگوں کو دیکھ رہا ہے جو اس کی ہمدردی کے دائرے میں آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شیفتہ دہلی کی شاعری کے نمائندوں میں سے تھے اور اپنے مدرسۂ شاعری سے پوری ہمدردی رکھتے تھے، اور اس لئے ان کی اس مدرسہ کے شاعروں پر تنقید سے زیادہ مستند تنقید اور کہیں نہیں مل سکتی جیسے ڈاکٹر جانسن کی کلاسیکی شعراء پر تنقید اہم ہے ویسے ہی شیفتہ کی دہلی اسکول پر تنقید بالکل اسی نقطۂ نظر کی آئینہ دار ہے جو دہلی اسکول کے شاعروں کا تھا۔

بہر حال شیفتہ کی تصنیف "گلشن بے خار" کا مطالعہ ہمارے لئے آج بہت ہی بصیرت افروز ثابت ہوگا اور اس کام میں فاروقی صاحب کا یہ ایڈیشن وہ مدد دے گا جو اب تک کوئی ایڈیشن نہ دے سکا۔ شیفتہ کی دلکش ہستی کا نقش اگر ہمارے سامنے رہے تو وہ ایک قسم کی روحانی تقویت ضرور دیتا رہے گا۔ جدید نقادوں کو کردار کی ضرورت صحیح مذاق کی ضرورت اور فنی لطافت کی ضرورت ہے۔ یہ صفات شیفتہ کے کلام میں راہ دکھانے والے چراغ کی طرح چمک رہی ہیں۔ فاروقی صاحب انگلی سے اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ چراغ ہے اور ادھر ہی راستہ ہے۔

کراچی ۱ر جولائی ۶۲ء　　　　احسن فاروقی

احسان الحق فاروقی ایم ۔ اے
(مترجم)

تعارُف

از سید الطاف علی بریلوی

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مرحوم اپنی بے نظیر علمی قابلیت اور ادب نوازی کی بدولت برِ صغیر پاک و ہند کے علمی حلقوں میں قریباً ایک صدی سے مشہور و معروف رہے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ آپ علمی استعداد اور باطنی خوبیوں کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں میں جن میں مومن۔ غالب۔ صدرالدین خاں آزردہ۔ ذوق۔ مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولوی امام بخش صہبائی جیسے اجلّہ مشاہیر شامل تھے فردِ فرید تھے بقول سر سید مرحوم آپ

"نبض شناس و سخن داں۔ نکتہ سنج و نکتہ داں۔ اخلاق و خصائل میں مہبطِ انوارِ سعادت اور حاتمِ کرم۔ اور اسی طرح علمی قابلیت میں بدرِ منیر ماہ تابانِ تقویٰ و طہارت اور خدا پرستی میں زاہد شب زندہ دار تھے۔"

ان کے والد بزرگوار نواب مرتضیٰ خاں بہادر عہد شہنشاہ فرخ سیر میں افغانستان سے وارد ہند ہوئے۔ غضنفر جنگ نواب محمد خاں بنگش والیِ فرخ آباد کے ہم جد تھے۔ مہاراجہ ہلکر نواب امیر خاں والیِ ٹونک اور بعد ازاں لارڈ لیک کے ساتھ بڑے بڑے معرکے سر کئے جس کے صلہ میں ان کو تین لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی جاگیر عطا ہوئی اور علاقہ جہانگیر آباد انھوں نے اپنے خلف الرشید نواب مصطفیٰ خاں کے نام خود خرید کیا۔

شیفتہ نہ صرف مسند آرائے علم و ادب تھے بلکہ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جس کی پاداش میں سات سال تک قید فرنگ کی تکالیف برداشت کیں اور ان کے وظائف سرکاری اور نصف حصہ جائداد ضبط ہوا۔ نواب شیفتہ ۱۸۶۹ء تک بقید حیات رہے۔ سر سید کی تحریک

سے آپ کو قریبی وابستگی تھی اور انھوں نے سرسید کو حالی جیسا انمول رتن دیا۔ نواب مصطفٰے خاں حسرتی و شیفتہ تخلص کرتے تھے انھوں نے تہذیب شعرِ اُردو کی ایک نئی عمارت قائم کی جو نہ صرف فارسی کی ہم سطح ہوگئی بلکہ بعض باکمالوں کے ہاتھوں زیادہ بلندی پر پہونچ گئی شیفتہ کی یہ خدمت ہماری ادبی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے ان کا مجموعہ اُردو کلام اور تذکرہ "گلشن بے خار" وغیرہ ان کے ایجاد کردہ اسلوب نگارش کا بہترین ثبوت ہیں۔

"گلشن بے خار" آج بھی شعرائے اُردو کے تذکرہ نگاروں کے لئے ناگزیر سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ اس کتاب نے سب سے پہلے ادب میں صحیح اصول تنقید و تبصرہ کی داغ بیل ڈالی۔ چونکہ موجودہ نظام درس و تدریس میں فنِ تنقید ایک ضروری جزو ہے اور اُردو ادب کو سمجھنے اور اُس سے شغف پیدا کرنے کے لئے اس فن سے دلچسپی اور واقفیت نہایت ضروری ہے۔ اس لئے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کتاب کو جو یونیورسٹی کی اعلےٰ جماعتوں کے نصاب میں داخل ہو چکی ہے اُردو ترجمے کے لئے منتخب کیا تاکہ بہی خواہانِ اُردو ادب کو اس سے استفادہ کرنے میں کوئی دقت نہ ہو در حقیقت اس کے ایک مستند بامحاورہ اور ٹکسالی اُردو زبان میں ترجمہ کی ضرورت ادبی حلقوں میں عرصۂ دراز سے شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی تھی۔

یہ حسنِ اتفاق ہے اور اُردو کے لئے فال نیک تھی کہ نواب صاحب جیسے متبحر عالم سخن سنج اور صاحبِ طرز انشاپردازکی اس تخلیق فائقہ کو اُردو کا جامہ پہنانے کا کام ایک ایسے قابلِ قدر دست نے اپنے ہاتھ میں لیا جو خود بھی فارسی اور اُردو میں کامل دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کے اعلےٰ اور ستھرے مذاق سے متصف ہیں۔

مترجم کتاب ہذا جناب مسٹر احسان الحق فاروقی ایم۔ اے (منشی فاضل) سے میں کچھ عرصہ قبل متعارف ہوا اور پہلی ہی ملاقات میں آپ کی دلکش شخصیت۔ پروقار اندازِ گفتگو، منکسر مزاج طبیعت اور قدیمی اسلامی وضعداری سے کافی متاثر ہوا اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھا اور ظاہری کشش و جاذبیت کے علاوہ آپ کی مہارت شعر و سخن، وسیع اخلاق اور اُردو زبان سے والہانہ شغف کا بھی پورا اندازہ ہوا۔ بہ اعتبار شرافت نسب آپ فاروقی النسل ہیں اور بہ اعتبار خانوادہ پیرزادہ کہلاتے ہیں اس لئے کہ آپ مشہور و معروف فقیہ سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رح

کی اولاد میں ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۹۱۵ء میں بھارت کے مشہور شہر جے پور کے علاقہ جھنجھنوں میں ہوئی، یہ مقام مدتوں قائم خانی نوابوں کا دارالحکومت رہنے کی وجہ سے اسلامی معاشرت و تہذیب کا مرکز اور عالی مرتبت صوفیا و صاحب باطن بزرگوں کا مسکن رہا ہے۔ آج بھی وہ لوگ وہاں محوِ استراحت ہیں اور ان کے مزارات و خانقاہیں مرجع خلائق ہیں۔ کم سنی ہی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے اس لئے ان کی ابتدائی تعلیم ان کے جدامجد مولوی محمد رمضان صاحب کے زیر نگرانی ہوئی جو اپنے وقت کے جیّد عالم اور صاحبِ تصنیف تھے لیکن وہ بھی آپ کو نو سال کا چھوڑ کر اللہ کے پیارے ہو گئے اس کے بعد آپ اپنے چچا حضرت فخرالدین کے پاس جے پور تشریف لے آئے اور وہیں رہ کر آپ نے انگریزی اور اُردو کی تعلیم حاصل کی، اس سے فارغ ہونے کے بعد ریاست کے محکمہ زراعت میں ملازمت اختیار کر لی لیکن تعلیم کا شوق برابر جاری رہا اور اُردو فارسی کی اعلےٰ قابلیت کے امتحانات کی سندات آپ نے زمانہ ملازمت ہی میں حاصل کیں۔

شہر جے پور ۱۸۵۷ء سے مسلمان شرفاء اور اہلِ ہنر کا ایک اہم مرکزی مقام رہا ہے۔ دہلی، لکھنؤ اور روہیل کھنڈ کے بہت سے باکمال مسند نشینِ علم وفضیلت اور صاحبانِ سیف و قلم نے راجستھان کی طرف توجہ کی۔ جے پور کے حکمرانوں کا چونکہ سلاطین مغلیہ سے قریبی تعلق رہا تھا اور ریاست کی بقا و ترقی ان کی بے مثل رواداری اور رعایا پروری کی مرہون منت تھی اس لئے دیگر راجپوت ریاستوں کے مقابلہ میں جے پور نے دہلی کی عظمتِ رفتہ کے ان جیتے جاگتے پیکروں کو زیادہ فراخ دلی سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مہاراجگان اور روٗسا نے ان کی خاطر خواہ قدر افزائی کی۔ جاگیریں عطا کیں۔ بیش قرار مشاہرے اور روزینے مقرر کئے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسلمانوں کو اپنے مشیروں اور مصاحبوں میں جگہ دی۔ ان نووارد مسلمانوں نے بھی حق وفاداری ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو مسلمانوں کی مشترکہ کوشش سے جہاں ایک طرف ریاست کی تشکیلِ نو اور اندرونی استحکام اور وقار کی بحالی کا مشکل کام حسن و خوبی انجام پا گیا وہیں علوم و فنون کی ترقی اور صنعت و ہنر کی ترویج کے ساتھ ساتھ علوم مشرقی۔ اور اسلامی تمدن و ثقافت نے بھی فروغ پایا۔

کالج و اسکولوں کے جدید تعلیم یافتہ طلباء اور نوجوانوں میں بشمول ہندو مسلم ادبی و شعری ذوق اور اُردو سے انس پیدا کرنے میں جن لوگوں نے کام کیا ان میں مولوی محمد امیر الدین خاں اور پروفیسر

حامی الدین خاں، کے ساتھ ساتھ جناب فاروقی صاحب بھی ہمیشہ نمایاں رہے۔ یوم نظیر۔ یوم اقبال اور لٹریری کارپوریشن کے قیام میں آپ نے بڑا حصّہ لیا، دفتری اوقات کے علاوہ آپ کے یہی علمی و ادبی مشاغل رہتے تھے۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ شاعری میں آپ کو اپنے وقت کے استاد سخن مولانا منظور احمد کوثر مرحوم کاکوروی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ اچھے شاعر ہیں۔

۱۹۴۷ء میں آپ پاکستان منتقل ہو گئے۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں آپ محکمۂ ترقیات بلدیۂ کراچی (کے۔ ڈی اے) سے وابستہ ہو گئے، اور اب بھی ہیں۔ لیکن ملازمت کی مصروفیتوں کے باوجود ادبی مشاغل، اہل قلم سے استفادہ کتب بینی۔ علمی و ادبی تحقیقات، شعر و سخن کی صحبتوں میں شرکت برابر جاری ہے۔ گھر پر بھی اربابِ ادب کی مجالس گرم رہتی رہیں۔

فاروقی صاحب کے کلام کی خصوصیات زبان کی پاکیزگی۔ اندازِ بیان کی سادگی۔ دلی سوز و گداز اور اخلاقی تعلیم ہے۔ پاکستان میں آپ کو اپنے جوان العمر ہونہار صاحبزادہ عماد الحق کی دائمی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جس سے آپ کے کلام میں اثر اور درد کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ یہ ہونہار بچہ ڈاؤ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھا۔

فاروقی صاحب نے گلشنِ بے خار کا اردو ترجمہ کرکے علم و ادب کے سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کیا ہے ہمیں اس کتاب کو اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی مطبوعات میں شامل کرکے دلی مسرت ہے۔ ترجمہ بہت شستہ، رواں اور با محاورہ ہے۔ ادبی لطافتوں کے گلہائے رنگا رنگ سے یہ ترجمہ باغ و بہار ہے۔

جناب فاروقی صاحب کی ادبی سرگرمیاں ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے قابل تقلید ہیں وہ ان کی تقلید میں اپنی ناگزیر مصروفیتوں سے وقت نکال کر اُردو کے ادبی سرمایہ میں دوسری زبانوں بالخصوص فارسی کی بیش بہا کتابوں کے ترجمے سے بہت مفید اضافہ کر سکتے ہیں، ہماری قومی و عوامی زبان کو ابھی فارسی سے بہت کچھ لینا ہے۔ علمی اصطلاحات کے وضع کرنے میں فارسی سے استفادہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ فارسی کی تحصیل کی طرف اب بہت کم توجہ دی جا رہی ہے اس لئے بھی یہ بساضروری ہے کہ فارسی کلاسیکی ادب کو اُردو میں بہترین طریقہ پر منتقل کیا جائے جس کے لئے جناب فاروقی صاحب کا یہ ترجمہ گلشن بے خار مشعل راہ ثابت ہوگا۔

(برلیوی)

کراچی ۲۰۔ نومبر ۱۹۶۲ء

مقدمۂ مترجم

احسان الحق فاروقی ایم۔اے

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

نواب مصطفیٰ خان مرحوم، غالب اور مومن کے ہمعصر تھے اپنے زمانے کے ایک باوضع، باوقار اور ممتاز رئیس تھے ان کو اردو اور فارسی دونوں سے خاص لگاؤ تھا، اور ان دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے، اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص تھا، علم و ادب کے بڑے قدرداں تھے اور شعراء کے ساتھ برابر مسلوک ہوتے تھے، شیفتہ جس قدر سنجیدہ اور متین رئیس تھے، اتنے ہی وہ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے، وہ ایک بلند پایہ شاعر، اعلیٰ نقاد اور بہترین نثار تھے، ان کی زندگی صدق و صفا اور زہد و تقویٰ کی زندگی تھی۔

ادبی خدمات

شیفتہ اردو کے بہت بڑے محسن ہیں، اردو اور فارسی کے دواوین کے علاوہ انہوں نے اردو شعراء کا ایک تذکرہ "گلشن بے خار" اپنی یادگار چھوڑا ہے، اس تذکرے سے قبل متعدد تذکرے معرض وجود میں آچکے تھے، ان میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ نکات الشعراء: میر تقی میر۔ سال تصنیف ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۰ء
۲۔ "تذکرہ سید امام الدین خان" (عہد محمد شاہ) سال تصنیف ۱۱۶۵ھ یا اس سے قبل
۳۔ "تذکرہ خان آرزو" سال تصنیف ۱۱۶۵ھ یا اس سے قبل
۴۔ "تذکرہ سودا" سال تصنیف ۱۱۶۵ھ یا اس سے قبل
۵۔ "معشوق چل سالہ سال تصنیف ۱۱۶۵ھ
۶۔ "تحفۃ الشعراء" مولفہ افضل بیگ قاقشال اورنگ آبادی۔ سال تصنیف ۱۱۶۵ھ
۷۔ "گلشن گفتار" مولفہ خواجہ خان حمید۔ اورنگ آبادی۔ سال تصنیف ۱۱۶۵ھ

۸۔ "تذکرہ ریختہ گویاں" از فتح علی حسینی گردیزی۔ سال تصنیف ۱۱۶۶ھ
۹۔ "مخزن نکات" شیخ قیام الدین چاندپوری۔ سال تصنیف ۱۱۶۸ھ
۱۰۔ "تذکرہ حیرت" سال تصنیف ۱۱۷۴ھ
۱۱۔ "چمنستانِ شعراء" از شفیق اورنگ آبادی۔ سال تصنیف ۱۱۷۵ھ
۱۲۔ "تذکرہ میر حسن" سال تصنیف ۱۱۸۸ھ یا ۱۱۹۲ھ
۱۳۔ "تذکرہ شورش" ۱۱۹۳ھ از سید غلام حسین عرف بھیکا (المتوفی ۱۱۹۵ھ)
۱۴۔ "گلزار ابراہیم" سال تصنیف ۱۱۹۸ھ
۱۵۔ "مجموعہ نغز" از قاسم۔ سال تصنیف ۱۲۲۱ھ
۱۶۔ "تذکرہ ہندی مصحفی" سال تصنیف ۱۲۰۹ھ
۱۷۔ "گلشن ہند" از علی لطف۔ سال تصنیف ۱۲۱۵ھ
۱۸۔ "ریاضِ الفصحاء" از مصحفی۔ سال تصنیف ۱۲۳۶ھ
۱۹۔ "عمدہ منتخبہ" از میر محمد جان سرور۔ سال تصنیف ۱۲۴۲ھ
۲۰۔ "عیارش الشعراء" از خوب چند ذکا۔ سال تصنیف ۱۲۴۷ھ

ذیل کے مشہور تذکرے "گلشن بے خار" کے بعد لکھے گئے:۔

۱۔ "انتخاب دواوین شعرائے مشہور زبان اردو کا" از شیخ امام بخش صہبائی۔ سال تصنیف ۱۲۶۰ھ
۲۔ "گلستانِ سخن صابر" سال تصنیف ۱۲۷۱ھ
۳۔ "تذکرہ شعرائے دکن" از درگا پرشاد نادر۔ سال تصنیف ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۷۱ء
۴۔ "بہارستانِ ناز" از فصیح الدین رنج میرٹھی۔ سال تصنیف ۱۲۸۱ء
۵۔ "گلشن ناز" از درگا پرشاد نادر۔ سال تصنیف ۱۲۸۱ء
۶۔ "تذکرہ گارسان تاسی" سال تصنیف ۱۸۳۹ء
۷۔ "تذکرہ کریم الدین" سال تصنیف ۱۸۴۱ء
۸۔ "آبِ حیات" از محمد حسین آزاد۔ سال تصنیف ۱۸۸۰ء

گلشن بیخار

ماسبق کے تذکروں میں "گلشن بے خار" مابہ الامتیاز خصوصیات کا حامل ہے۔ یہ تذکرہ مطبع لیتھوگرافک دہلی اخبار آفس میں باہتمام مولوی محمد باقر سپرنٹنڈنٹ مطبع ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء طبع ہوا۔ جو بڑی تقطیع پر تقریباً چار سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۳۷ء میں جو شائع ہوا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے ابتدائی نصف حصے کے شعراء کا ذکر اس میں کیا گیا ہے، اور اس صدی سے پہلے کے شعراء وہ لئے گئے ہیں جو مشہور ہوئے، اور جن کے شاعرانہ کارنامے شیفتہ کے زمانہ تک مروج اور مقبول تھے، تذکرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیفتہ جس قدر سنجیدہ اور متین رئیس تھے اتنے ہی علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے، چنانچہ اس تذکرہ میں جو متانت اور وزن پایا جاتا ہے وہ اور تذکروں میں مشکل سے ملتا ہے، شیفتہ ناقد بھی بہتر ہیں اور شعراء کے بارے میں ان کی رائیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ آزردہ نے میر کے بارے میں لکھا ہے "پستش بہ غایت پست و بلندش بہ غایت بلند" شیفتہ نے اس کا بڑا معقول جواب دیا ہے "پست و بلند کہ در کلامش بینی و رطب و یابس کہ در ابیاتش بنگری نظر نہ کنی و از نظر شش نیفگنی کہ گفتہ اند فردے

شعر گر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست
در ید بیضا ہمہ انگشتہا یک دست نیست

آگے چل کر کہا ہے :۔

"از اقسام شاعری در قصیدہ فکر غرشے نداشتہ چندان کہ غزلش بلند مرتبہ تر است"

شیفتہ نے میر کی غزلوں کو ان کے قصیدوں سے بہتر مانا ہے، آج بھی ناقدین اسی کو تسلیم کرتے ہیں سودا کے بارے میں شیفتہ لکھتے ہیں :۔

"استاد مسلم است و در فنون سخنوری از ہمہ پیش قدم لطف طبعش چون عشوہ دلدار سراپا نازہ از ہر رگ و پے نغلش می بارد" با فنون شاعری مناسبت تام دارد بر اصناف سخن قدرت تمام و آن کہ بین الانام شہرت پذیر است کہ قصیدہ اش بہ از غزل است حرفیست جہل، بزعم فقیر غزلش بہ از قصیدہ است و قصیدہ اش بہ از غزل"

آج تک یہ مشہور چلا آتا ہے کہ سوداؔ قصیدہ کے بادشاہ ہیں، لیکن غزل کے مرد میدان نہیں شیفتہؔ نے سوداؔ کی غزلوں کی قدر و قیمت واضح کی ہے اور ان کی غزلوں کو قصیدوں سے بہتر اور ان کے قصیدوں کو غزلوں سے بہتر بتایا ہے۔

قائمؔ کی شوخ نگاری کی جانب یہ اشارہ موجود ہے:۔

"در قطعات و رباعیات مضامینے کہ دلالت بر شوخی فکرش کند از طبعش تراویدہ"

مصحفی کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"گزیدہ اشعار او در نہایت رتبت و الا مرتبت اعلیٰ است"

ممنونؔ کے کلام کی خوبی کی یوں داد دی ہے:۔

"طرز گفتارش خیلے دلچسپ و دل نشین است و ملاحت کلامش نہایت عذب و شیرین در بستن مضامین بیگانہ یگانہ است"

تاباںؔ کے لئے لکھا ہے: "چون روی خویش طبعے خوشے داشت"

بیانؔ کے کلام کا جائزہ ان الفاظ میں لیا ہے: "حد شیخش شیرین و دلآویز نمکین و شور انگیز"

خصوصیات تذکرہ گلشن بیخار

بالاستیعاب "گلشن بے خار" کی خصوصیات یہ ہیں:۔

۱۔ یہ تذکرہ اور تذکروں کے مقابلہ میں زیادہ اہتمام اور ذمہ داری کے جذبہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

۲۔ اس تذکرہ میں شیفتہ نے پوری کوشش کی ہے کہ شاعر کے زیادہ سے زیادہ حالات معلوم کرکے درج کئے جائیں۔

۳۔ شیفتہ کے یہاں تنقید کا پہلو زیادہ جاندار، زیادہ نمایاں اور زیادہ صحیح ہے۔

۴۔ مولف کو اپنے فرض کا احساس رہا ہے اور اپنے ذاتی تعلقات سے متاثر ہو کر شاعر کے کلام کی تعریف نہیں کی ہے۔

۵۔ صاحب تذکرہ نے ہر شاعر کے بارے میں اپنی رائے جو عموماً صحیح ہوتی ہے بے کم و کاست مختصر

الفاظ میں بیان کردی ہے۔

۶۔ شعراء کے کلام کا نمونہ جو پیش کیا گیا وہ کافی غور و خوض کے بعد منتخب کیا گیا ہے۔

۷۔ مولف نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر شاعر کے خاندان کا حال بیان کردے، اکثر مقامات پر شاعر کے تلمذ، عام حالات اور مشاغل پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے اس تذکرہ کی اہمیت اور تذکروں کے مقابل میں زیادہ ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس تذکرہ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ یہ تذکرہ "مجموعہ نغز" سے بھی بہتر اور اغلاط سے عموماً پاک ہے، آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"شیفتہ نے جو آخری دور کے بہترین نقادان فن میں شمار ہوتے ہیں چھبیس۲۶ سال کی عمر میں اس اہم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ دلّی میں شیفتہ کے مکان پر ۱۸۴۷ء تک مشاعرے کی مجلس منعقد ہوتی رہی ان میں اس عہد کے بہترین ادیب اور صاحبان ذوق شامل ہوتے تھے، ان مواقع کی بناء پر شیفتہ کو نہ صرف اپنی ادبی اور فنی صلاحیتوں کو ابھارنے اور آزمانے کا موقع ملا بلکہ ان کو اپنے تذکرے کے لئے عمدہ مواد جمع کرنے کی سہولت بھی مہیا ہوگئی۔

"اسپرنگر کا بیان ہے کہ یہ تذکرہ بہت حد تک "مجموعہ نغز" سے ماخوذ ہے لیکن صحت اور اعتدال رائے کے علاوہ عمدگی انتخاب کے اعتبار سے بھی اپنے وقت کی جتنی کتابیں ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔" اس میں چھ سو اسّی شعراء کے حالات ہیں جن کے کلام کا بہترین نمونہ دیا گیا ہے۔

مصنفِ "خم خانۂ جاوید" نے بھی گلشن بے خار کو اس وجہ سے پسند کیا ہے کہ یہ "ارکان تذکرہ نویسی سے مالامال اور محققانہ پابندی سے اپنے متقدمین کا کمال دکھا رہا ہے۔"

شیفتہ کی تذکرہ نگاری کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کا انتخاب سخن عین ان امتیازی کیفیتوں کے مطابق ہوتا ہے جنہیں وہ کسی شاعر کے اسلوب سخن سے منسوب کرتا ہے، درحقیقت یہ ایک بڑا کٹھن، دقت طلب اور صبر آزما کام ہے، اور اسی سے تذکرہ نگار کی صحتِ نظر، اصابت رائے اور دیانت داری کا امتحان ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہمارے دل میں اس کے ذوق سخن کی بلندی اور عظمت کا احساس ابھرتا ہے۔

شیفتہ نے یہ تذکرہ اپنے ایام شباب میں مکمل کر لیا تھا، لیکن اس کے انداز بیان کا دھیما پن، اُن

متعدد تذکروں کے تیز اور بے پروایانہ انداز پر خندہ زن ہے جو اپنے لکھنے والوں کے بڑھاپے کی تحقیقات ہیں، کم و بیش یہی کیفیت اس کے کلام کی ہے۔

صلاح الدین احمد نے مقدمہ دیوان شیفتہ" میں لکھا ہے کہ "گلشن بے خار" کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تذکرہ حقیقت میں اردو شاعری کا پہلا تنقیدی تذکرہ ہے اس سے پہلے جو تذکرے لکھے گئے ہیں ان میں غیر معین اور غیر متناسب تعریفی یا تنقیصی جملوں کا استعمال بڑی فراخدلی سے کیا گیا ہے اور یہ کیفیت کم و بیش سب قدیم تذکروں میں پائی جاتی ہے، شیفتہ کے یہاں اس قسم کی تعریف و تنقیص بہت کم ملتی ہے، بلکہ اس کے خلاف ایسے جچے تلے الفاظ اور فقرے جا بجا نظر آتے ہیں جو شیفتہ کی سخنورانہ کیفیتوں کو بڑی صفائی سے سامنے لے آتے ہیں۔ صاحب گلشن بے خار" اس تعصب پاسداری اور جذباتیت سے قطعاً معرّیٰ ہے جو اس کے پیشرو تذکرہ نگاروں کی خصوصیت مشترک تھی وہ ہر سخنور کو اس کا پورا حق ادا کرتا ہے اور جسے وہ بالکل ادنیٰ سمجھتا ہے، اس کے بھی کسی اچھے پہلو یا اچھے شعر کو نظر انداز نہیں کرتا۔ رائے کا یہ توازن اردو تذکرہ نگاری کی تاریخ میں یقیناً بے مثال ہے۔ اسی تذکرے کی مومن نے جو تقریظ منظوم لکھی ہے وہ بھی دیدنی ہے، فرماتے ہیں ؎

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا! ہے شیفتہ جس کی جان معنی

یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا کوئی نہیں قدر دانِ معنی!

ہر فقرہ ترجمانِ مضمون ہر شعر رواں، روانِ معنی

کیا بات ہے منتخب کی تیرے! اے منتخبِ جہانِ معنی!

ہر نقطہ انتخاب تیرا! خالِ رخِ دلبرانِ معنی!

تیرے جو سخن سے ہیں سرافراز الفاظ کا پایہ، شانِ معنی

معنے ہیں شاطرانِ الفاظ الفاظ ہیں مدح خوانِ معنی

اے تازہ بہار باغِ مضمون اے گلشن بے خزانِ معنی

ہے تذکرہ ریاضِ فردوس فردوس ہے یا جنانِ معنی

مومن نے جب اس میں دیر تک کی سیرِ گل و ضمیرانِ معنی

غنچہ کی طرح سے سرخرو تھا! یک چندوہ ہم زبانِ معنی
جب نغمہ سرا نہ ہو سکا وہ! دستان زنِ داستانِ معنی
ہاتف نے کہا ہے اس کی تاریخ
گلدستہ گلستانِ معنی!

گلستانِ بیخزان باطن

گلشن بے خار کے ضمن میں "گلستان بے خزاں" کا سرسری سا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، جس کے مصنف قطب الدین باطن ہیں، باطن کا شیفتہ کے تذکرے پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں صرف شعرائے دہلی کو بلند مقام دیا گیا ہے اور دوسری جگہوں کے اکابر شعراء کو نظر انداز کر دیا ہے، اسی وجہ سے باطن نے "گلستان بے خزاں" میں نظیر اکبر آبادی کو خاص زور دیا ہے اور شیفتہ کو اُن کی "دہلی نوازی" کے لئے مطعون کیا ہے، اس خاص معاملہ میں یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ شیفتہ عموماً شعرائے دہلی کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں، باطن کے خیال سے کلیۃً اتفاق نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ خالص ادبی اور فنی نقطۂ نظر سے شیفتہ کی رائے عموماً درست ہوتی ہے اگرچہ اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی سب سے بڑی کوتاہی ان کی "اشراف نوازی" اور "اسلوب پرستی" ہے جس کی بنا پر بیچارے نظیر شاعروں کی صف اولین میں بیٹھنے کے حقدار نہ سمجھے گئے، یہ ان کی دہلی نوازی نہیں "اشراف پرستی" ہے جس کو عوامی شاعری اور عوامی الفاظ اس حد تک ناگوار ہیں کہ اس کے نزدیک یہ شاعری کی دنیا کی چیز نہیں، اگر باطن کا احتجاج اصولی طور پر درست بھی مان لیا جائے تب بھی اس کا طریق اظہار غلط اور اس کا بنیادی استدلال غیر موثر ہے۔ بہرحال شیفتہ کے تذکرے کے ساتھ باطن کے تذکرے کا ذکر ناگزیر سا ہے، دونوں تذکرے ایک ادبی گروہ بندی کے لئے نزاعی مواد بہم پہنچاتے ہیں، ان کی حمایت یا مخالفت میں بہت سے رسالے لکھے گئے، مگر یہ نزاع ادبی نہیں، اس کشمکش کی تہہ میں وطنی تعصب کارفرما ہے۔

"بے خزاں" تذکرے کی حیثیت سے ایک معمولی کتاب ہے اور "بے خار" کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے علاوہ اسلوب میں بھی کوئی خاص ندرت نہیں، البتہ اس سے اس عہد کی ادبی نزاعوں پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے، اور نہ اس کی افادیت اور قدر و قیمت بقول سپرنگر صرف اسی قدر ہے کہ

THIS MAY BE CONSIDERED A TRANSLATION OF THE PRECEDING

TAZKIRAH (GULSHAN BEKHAR) INTO UNINTELLIGIBLE HINDUSTANI WITH SOME IDIOTICAL REMARKS."

اس اعتبار سے "گلشن بے خار" اپنی نوعیت کا پہلا تنقیدی تذکرہ ہے جس میں مصنف نے نقد و نظر کا پورا پورا حق ادا کیا ہے جو تنقید کا پودا شیفتہ نے لگایا تھا اس کی مولانا آزاد اور حالی نے آبیاری کی جس میں مرور ایام سے کافی پھول اور پھل آئے۔

تنقید نگاری کا تفصیلی جائزہ

حالی اور آزاد کا زمانہ اردو تاریخ و تنقید کے لئے بہت مبارک ثابت ہوا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے "آب حیات" لکھ کر اردو نثر میں تاریخ و تنقید نگاری کا دروازہ کھول دیا اور "آب حیات" آج بھی باوجود اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے بہت کارآمد اور مفید ہے۔ آزاد کی تنقیدوں اور تحقیقوں سے کہیں کہیں بالکل اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ "آب حیات" میں بہت سی کھلی ہوئی اغلاط ہیں، لیکن مجموعی طور پر ہم "آب حیات" کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ "آب حیات" ہی وہ پہلا تذکرہ ہے جو اردو کے تمام قدیم تذکروں سے معیار تنقید اور نمونۂ کلام میں مختلف اور ایک حد تک مکمل کہا جا سکتا ہے۔ حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" "یادگار غالب" اور "حیات سعدی" لکھ کر اردو تنقید نگاری کو فروغ دیا، انگریزی اور عربی ادب سے فائدہ اٹھا کر اردو زبان کو بھی مالا مال کیا۔ "مقدمہ شعر و شاعری" میں اردو شاعری کے تاریک گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور اس تعمیری تنقید سے شعر و شاعری کی اصلاح مقصود تھی، انہوں نے تنقید عالیہ کی بنیاد ڈالی، اور حقیقت پرستی کو رواج دیا۔ ٹھوس عالمانہ با اصول اور مربوط تنقیدی ادب پیدا کرنے میں حالی کو اولیت حاصل ہے۔

امداد امام اثر نے "کاشف الحقائق" دو جلدوں میں لکھا اس میں اردو شاعری پر معقول تنقید نگاری کی کامیاب کوشش کی ہے۔ شبلی کا تنقیدی شاہکار "شعر العجم" اور "موازنۂ انیس و دبیر" ہے رائے زنی کی صلاحیت اور تنقید و تبصرہ کا ذوق لوگوں میں آہستہ آہستہ پیدا ہونے لگا۔ تقریظ اور بیجا مداحی کا زمانہ ختم ہوا لیکن تنقیص کو بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا، عیبوں کی تلاش اور خامیوں کی فکر میں رہنے والے نقاد نہیں نکتہ چین ہیں۔ ایک حقیقی نقاد کے لئے معائب و محاسن دونوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ حسن و قبح کے جدید نظریے و اصول قائم ہوئے، اصول تنقید و روح تنقید کا نئے سرے سے جائزہ لیا گیا بہت سے نقاد پیدا

ہوئے اور متعدد تنقیدی کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں، ادبی رسالوں میں برابر تنقیدی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں

اردو کے بلند پایہ تنقید نگاروں میں مولوی عبد الحق۔ آل احمد سرور۔ نیاز۔ محی الدین زور۔ فراق۔ احتشام اور اختر حسین رائے پوری وغیرہ کا درجہ بہت بلند ہے، ان لوگوں کی تنقیدوں نے اردو کے تنقیدی ادب کو غیر فانی بنا دیا، تنقید نگاری کے دو اسکول قائم ہو گئے ہیں۔ ایک قدیم اسکول ہے جو "ادب برائے ادب" کا حامی ہے، یہ اسکول ہر چیز میں افادی پہلو تلاش نہیں کرتا جمالیاتی اور فنی خوبیوں کا گرویدہ ہے، ادب کا مقصد خود ادب ہے لیکن دوسرا اسکول ترقی پسند ہے وہ "ادب برائے زندگی" کا قائل ہے، اس کی نگاہ میں دنیا کی ہر چیز مقصد و غایت پر مبنی ہے، ادب بھی ایک مقصد و غایت رکھتا ہے، یہ انسانی زندگی کا آئینہ دار اور ترجمان اور ناقد ہے اس کے افادی پہلو کو اس بیسویں صدی میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا حقیقت اور واقفیت سے آنکھیں بند کر لینا اور ایک خیالی دنیا آباد کرنا گویا زندگی کے مسائل سے راہ فرار اختیار کرنا ہے، اس لئے اس اسکول کے نقاد اپنی تنقیدوں میں ادبی خوبیوں کے ساتھ زندگی کے نقوش بھی تلاش کرتے ہیں اور وہی شاعر یا ادیب ان کو زیادہ سے زیادہ آسودہ اور مطمئن کر سکتا ہے جو ان کا ہم خیال ہو "ادب برائے زندگی" کا پیرو کار ہو اور قدامت پرستی کے جوہر سے اس کا علمی و ادبی خزانہ خالی ہو، ترقی پسند نقادوں کی نگاہوں میں قدیم اردو سرمایہ زیادہ وقعت نہیں رکھتا، شاید وہ بھول جاتے ہیں کہ پرانی باتوں کو نئی روشنی میں دیکھنا اور قدیم شاعروں یا مصنفوں کے یہاں موجودہ کشمکش کا اثر نہ پا کر ان سے بیزار اور شاکی ہونا، تنگ نظری کی دلیل ہے، آج کل زندگی کے مسائل بالکل دوسرے ہیں، قدیم زمانہ میں ان کا وجود بھی نہ تھا۔ کسان بھی تھے مزدور بھی تھے، غلام بھی تھے لیکن سیاسی لیڈر نہیں تھے، شخصی حکومتیں تھیں، امراء اور رئیس درباری فضا کے آفتاب و ماہتاب تھے نظام تمدن امیرانہ تھا، شاعر و ادیب اپنے اپنے آقائے وقت سے وابستہ تھے اور انہیں کا راگ الاپتے تھے غریب بیچارے اپنے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں میں خاموش زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے تھے، سب اپنی اپنی قسمت پر صابر و شاکر تھے اور خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے، حکومتوں کے انقلاب اور سلطنتوں کی حیات و موت کا اثر کسانوں کی روزانہ کی زندگی پر بالکل نہیں پڑتا تھا مزدور تھے اور ان کا

کام مزدوری کرنا تھا، ان کی زبانوں پر موجودہ مزدوروں کی طرح انقلاب کے نعرے اور ہاتھوں میں مانگ کی لمبی لمبی فہرستیں نہیں تھیں وہ اپنی فاقہ کش زندگی میں مست تھے، سرمایہ داری کے نام سے بھی نا آشنا تھے۔ ان کی کوئی جماعت نہ تھی، لیڈروں کی قیادت سے بے بہرہ ہونے کی بنا پر زندگی کو محض کھانا کمانا، سمجھتے تھے، انہیں دنیا کے جھمیلوں سے کام نہ تھا۔ احساس غلامی کے شعور سے عوام بیگانہ تھے قومی تصور ان کے نزدیک کوئی چیز نہ تھا۔ امراء کی زندگی عیش پسندی پر قائم تھی، چھوٹے بڑے کی سماجی تقسیم نے سوسائٹی میں ایک قسم کا سکون پیدا کر دیا تھا۔ اس زمانہ کی پرسکون زندگی میں آج کی بے اطمینانی کا رنگ کہاں سے آسکتا ہے، ہمارا قدیم ادبی سرمایہ ایک محض زندگی کا پتہ دیتا ہے، اور کچھ ترقی پسند نئے نقاد اس نکتہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں کہ ہر زمانہ کا ادب اس کے بولنے والوں کی ذہنیتوں کا عکاس ہوتا ہے، ترقی پسندی کے جوش میں اپنے بنیادی اصولوں کو بھی فراموش کر دیتے ہیں، اسی طرح قدامت پرست نقاد نئے ادب کی ہر چیز سے بیزار معلوم ہوتے ہیں، ان کی تنقیدوں میں عصر حاضر کی زندگی کا جائزہ نہیں ملتا وہ محض ادبی خوبیوں، زبان کی لطافتوں اور معنی و بیان پر رائے زنی کر کے اپنا فرض پورا کر دیتے ہیں لیکن شاعر یا ادیب کی دل کی دھڑکنوں اور اس کے ماحول اور زمانہ کا تجزیہ کرنا ان کے نزدیک غیر ضروری ہے ادب کا افادی پہلو کوئی چیز نہیں۔ لیکن بہترین تنقید وہ ہے جس میں ادب اور ادب برائے زندگی دونوں کا حسین امتزاج ہو یہی تنقید عالیہ ہے۔

پھر بھی ہمارے تنقید نگار چاہے وہ کسی بھی اسکول کے ہوں، اپنا فرض بڑی ذمہ داری سے ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ترقی پسند نقادوں نے نئے ادب کی تنقید میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے اور جدید اردو ادب کی صحیح قدر و قیمت کا لوگوں میں شعور پیدا کیا ہے اسی طرح قدیم ادبی سرمایہ پر بھی کچھ لوگوں نے معقول تنقید کے ذریعہ روشنی ڈالی ہے اور اس کی خوبیوں کا جائزہ لیا ہے اس سلسلہ میں مسعود حسن کی کتاب "ہماری شاعری" خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ حالی کی کتاب "مقدمہ شعر و شاعری" ایک اصلاحی تنقید ہے جس میں اردو شاعری کی خامیوں کا جائزہ لیکر اور مفید مشورہ دیکر اصلاحی رجحان کو بیدار کیا گیا ہے، مگر قدیم اردو شاعری کے محاسن کو بھی پیش کرنے کی اشد ضرورت تھی تاکہ تصویر کا دوسرا روشن رخ بھی سامنے آجائے اور "ہماری شاعری" نے اس کمی کو ایک حد تک پورا کرنے کی کوشش کی ہے

کلیم الدین احمد کی "اردو شاعری پر ایک نظر" اور "اردو تنقید پر ایک نظر" نے ادبی دنیا میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا، ان کی تنقید نگاری کا عام رنگ تخریبی ہے، اس میں ہمدردی و خلوص اور علم و ادب کی صحیح آگاہی کا بھی فقدان پایا جاتا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ کلیم الدین صاحب کی جائز و ناجائز ادبی نکتہ چینیوں نے اردو کے شاعروں، تنقید نگاروں اور ادیبوں کو ان کی خامیوں اور کمزوریوں کی طرف متوجہ کر دیا۔ عبدالشکور کی کتاب "اردو ادب کا تنقیدی سرمایہ" بھی کچھ اسی قسم کی چیز ہے۔ اس میں قدیم و جدید تنقیدوں کا جائزہ لیا ہے، اور تنقید نگاروں کی خامیوں پر روشنی ڈالی ہے، تنقید کی بھی ایک تنقید ہوتی ہے اور یہ چیز نقاد کو راہ راست سے بھٹکنے نہیں دیتی، اس کے تنقیدی کارناموں کا مطالعہ کر کے اس کے معائب اور محاسن کی تشریح کرتی ہے، نقاد کے اصول اور مقصد تنقید کا جائزہ لیتی ہے، اس کی منصف مزاجی کو پرکھنے کی کوشش کرتی ہے اور یہ دیکھتی ہے کہ فاضل نقاد نے اپنے موضوع پر تنقید کرتے وقت عبور حاصل کر لیا تھا کہ نہیں، اس کی تنقید ہمدردانہ ہے، یا دل آزار تقریظ ہے یا تنقیص، اور اگر تنقید ہے تو کس قسم کی ہے، تعمیری ہے یا تخریبی، تاریخی یا تخیلی اور آیا وہ تنقید عالیہ کہی جا سکتی ہے یا نہیں۔

اس حیثیت سے تنقیدی سرمایہ اردو میں بہت ہی کارآمد اور مفید کتاب ہے اور اپنے موضوع و بیان کے لحاظ سے اس کو جو اولیت حاصل ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ "تنقید کیا ہے" مختصر طور پر اس کے اغراض و مقاصد سمجھا کر اردو تنقید نگاری کی تاریخی ترقی پر روشنی ڈالی ہے۔

اردو کے قدیم سرمایہ پر تبصرہ کرنے کے بعد آزاد، حالی، شبلی، عبدالحی، عبدالسلام، عبدالحق آل احمد سرور، فراق، رام بابو سکسینہ، حامد حسن قادری، نیاز فتحپوری، کلیم الدین احمد، محی الدین زور، مجنوں احتشام اور اختر حسین رائے پوری کے تنقیدی کارناموں پر تنقید و تبصرہ کیا ہے اور تنقید نگاروں کی کمزوریوں اور ان کے اصول تنقید کے نقائص کو بیان کیا ہے، تعمیری نقطہ نظر سے اس کتاب کا افادی درجہ بہت بلند ہے، نقاد کی اصلاح اور رہنمائی میں بڑے کام کی چیز ہے، اس کتاب کے مطالعہ میں بلند نظری، ادبی ذوق اور تنقیدی نظر بھی درکار ہے، کہیں کہیں عبدالشکور صاحب کے خیالات بہت گمراہ کن ہیں، بعض جگہ ان کی تنقیدوں میں کلیم الدین احمد کا رنگ اور نیاز صاحب کی تنگ نظری بھی نمایاں ہے اور وہ اصلیت سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ بہر حال مجموعی طور پر ان کی کتاب کافی اہم ہے۔

تنقید نگاری کو اردو ادب میں ایک مستقل درجہ حاصل ہے، قلیل عرصہ میں تنقیدی ادب کا ایک اچھا خاصا سرمایہ پیدا ہو گیا ہے، خالص تنقیدی ادب میں نیاز صاحب کی کتب "انتقادیات" محی الدین زور کی "روح تنقید" "تنقیدی مقالات"، مجنوں کی "ادب اور زندگی" اقبال کی "تنقیدی حاشئے"، احتشام کی "تنقیدی جائزے" "ادب اور سماج"، عبد القادر سروری کی "جدید اردو شاعری" اختر حسین رائے پوری کی "ادب اور انقلاب"، سید سلیمان ندوی کی "نقوش سلیمانی" ڈاکٹر یوسف حسین کی "روح اقبال"، ڈاکٹر ابو اللیث کی "لکھنؤ کی دبستان شاعری" خواجہ احمد فاروقی کی "میر تقی میر" ڈاکٹر بجنوری کی "محاسن کلام غالب" ممنور اکبر آبادی کی "نظیر اکبر آبادی"، پروفیسر ڈاکٹر اعجاز حسین کی "نئے ادبی رجحانات" حامد اللہ افسر کی "نقد الادب" اختر انصاری کی "افادی ادب"، طالب الہ آبادی کی "مقدمہ ادب اردو"، خلیل الرب کی "مبادیات تنقید" اور یس احمد کی "تنقیدیں"، "فنی تجزیے" اور "تنقیدی مطالعے" عزیز احمد کی "فن شاعری اور ترقی پسند ادب"، ڈاکٹر عابد حسین کی "مضامین عابد" اختر احمد کی "کسوٹی" ڈاکٹر عبد الحق کے "تنقیدی مقدمات" اور فراق کی "عشقیہ شاعری" تنقید نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ کچھ لوگوں نے انگریزی میں اردو شاعروں اور ادیبوں پر نقد و تبصرہ کیا ہے جس میں ڈاکٹر عبد اللطیف کی "انفلوئنس آف انگلش لٹریچر آن اردو لٹریچر" اور غالب دیوانہ کی "کریکٹرسٹکس اینڈ ٹنڈنسیز آف ماڈرن اردو پوئٹری" طاہر جمیل کی "حالیز پوئٹری اے اسٹیڈی"، خواجہ غلام السیدین کی "ایڈوکیشنل فلاسفی آف اقبال" عبد اللہ کی "اسپرٹس اینڈ ٹینڈنیس آف اردو پروز" دی انفلوئنس آف سر سید احمد خان، عبد القادر کی "نیو اسکول آف اردو لٹریچر" عبد اللہ انور بیگ کی "دی پوئیٹ آف دی ایسٹ" اور ڈاکٹر سنہا کی "اقبال پوئیٹ اینڈ ہز میسیج" قابل قدر تصانیف ہیں۔

اردو زبان کی تاریخوں وغیرہ میں جو تنقیدی سرمایہ پایا جاتا ہے، وہ اس پر مزید اضافہ ہے۔!!

چونکہ آج کل تنقید نگاری زیادہ تر مضامین اور مقالوں کی صورت میں ادبی رسالوں کی زینت ہوتی ہے اور یہی تنقیدی مضامین اور مقالے آگے چل کر کسی مجموعہ کی شکل میں شائع کئے جاتے ہیں جس میں مختلف اور سیر حاصل تنقیدیں ہوتی ہیں۔ بلند رتبہ شاعروں پر مستقل تنقیدی کتابوں کے لکھنے کا بھی رواج ہے۔ میر، سودا، غالب، ذوق، انیس، دبیر، حالی، اکبر، اقبال وغیرہ پر بہت سی بلند پایہ تنقیدی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور بلا مبالغہ

لکھی جا رہی ہیں اور تنقید نگاری کا مستقبل عظیم الشان ہے۔

تحریکِ شیفتہ

شیفتہ کے عہد کی دہلی مرکزِ اہلِ کمال تھی، علم و فن کی تاریخ میں ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی مقام پہ ایک ہی زمانہ میں متعدد ایسے اکابر ظاہر ہو جائیں جن میں سے ہر ایک صاحبِ کمال ہو، یہ دور زبان اردو کے ارتقاء کے لئے عہدِ زرّیں ثابت ہوا، شعر و شاعری کا چرچا تھا، روز مشاعرے ہوتے، سخن فہمی اور نکتہ کی باتیں ہوتیں، مفتی صدر الدین آزردہ، مولوی امام بخش صہبائی، شیخ محمد ابراہیم ذوق، حکیم مومن خان مومن اور اسد اللہ خان غالب کے ادب و شعر کی شہرت اور استادی کی بڑی دھوم تھی، اردو غزل اپنے شباب پر تھی، نئے نئے خیالات اور معنی کی فکر عام تھی، ہر شخص ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں تھا، شیفتہ نے اسی ماحول میں پرورش پائی اور مشاہیر کی اسی مجلس میں ان کا ذوقِ شعری پروان چڑھا، ذوق استادِ شاہ تھے، ان کا طوطی بول رہا تھا، ایک تو کہنہ مشق شاعر، دوسرے استادِ شاہ، سرکاری اعزاز اور شہرت ان کے قدم چوم رہی تھی، دوسری طرف مومن اور غالب آفتاب و ماہتاب بن کر دنیائے شعر و ادب پر جلوہ فگن تھے، ان کے مقابلہ میں کسی کا چراغ نہ جلتا تھا، اس کے علاوہ میر غلام علی وحشت میر مہدی مجروح، نواب ضیاء الدین احمد نیر و رخشاں، شہاب الدین احمد ثاقب، مرزا قربان علی بیگ سالک زین العابدین عارف، مولوی الطاف حسین حالی اور مولانا محمد حسین آزاد اس انجمن کے درخشاں ستارے تھے جس پر خود شاہ دہلی بہادر شاہ ظفر کا پرچم فقر سایہ گستر تھا۔

گردشِ فلک کو بھلا ایسے اکابرِ سخن کا اتنا بڑا اجتماع کب گوارا ہو سکتا تھا ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہوا اور بزمِ مہ و انجم بکھر گئی، لیکن ان ٹوٹے ہوئے ستاروں سے بھی دکن، رام پور، عظیم آباد اور لاہور کی شب ہائے تار ایک مدت مدید تک منور و مجلّیٰ رہی، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجتماع کے پس پشت ایک تحریک کارفرما تھی جو اس دور میں اردو شاعری کے فروغ کا باعث ہوئی، حالانکہ غالب اور مومن کے زمانہ میں وہ شاعری جو ع

"اک بات لچر سی بزبان دکنی تھی"

ایسی شستہ اور شگفتہ ہو گئی تھی کہ خود فارسی کے لئے قابلِ رشک تھی مگر مضمون آفرینی پرواز تخیل اور

تجدید روایتِ شعری کے لئے اکابر سخن نے ابھی تک فارسی کا دامن نہیں چھوڑا تھا، چنانچہ سراج سے لیکر شیفتہ تک جتنے صاحب علم شاعر گزرے ہیں سب کا فارسی کلام دواوین کی صورت میں موجود ہے باوجودیکہ خود اکابر سخن کا ایک صاحب علم اور صاحب ذوق طبقہ اپنی روزمرہ کی زبان (اردو) کو دقیق تر بنانے میں کوشاں تھا۔ غالب اس طبقہ کے سرگروہ تھے، لیکن ان کے اس شعر سے

فارسی بین تا بہ بینی نقش ہای رنگ رنگ
بگزر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ من است

غالب کے اس میلان میں غیر متوازن کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے، جس شخص نے اس کو ہمواری اور اعتدال سے آشنا کیا اور پھر انہیں کی بنیاد پر تہذیب شعر اردو کی تعمیر نو کی وہ محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ تھا اور اردو شاعری میں اس تحریک کا روح رواں تھا جس نے اردو اور فارسی شعر کو اس درجہ ہم پلہ اور ہم وزن کر دیا کہ خود شیفتہ کے بعد پھر کوئی شاعر بیک وقت فارسی اور اردو میں صاحب دیوان نہ ہوا۔ شیفتہ کی یہ خدمت ہماری شاعری کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

شیفتہ نے مذاق شعر سنوارنے میں بڑی خدمت انجام دی ہے، وہ اپنے زمانہ کی بہت بڑی ہمہ رنگ گائڈ فورس تھے ان کا اثر ہمعصر شعراء پر اس درجہ تھا کہ شیفتہ کی داد ان کے لئے باعث فخر ہوتی تھی۔ شیفتہ اپنے زمانہ کی مجلسوں میں ایک خاص عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، ہر بڑے مشاعرے میں وہ شریک ہوتے، ہفتہ وار باری باری ان کے اور مفتی صدر الدین آزردہ کے ہاں مجلس ہوتیں جن میں دلی کے اساتذہ اور باہر سے آنے والے شعراء شریک ہوتے، شیفتہ کا اثر اس زمانہ کی مجلسوں میں اس درجہ تھا کہ ان کی تعریف یا خاموشی (اس زمانہ کے دستور کے مطابق) شعر کے حسن و قبح کا زبردست امتحان ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ "انداز بیان"، فکر و معنی اور اسلوب کے وہی سانچے مقبول ہوئے، جن کو شیفتہ پسند کرتے تھے اور جن کے وہ خود علمبردار تھے۔

مولانا حالی "یادگار غالب" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

شعر کا جیسا صحیح مذاق ان کی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا ویسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے، لوگ ان کے مذاق کو شعر کے حسن و قبح کا مذاق جانتے تھے، ان کے سکوت سے شاعر کا شعر خود اس کی نظر سے گر جاتا تھا۔

اور ان کی تحسین سے اس کی قدر بڑھ جاتی تھی، یہی وہ تھے جن کی نسبت مرزا غالب فرماتے ہیں ؎

غالب بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او!!
ننوشت در دیوان غزل تا مصطفےٰ خاں خوش نکرد!

پھر فرماتے ہیں ؎

دستِ رد بر تاج قیصر می نہم
پشت پا تخت خاقان می زنم
خردہ می گیرند بر من قدسیاں
گر نفس در مدح سلطان می زنم
آن ہمائی تیز پروازم کہ بال
در ہوائی مصطفےٰ خاں می زنم
عرفی و خاقانیش فرماں پذیر!
سکہ در شیراز و شرواں می زنم
او خرامد مست و من جیا و شش وار
بانگ بر احرام و ارکاں می زنم
گلشن کویش گزرگاہ من ست
دوش در رفتن بہ رضواں می زنم
خوبی خویش بد آموزِ من ست
دم زیاری می زنم ہاں می زنم ؎ ؎
ہمسری بین کہ باشم ہم نشیں
من کہ زانو پیش صباں می زنم
بشنود بے آں کہ باد آں رابرو ؎ ؎
نالہ گر در کنجِ زنداں می زنم ؎ ؎

بنگرد بے آں کہ کلک آن ما کشد!!
نقش گر بر صفحہ جاں می زنم

حالی تو شیفتہ کے مصاحب اور ایک طرح سے ان کے شاگرد تھے، لیکن مومن جو ان کے اُستاد تھے وہ بھی انہیں کے زیر اثر اور انہیں کی ترغیب سے شعر کہتے تھے: "گلشن بے خار" میں مومن کا ذکر ہے شیفتہ ان کی بابت لکھتے ہیں:۔

"بایں ہمہ صفات کہ مذکور شد بے تحریک نخر کہ بہ فکر سخن نمی پردازد، چنانچہ اکثر کلامش بخواہش داعی آثم صورت ظہور گرفتہ وہم تدوین افکارش را فقیر باعث گشتہ۔ دیباچہ آن کہ ریختہ خامہ من است، ودر آن بہ تفصیل این ماجرا را باز کردہ ام!"

فی الجملہ شیفتہ کا اثر ان کے ہم عصروں اور ساتھ ہی آئندہ نسل کے شعراء پر اتنا گہرا اور دور رس تھا کہ انہوں نے اردو شاعری کے مذاق کو سنوارنے بنانے اور نکھارنے میں کسی بڑے سے بڑے شاعر سے کم حصہ نہیں لیا۔ شیفتہ نے ان مروجہ خیالات کے خلاف اپنے انداز میں اور اس زمانہ کے مروجہ قاعدہ کے مطابق، بغاوت کی جس سے اس زمانہ کی اردو شاعری دوچار تھی اور جسے بعد میں حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" کی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ شیفتہ کی اس خدمت کو اردو شاعری آسانی سے فراموش نہیں کر سکتی۔

خصوصیات کلام و مرتبہ شاعری

شیفتہ نے غزل کے سوا دیگر اصناف سخن پر توجہ نہیں کی، ان کی غزل میں شگفتگی، لہجہ میں شیرینی، انداز میں روانی، آہنگ کی گھلاوٹ اور درد آمیزی ہے، ان کا خیال تھا کہ لفظوں کا انتخاب ایسی احتیاط، سلیقے اور خوبی سے کیا جائے کہ الفاظ اپنے استعمال کے موقع پر اثر و تاثیر میں غیر معمولی اضافہ کر سکیں، کہنے کا طریقہ اور انداز بیان بوجھل، بھاری بھرکم، غربت، دفارسیت، سے دبا ہوا نہ ہو، متانت اسلوب عبارت کا ایک ناگزیر جزو ہے۔ اگر اسلوب عبارت میں سوقیانہ اور بازاری انداز آگیا تو اس سے خواہ کیسے ہی معنی نکلتے ہوں شعر

پستی کی طرف چلا جائے گا، ان کے نظریہ کے مطابق سادہ بیانی اور اس کے ساتھ معنی کی فکر دونوں خصوصیات ایسی ہیں جن سے کسی شعر کے حسن و قبح کے معیار کا امتحان کیا جاسکتا ہے، وہ اپنے اس نظریہ شعر پر اس درجہ ایمان رکھتے تھے کہ جہاں انہوں نے شعر کو اس معیار سے الگ پایا وہیں اس پر ناپسندیدگی کی مہر ثبت کردی، ان کا ایمان تھا کہ شعر عوام کے لئے نہیں ہے اور نہ اسے محاورۂ عوام میں بیان کیا جاسکتا ہے، یہ شرفاء کا مشغلہ ہے، بلند اور اعلیٰ اگر اسے محاورۂ عوام میں بیان کیا تو وہ رفعت اور بلندی کے درجہ سے گر جائے گا، شیفتہ کا یہ نظریہ شعر اس زمانہ کے مذاق سخن اور معیار کا نمائندہ ہے۔

حالی اپنی زندگی کے حالات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"حسن اتفاق سے نواب مصطفےٰ خاں مرحوم رئیس دہلی و تعلقہ جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے، شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے شناسائی ہوگئی اور سات آٹھ برس تک بطور مصاحبت کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، درحقیقت مرزا کے مشورہ و اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا جو نواب صاحب کی صحبت سے ہوا"

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہوں
غالب کا معتقد ہوں مقلد ہوں میر کا

وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق وواقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسنِ بیان سے دلفریب بنانا اسی کو منتہائے کمالِ شاعری سمجھتے تھے چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونوں متنفر تھے۔

ان کے اشعار میں شگفتگی بھی ہے خوش بیانی اور حسن بھی، متانت اسلوب بھی ہے اور معنی کی فکر بھی، کہیں بھی بازاری پن، سوقیانہ انداز یا کسی گھٹیا یا غیر شاعرانہ الفاظ کا استعمال نہیں ملتا، ان کی یہی احتیاط تھی جس کی وجہ سے ان کے کلام میں پست اشعار بہت کم نظر آتے ہیں۔

شیفتہ سخن میں سادگی اور پرکاری کے قائل تھے، اور بیجا اور بے روح مبالغہ کو شعر کے حق میں سم قاتل سمجھتے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ شعر کی ترکیب میں کسی ایسی گنجلک یا الٹ پھیر کو جس سے

اس کی روانی اور موسیقی میں فرق آئے بدرجۂ غایت مذموم تصور کرتے تھے، اپنے ان نظریات کا انہوں نے خود اپنے کلام میں جا بجا اظہار کیا ہے۔ مثلاً؎

(شگفتگی) وہ طرزِ فکر ہم کو خوش آتی ہے شیفتہ
معنی شگفتہ، لفظ خوش، انداز صاف تھا

(سادگی) شیفتہ سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا!!
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

(صفائی) نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

شیفتہ کیسے ہی معنی ہوں، مگر نامعقول
اگر اسلوبِ عبارت میں متانت کم ہو

کبھی ناسخ کے شعروں نے انہیں اپنی طرف کھینچا اور کبھی مصحفی اور جرأت کے رنگ کو آزمایا، اس کے ساتھ ساتھ اپنے دوسرے ہمعصر شعراء کے رنگ کو بھی قبول کیا، ان سے متاثر بھی ہوئے اور ان کو متاثر بھی کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ شیفتہ کی شاعری ان سب کی آوازوں کا مجموعہ بن گئی ——— شیفتہ کی انفرادیت اس میں نہیں ہے کہ انہوں نے کوئی اپنا منفرد یا ممتاز رنگ پیدا کیا بلکہ ان کی انفرادیت اسی میں ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کی ان تمام آوازوں کو یکجا کر اپنی شاعری میں سمونے کی کوشش کی جو انیسویں صدی کے مذاقِ سخن کے مطابق شاعرانہ مجلسوں میں مقبولِ عام تھی، شیفتہ کی شاعری ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں انیسویں صدی کے تمام مقبول استادانِ فن کی جھلکیاں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں، اس کا اعتراف تو شیفتہ نے "درمراتبِ سخن اگرچہ ادائے خاص بامن است، اما طبع باہر روشن چنان مناسب افتادہ کہ بہر ہر شیوۂ سخن می کنم" کہہ کر خود بھی کیا ہے جن میں بیان کی ہمہ گیری فکر کی وسعت اور خیال کا تنوع تھا اور آج بھی اپنی خصوصیات کی وجہ سے دل پسند ہیں، دوسرے اساتذہ کے رنگ میں شعر گوئی کی یہ کوشش وسیع پیمانہ پر اردو شاعری میں پہلی مرتبہ نظر آتی ہے۔ شیفتہ اردو غزل میں اس اعتبار سے پہلے شاعر ہیں اور حسرت موہانی دوسرے حسرت موہانی نے بھی اپنے شعر گوئی کے چراغ کو اساتذہ قدیم کے رنگ سے روشن کیا، اس طرح

LIBRARY

جس چیز کی شیفتہ نے ابتدا کی، حسرت نے اسے انتہا تک پہنچا دیا، شیفتہ کے ان تمام اساتذہ کے رنگوں کو مقبول ترین بنانے اور ان کے انداز کی تقلید کو عام کرنے کی خدمت انجام دی۔ اس سے شیفتہ کی ذات تو ضرور متاثر ہوئی لیکن اردو شاعری کو نکھرنے، ابھرنے، پھیلنے، بڑھنے، پھلنے پھولنے اور مقبول ہونے میں بڑی مدد ملی شیفتہ کی اس خدمت کو اردو غزل کی تاریخ مشکل ہی سے فراموش کر سکتی ہے، شیفتہ پر مذہب ایسا غالب تھا کہ وہ شعر گوئی کو "اشغال عالیہ" ہی میں شمار نہ کرتے تھے، چونکہ انہیں بحیثیت شاعر اور سخن داں شعر و شاعری کی محفلوں میں شریک ہونا پڑتا تھا، اس لئے محفل کے تقاضوں سے مجبور ہو کر شعر بھی کہنے پڑتے تھے، حج سے واپسی پر تو مذہب اور عبادت ان کی زندگی کے مقصد بن کر رہ گئے تھے۔

اے شیفتہ ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

یہاں تک کہ وہ اپنی ظاہری و باطنی زندگی کو یکساں کرنے کی کوشش کرتے رہے صرف وہی اشعار غزل کے پڑھتے جن میں کوئی ایسی شوخی نہ ہو یا کوئی ایسا تجربہ نہ ہو جو ان کی داخلی کشمکش یا وضعداری سے علیحدہ معلوم ہوتا ہو، گو حالی پر بھی مذہب کا غلبہ تھا لیکن حالی کی شاعری اس آفت بید رماں سے بچ گئی، انہوں نے اپنی داخلی کشمکش زہد و رندی کے تصادم کو بھی اپنی غزلوں میں بیان کر دیا جن سے ان کی زندگی کی باطنی و ظاہری حالتیں علیحدہ اور الگ ہو گئیں، انہوں نے اپنے دل کا چور ہر ممکن طریقہ سے پورے خلوص کے ساتھ ظاہر کرنے کی کوشش کی، ان کی غزلیں اسی وجہ سے اردو غزل میں ایک ممتاز درجہ رکھتی ہیں، لیکن اس کے برخلاف شیفتہ کے دل کا چور دل ہی میں رہ گیا۔ یہ چیز بحیثیت شاعر ان کے لئے سمِ قاتل بن گئی اور وہ اتنے بلند اشعار زیادہ تعداد میں نہ کہہ سکے جیسا کہ ان جیسی صلاحیت کے آدمی سے توقع تھی، اس کا اعتراف وہ بھی خود کرتے ہیں کہ

ما باین ترہات چہ کار، طائر سدرہ نشین را بر چوب مخیل آشیان مبند، چون ربط با این فن از دیگر اشغال عالیہ و فنون شریفہ باز می دارد اکنون دیر گاہ ست کہ سر و کارم نیست مگر بتحریک محفلیان گاہے از واردات جدیدہ اتفاقی می افتد آن ہم بعد سالے نہ کہ ماہے۔

دیگر اشغال عالیہ سے متعلق یہی غلط فہمی تھی جو ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو چاٹ گئی اور ایسے شعر ان کی زبان

پر آنے لگے ہے

شوق خوباں اُڑ گیا، حوروں کا جلوہ دیکھ کر
رنج دنیا مٹ گیا، آرام عقبیٰ دیکھ کر

جہاں جذبہ و خیال شیفتہ کے اشعار میں گھل مل کر ایک وحدت اور ایک اکائی بن جاتے ہیں تو ان کی شاعری کا قد بلند ہونے لگتا ہے اور ان کی شاعری کا یہی حصہ ہے جو اردو غزل کی تاریخ میں انہیں مسند بلند پر جگہ دیتا ہے۔ یہ چند شعر پڑھئے اور شیفتہ کے شاعرانہ رتبہ کے متعلق خود فیصلہ کیجئے ہے

ابھی اے شیفتہ، واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا
شیفتہ ضبط کرو ایسی بھی کیا بیتابی
جو کوئی ہو تمہیں احوال سنانا دل کا!!
جب رقیبوں کا ستم یاد آیا تو
کچھ تمہارا بھی کرم یاد آیا تو تو
نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی تو جی بھر آیا تو
یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی
صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا
دامن تک اس کے ہائے نہ پہنچا کبھی تو ہاتھ
جس بات نے کہ جیب کو دامن بنا دیا!!
اظہار عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا
گہ ہم سے خفا وہ ہیں گہ ان سے خفا ہم
مدت سے اسی طرح نبھی جاتی ہے باہم

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں
سب باتیں انہی کی ہیں یہ، سچ بولیو قاصد
کچھ اپنی طرف سے تو تصرّف نہیں کرتا!!
کیا جانے گذری غیر پہ کیا اس کی بزم میں
آئے وہ اس طرح کہ مجھے پیار آ گیا
آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں
آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزہ ہے نہ لذّت گناہ میں
ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی
تھام لینا وہ تیرے محمل کو!!
اتنا نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ
اتنی بھی بری ہے بے قراری
اب آپ سے انس کم کریں گے!
مرنے کا مرے نہ ذکر کرنا!!
قاصد وہ بہت الم کریں گے!
نہ پوچھو شیفتہ کا حال صاحب
یہ حالت ہے کہ اپنے میں نہیں ہے
وہ شیفتہ کہ دھوم ہے حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

یہ ضبط راز کی تعلیم شیفتہ بے جا
زبان ہم کو ملی ہے اگر بیاں کے لئے

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
ہے آگ سی جو سینے کے اندر لگی ہوئی!!!

اسی مضمون کے میر کے دو شعر سنئے ؎

عشق ہے تو نہیں ہوں میں واقف
دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے

ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے

حالی کا شعر ہے ؎

عشق کہتے ہیں جسے سب وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

میں نے شیفتہ کے یہ چند اشعار پیش کئے، ذرا ان اشعار کے لہجہ کی کھنک اور جذبات کی دھمک کو دیکھئے کہ فکر و جذبہ اور شدید احساس کی آہنگ کس طرح ایک دوسرے میں مدغم ہوکر تحلیل ہوگئی ہے ان ہیں متانت اور اسلوب، ثقہ انداز، لفظوں کی ترتیب و نشست، لَے، صوتی اٹھان کس قدر گہرے اور موثر ہیں، شیفتہ کے کلام میں ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے، لیکن بات پھر وہیں آکر ٹھہرتی ہے کہ شیفتہ نے اپنی عمر کے بڑے حصہ میں نہ تو شعر گوئی کو اشغال عالیہ کا درجہ دیا اور نہ مذہبی عقیدت کے پیش نظر اپنی ظاہری شخصیت کو ٹھیس پہنچائی، یہ شیفتہ کی سب سے بڑی ستم ظریفی اور غلط انداز فکر تھا، جس نے انہیں دوسرے درجہ کے شعراء کی صف میں لا کھڑا کیا، لیکن یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ اردو کے محسن کی حیثیت سے اردو کے مشہور ترین شعراء کے انداز بیان کو مقبول و مروّج کرنے میں ان کی خدمات اردو کے کسی بڑے سے بڑے شاعر سے کم نہیں ہیں اور پھر یہی نہیں بلکہ وہ اردو غزل کے صف دوم کے شعراء میں سرفہرست رکھے جا سکتے ہیں، شیفتہ کے بیسیوں شعر ایسے ہیں جو خیال کی ہمہ گیری اور انداز بیان

کی وجہ سے آج بھی زبان زدخاص و عام ہیں، گوئٹے نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اچھے خیالات بے باک بچوں کی طرح اچانک اور یکایک سامنے آکھڑے ہوتے ہیں اور چلا چلا کر کہنے لگتے ہیں: "ہم یہاں ہیں"۔ شاعری میں بھی وہی اشعار ضرب المثل بن سکتے ہیں، جن میں انسانی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے کی یہ صلاحیت پوشیدہ ہو، جن میں خیال کچھ ایسا اور کچھ ایسے انداز سے پیش کیا جائے کہ سب یہ کہہ اٹھیں کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے، اردو کے بہت کم شاعروں اور شعروں کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے، شیفتہ کے بہت سے اشعار میں یہ خصوصیت موجود ہے کہ وہ قاری کی توجہ اپنی طرف منعطف کرکے ایک دم اس کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں، اور پھر روزمرہ کی گفتگو اور مجالس کا ایک حصہ بن جاتے ہیں اور اس طرح سینہ بسینہ ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتے رہتے ہیں، یہ چند شعر سنئے جو اردو داں طبقہ کی زبان پر روزمرہ گفتگو میں محاورہ کے طور پر چڑھے ہوئے ہیں اور جو مختلف ماحول اور موقع و محل پر مختلف معنی میں استعمال ہوکر بات چیت کرنے والے کے بیان کو موثر ترین بنا دیتے ہیں ؎

هم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا!!
اڑتی سی شیفتہ کی خبر کچھ سنی ہے آج
لیکن خدا کرے یہ خبر معتبر نہ ہو
وہ شیفتہ کہ، دھوم ہے حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے
ہر چند سیر کی ہے بہت تم نے شیفتہ
پر میکدے میں بھی کبھی تشریف لائیے
فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیب داستاں کے لئے
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ!
ہے آگ سی جو سینے کے اندر لگی ہوئی

شیفتہ کی غزلوں میں فکر و خیال کی ہم آہنگی، انداز کی یکساں کیفیت تاثر کی ایک وحدت خیال کی، ایک آہنگ اور لے کا احساس رہتا ہے، یہ ایک اور خصوصیت ہے جو حسرت اور شیفتہ کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیتی ہے حسرت کی تقریباً ساری غزلوں میں، تاثر اور کیفیت میں وحدت اور تسلسل کا احساس رہتا ہے، شیفتہ کے ہاں بھی یہ سلسلۂ سخن الیسا مربوط رہتا ہے کہ جب تک سامع اس کا نتیجہ نہیں سن لیتا سامع کی توجہ قائم رہتی ہے ایسی غزلوں میں حسرت اور شیفتہ دونوں کے ہاں یہ اسٹائل پایا جاتا ہے کہ ایک خیال کو پہلے شعر میں بیان کرتے ہیں اور پھر اس خیال کی تشریح و وضاحت مختلف انداز طریقوں اور پہلوؤں سے دوسرے شعروں میں کرتے چلے جاتے ہیں، اس طریقہ کو غزل مسلسل کے ذیل میں لایا جاسکتا ہے، لیکن اس میں غزل مسلسل سے زیادہ نظمیت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ شیفتہ اور حسرت دونوں غزل میں بیان کے لئے کچھ اور وسعتوں کی تلاش میں تھے وہ غزل کو محدود تصورات سے ہٹا کر نظم کی حدود سے ملا دینا چاہتے تھے، شیفتہ نے اس انداز بیان کی ابتدا کی اور حسرت نے اسے ایک خاص بلندی تک پہنچا دیا اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ نئی غزل میں فکر و بیان کا یہ تسلسل عام طور پر پایا جاتا ہے اور اب یہ طریقہ اردو غزل کا ایک جزو لاینفک بن چکا ہے، شیفتہ کے عشق میں خود سپردگی، گہرائی، المیہ، لہجہ کی کھٹک اور چبھن نہیں ہے جو میر کے ہاں ملتی ہے، میر نے ان جذبات کو ان نادر اور غیر مرئی محسوسات کو جنہیں لفظوں کی گرفت میں لانا مشکل تھا اور جنہیں صرف مبہم اور غیر واضح انداز میں محسوس کیا جاسکتا تھا، اس انداز اور ایسے تیور سے پکڑا کہ ہر شخص کو وہ اپنے جذبات کا اظہار معلوم ہوتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے شعروں میں آفاقی صفات، ہمہ گیریت پیدا ہوگئی، لیکن ان کے ہاں چونکہ صرف انسانی جذبات کا المیہ پہلو بیان ہوا، اس لئے ساری آفاقیت اور ہمہ گیری کے باوجود ایک گونہ یکسانیت نت نئے تجربات کو لہجہ کی چبھن، اثر و تاثر کی شدت اور دل کو موہ لینے والے انداز میں پیش کیا، یہی وجہ ہے کہ اپنے اس تنوع کے باعث غالب میر سے زیادہ مقبول ہوا، بقول فراق شاعر تو میر بڑا ہے لیکن فن کار میں غالب بڑا ہے، شیفتہ نے بھی غالب کا اتباع کیا میر کی درد آمیزی و سادہ بیانی کو بھی اپنایا، ان کے المیہ لہجہ کو بھی اپنی شاعری میں سمویا، لیکن چونکہ شیفتہ کی حقیقی زندگی اور میر کی عملی زندگی میں زمین آسمان کا فرق تھا اس لئے شیفتہ میر سے زیادہ قریب نہ ہو سکے وہ غالب سے

بھی قریب تر نہ ہو سکے، اس لئے کہ ان کی اخلاقی اقدار اور غالبؔ کی اخلاقی اقدار میں اور زندگی میں بیّن فرق تھا ان کے یہاں عشق کا معاملہ بڑی اہمیت رکھنے کے باوجود بالکل سیدھا سادا اور دو ٹوک قسم کا ہے وہ محبوب کو بھی اس لئے چھوڑنے پر تیار ہے کہ وہ رقیبوں سے ملتا ہے اور رقیبوں سے ملنا انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا، محبوب کو چھوڑنا بھی بذات خود ایک عجیب سی غصہ والی بات ہے جو سچا عاشق کبھی نہیں کر سکتا، غالبؔ تو صرف سبک سر بن کر سرگرانی کی وجہ پوچھنے سے کتراتے ہیں مگر شیفتہ ہے ؎

جب تک کہ تم رقیب سے ملنا نہ چھوڑ دو
مل جائے تم سے شیفتہ ایسا کبھی نہ ہو
پھر ہمیں کام کچھ نہیں تم سے
پھر وہی وضع گر تمہاری ہے

شیفتہ کے لئے عشق بازی کا مشغلہ صرف ایک مشغلہ تھا شریفانہ اور روایتی، اس میں نہ تنوع تھا نہ گہرائی، نہ جذباتی واردات کے نت نئے تجربات کا محرک نہ فکر کے نقطۂ نظر سے زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کا موجب ان کے ہاں (بقول ولی دکنی) عشق کا صرف یہ تصور تھا کہ ؎

شغل بہتر ہے عشق بازی کا!
کیا حقیقی و کیا مجازی کا!

وہ تو ایسے عشق کے قائل تھے جس میں دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے عشق میں حد درجہ خودداری کا احساس ہے، ایسی خودداری جو ہر بڑے شاعر کے ہاں ملتی ہے اور جو چھوٹوں کے ہاں واسوخت کی شکل اختیار کر لیتی ہے ؎

لازم ہے یار بھی ہو بیتاب ورنہ کیا
وہ عشق ہے کہ رنج یہاں ہو وہاں نہ ہو
سبقت ہو تجھے راہ میں اس کوچہ کی مجھ پر
نہ ہار یہ اے راہنما ہو نہیں سکتا!!

واہ اے طالع خفتہ کہ شب عیش میں بھی
وہم بے خوابی اغیار نے سونے نہ دیا!!

کچھ بات راز کی ہے ذرا پاس آئیے
جی میں ہے آج خوب عدو کو جلائیے!!

لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ محبوب پر سب کچھ نثار کر دینے کو بھی تیار ہو جاتا ہے اس تیاری میں بھی کچھ نوابی اور شاہانہ شان ہے، اس موقع پر ان کے ہاں کچھ "مانگ کیا مانگتا ہے!" قسم کا لہجہ پیدا ہو جاتا ہے، اس کے لہجہ کی یہ فیاضانہ بے نیازی شعری فضا میں بڑی مسرت اور فراخدلی بکھیر دیتی ہے، اس موقع پر صرف ایک شعر سن لیجئے ؎

کیا مانگتے ہو جان بہت لوگ دے چکے
وہ بات ہم سے کہئے کہ حدِ بشر نہ ہو

عشق کے اس تصور اور اشعار پڑھ کر محبت ایک فیشن بن کر سامنے آنے کے باوجود زندگی میں تنگی اور چھوٹے پن کا احساس پیدا نہیں کرتی بلکہ اس سے بلند حوصلگی، اعلیٰ ظرفی اور خودداری کا شدید اور صحت مند احساس پیدا ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر ان کے لہجہ میں شگفتگی، کھلا کھلاہٹ، خوش مذاقی و خوش سلیقگی، ٹھہراؤ اور سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح ان کی شاعری کا یہ پہلو سطحیت کی زد سے بال بال بچ جاتا ہے۔

شیفتہ شاعری کے قد کو بلند کرنے اور اونچا اٹھانے میں ان کے انداز بیان اور لہجہ کا بڑا ہاتھ ہے اور یہ چیز اردو غزل کے سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے ان کی قوت اظہار زبردست تھی، وہ اپنے خیال اور فکر و معنی کو واضح طور پر بیان کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتے تھے، وہ بڑے سے بڑے خیال کو بغیر فارسی و عربی کی ادق تراکیب اور مشکل الفاظ کا سہارا لئے، بڑے مزے اور بڑی آسانی سے بیان کر دیتے تھے۔ غالب کو تو یہ شکایت تھی کہ میرے خیالات اتنے گہرے اور میرے مضامین اتنے عمیق ہیں کہ مجھے مشکل الفاظ کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے، اور انہیں یہ کہنا پڑتا تھا کہ گو یم مشکل و گرنہ گویم مشکل تو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میرا کہا تو لوگوں کو شکایت ہے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ آغا جان عیش کا

نے بھری بزم میں اس سلسلہ میں ان پر منظوم فقرہ بھی چسپ کر دیا تھا۔ دوسری بات وگرنہ گویم مشکل غالب کی اس تخلیقی لگن کی طرف اشارہ کرتی ہے جو انہیں اندر سے اکساتی اور ترغیب دیتی رہتی ہے کہ مجھے شعر کی شکل میں اس قید خانہ سے باہر نکالو۔ اس بات کی طرف غالب نے اپنے ایک فارسی شعر میں بھی ذکر کیا ہے ؎

ما نبودیم بدین مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہشِ آن کرد کہ گردد فن ما

اقبال کو بھی اپنے فکر کی بلند پروازی کی وجہ سے اپنے وجدان، ذوق شعر کے خلاف فارسی و عربی کی ادق تراکیب کا سہارا لینا پڑا اور آخر کار ریختہ سے کنارہ کش ہو کر فارسی گوئی کی طرف رجوع ہو گئے لیکن شیفتہ نے اپنے ہر خیال کو قدرتِ بیان کے باعث پانی کر دیا، ان کا لہجہ، اسلوب اور انداز بیان ایسا شگفتہ رہتا ہے کہ وہ ہر بات کو خواہ وہ کیسی ہی بلند، گہری اور دور رس ہو آسانی سے بیان کر دیتے ہیں۔ ان پر اس سلسلہ میں مومن کا رنگ بھی نظر نہیں آتا، وہ لفظوں کے انتخاب میں کمال کرتے ہیں بڑی احتیاط سے موتی سے چنتے ہیں اور بڑی نزاکت اور حسن کے ساتھ انہیں جماتے چلے جاتے ہیں، ان کے ہاں اس طرح روانی بھی باقی رہتی ہے، آہنگ اور صوتی لہجہ بھی، ان کے اندازِ بیان کی سب سے بڑی خوبی اور شگفتگی ہے۔ کہیں بھی بوجھل پن، بھاری پن اور گرانی کا احساس نہیں ہوتا (سوائے چند غزلوں کے) ان کے اندازِ بیان میں کہیں بھی الجھاؤ کا احساس نہیں ہوتا، کہیں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بات کو جبریہ طریقہ پہ بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ان کے ہاں ضرورت شعری کا جواز نہیں ملتا مفہوم کے اعتبار و ترتیب سے الفاظ کا فاصلہ زیادہ نہیں ہوتا، الفاظ مفہوم کے اعتبار سے قریب تر رہتے ہیں، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں مصرعوں کو اگر نثر کے انداز میں لکھ دیا جائے تو پورا مکمل نثر کا ایک جملہ بن جاتا ہے۔ ان کے لہجہ میں آہستگی ہے، نرمی ہے، ان کا لہجہ بہت اونچا نہیں اٹھتا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت سلجھا ہوا آدمی ہولے ہولے سمجھا سمجھا کر اپنا مطلب واضح کر رہا ہے۔

شیفتہ ہماری زبان کا شاید پہلا شاعر ہے جس کی غزلوں میں قومی اور وطنی جذبات اور فطرت کے

تاثرات کی ایک جھلک نظر آتی ہے، وہ اپنی قوم کی زبوں حالی سے بدرجہ غایت متاثر تھا اور یہ تاثر کبھی کبھی اس قسم کے اشعار میں جھلک اٹھتا تھا ؎

کیا ڈھونڈھتی ہے قوم کی آنکھوں میں قوم کی
خلد بریں ہے طبقۂ اسفل جحیم کا!!
بے سخن نسبت مع اللہ ہے اسے
قوم سے جس کو کہ نسبت ہو گئی

یہ شعر غالباً سر سید کی شان میں کہا گیا ہے پھر اسے اپنے وطن سے بے پناہ محبت تھی، جس کا اظہار اس نے اپنی اس غزل میں بھرپور انداز سے کیا ہے جس کا مطلع ہے ؎

ہند کی وہ زمین ہے عشرت خیز
کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز

پھر وہ مظاہرِ فطرت میں سے صبح کا عاشق زار بھی تھا اور اس کی بیاضِ سخن اول سے آخر تک انوار سحر سے برابر مستنیر ہے ایک دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

شگفتہ ذوقِ سحر اس نے کہاں دیکھا ہی
وہ جو کہتا ہے کہ ہے آخرِ شب خواب لذیذ
خرم نہاد می کش و زاہد شگفتہ دل
ہے شگفتہ ہر ایک کو وقتِ سحر سے فیض
چلئے چمن کو بجُمِ سحر جلوہ گر ہوا
پروین نہیں، بنات نہیں کہکشاں نہیں
اٹھ صبح ہوئی، مرغِ چمن نغمہ سرا دیکھ
نورِ سحر و حسنِ گل و لطف ہوا دیکھ

کتب جن سے مدد لی گئی

"شعرائے اردو کے تذکرے"	ڈاکٹر عبد اللہ	"چمنستان شعراء"	شفیق اورنگ آبادی
"ذکر حالی"	صادق قریشی	"تذکرہ میر حسن"	میر حسن
"یادگار غالب"	حالی	"مقدمہ گلزار ہند و گلشن ہند"	ڈاکٹر محی الدین قادری زور
"تنقیدی سرمایہ"	عبد الشکور	"گلشن ہند"	علی لطف فورٹ ولیم کالج
"دیوان شیفتہ" (مع مقدمہ)	مرتبہ صلاح الدین احمد	گلشن سخن	صابر
"نکات الشعراء"	میر	"تنقید آب حیات"	پروفیسر شیرانی
"ریاض الفصحاء"	مصحفی	"مراۃ الشعراء"	تنہا
"دیباچہ مجموعہ نغز"	پروفیسر شیرانی	"شعر الہند"	مولانا عبد السلام
"طبقات الشعراء"	کریم الدین	"خطبات دتاسی"	انجمن ترقی اردو
"گل رعنا"	مولانا عبد الحی	"شعر اور غزل"	مجنوں گورکھپوری
"آب حیات"	مولانا محمد حسین آزاد	"مقدمہ شعر و شاعری"	حالی
"تذکرہ کریم الدین"	کریم الدین	"شمیم سخن"	مولوی صفا بدایونی
"مخزن نکات"	قیام الدین چاند پوری	"دیباچہ نکات الشعراء"	مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی
	گلشن بے خزاں	قطب الدین باطن	

کراچی ۱۵ / مئی سنہ ۱۹۶۲ء

احسان الحق فاروقی

دیباچہ

مصنفہ علامہ نواب مصطفٰے خاں شیفتہ

سخنِ حمد کا گل سرسبز چمن طرازہ ہے کہ بادِ شمال اور صبا کی حرکت سے باغ عالم میں رنگا رنگ کے پھول کھلائے اور شکر کے گلدستہ خیال کی زینت نخل بند ہے کہ ابر و باران کی آبیاری کے بغیر گلشن جہان میں خوبصورت پودے لگائے، وہ ایسا صانع ہے جس نے انسان کے وجود خاکی کو معشوقوں سے زیادہ قبولیت کا رنگ دیا، کوئی سرو لب جو، کو قدِ رعنا کے برابر شمار نہیں کرتا، وہ ایسا حکیم ہے کہ جس نے آدمی کی سرشت میں برائی اور بھلائی، پھول اور کانٹے کی تمیز پیدا کی، کوئی سنبل پیچ پیچ کو معشوق کے زلفِ پیچاں کے برابر خیال نہیں کرتا یہ سب کچھ خرافات نہیں ہے، کیونکہ خرافات حکمت کے منافی ہے، ایک ذرہ میں سو خورشید کی روشنی پوشیدہ ہے، ایک پنکھڑی میں ہزار باغوں کی جلوہ نمائی مستتر ہے ؎

وصفِ صنعت کز لبِ ہر ذرہ می ریزد برون
نطق را در معرض عقد اللسان انداختہ
برگ درختان سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورق دفتر یست معرفتِ کردگار!!

اب جبکہ خسیس ترین یہ حال ہے تو پھر کیسے اشرف المخلوقات و نفوس موجودات پر اس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے، ایک کو دوسرے پر رجحان دینے پر غرض و غایت ہوتی ہے پہلے سے دوسرے میں نقص دکھلانے میں کوئی رعایت ملحوظ ہوتی ہے، اسی طرح برائی و بھلائی کے امتیاز کی روشنی آنکھ میں نور کی مانند ہے، اور آنکھ میں بصیرت پیدا

کرنا مصلحت عظیم پر مبنی ہے، نیز جسم کے شبستان میں دل کا آفتاب روشن کرنا ظلمت کدہ میں شمع روشن کرنے کے مانند بہت بڑی حکمت پر مشتمل ہے، جس طرح کہ محبوبہ آنکھ دو سے نرگس بیمار نہیں دیکھی جاسکتی، باوجود حسن کے روئے گل سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا اسی طرح معشوقوں کی ہوس میں عندلیب زار کی طرح پھول کے آتش شوق میں نہیں جلنا چاہئے، اور (حسینوں) کی تمنا میں پروانہ وار چراغ کے پیچھے نہیں جلنا چاہئے۔ کیونکہ ایک پھول دوسرے سے رنگینی میں زیادہ جلوہ ریز ہے، ایک شمع دوسرے سے زیادہ نور افشاں ہے بادۂ سخن کا جام کیفیت کے ساتھ نا پینا چاہئے ؎

قانع نشوی بہ ہر چہ یابی ؎ ؎
از خوب بخوب تر شتابی ؎ ؎

کمال کو پہنچے بغیر طلب سے دست کشی کرنا کم ہمتی ہے اور باوجود طوبیٰ دستی کے دوسرے پودے پر ہاتھ ڈالنا طبیعت کی کوتاہی ہے، بادۂ طہور کے مقابل میں انگور کی شراب پینا جائز نہیں ہے، یوسف کے ہوتے ہوئے زلیخا کو دیکھنا سزاوار نہیں، معجزہ کے مقابلہ میں مائل بہ طلسم ہونا عقل مندی نہیں ہے، مسیح کے ہوتے ہوئے افلاطون کی طرف رجوع کرنا جنون کی دلیل ہے، المختصر ابت خانہ مجاز کا چراغ حقیقت میں کعبہ حقیقت کی مشعل ہے اور فی الواقع صنعت، صانع کی معرفت کی علت ہے، کیونکہ تمام کی غرض وغایت آفرینش دیکھے اور انسان کو پیدا کرنا سب سے بڑا عرفان، عرفان میں عاجز رہنا ہے۔ العجز عن درک الادراک ادراک۔

پس ابجوئے متحیر کے لئے کون سا راستہ ہے، منزل ناشناس رہرو کے لئے خضر راہ کون ہے، اسی نکتہ کی بنا پر انبیاء ورسل کی بعثت ہوتی تاکہ ظلمت حیرت کے بھٹکے ہوؤں کو منزل مقصود پر پہنچائیں اور وادی مسافرت کے عاجزوں کو وادی مطلوب پر پہنچائیں سلام اللہ علیہم اجمعین (اللہ کا ان تمام پر سلام ہو) خصوصاً ان پر جو قافلہ سالار انبیاء ہیں، رہنمائے صوفیاء ہیں، مجموعہ نبوت کے عنوان ہیں، کتاب رسالت کا خاتمہ ہیں، گلشن سرسبز کے

پھول ہیں، سیدالنس وجاں ہیں، حلم ابراہیم ہیں، جلال موسیٰ ہیں، صبر ایوب ہیں، جمال یوسف ہیں، منعم و مکرم ہیں، سراپا نور ہیں، گہوارۂ فیض ہیں، یعنی سرورِ عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، کہ جن کے وجود کے آفتاب کی ضیاء سے عالم کدہ منور ہے، جن کی صفات کے انوار کی روشنی مہر درخشاں کے مانند عالمگیر ہے، ایسا سردار کہ جس کے مطیع اوج فلک کو سرنگوں کرنے کو اپنی پست ہمتی سمجھتے ہیں، ایسا عرش مکیں کہ جس کے آستانہ کی جبہ سائی کرنے والے ثریا پر قدم رکھنا تحت الثریٰ پر قدم رکھنے کے مترادف سمجھتے ہیں، ایسا مہربان کہ جس کے نزدیک دشمن بھی دوست سے زیادہ ہیں، دوستوں کا تو کہنا ہی کیا، ایسا باغبان کہ جس کے احسان کے باغ میں کوئی در نہیں (یعنی جس کا احسان ہر خاص و عام پر کھلا ہوا ہے) جس کے باغ کے اپنے اور پرائے سب گلچیں ہیں، جس کی انگلی کے اشارہ کا فلک تابع ہے، چاند دو ٹکڑے ہے، جس کے قہر و مہر سے سورج کبھی امید میں ہے اور کبھی بیم (خوف) میں جس کی شب معراج، مرتبہ میں شب قدر سے بلند قدر ہے، اس کے مبعوث ہونے سے روز عرفات روانی آب کے برابر ہے اور منبع کمال کے باعث دریا ایک قطرہ ہے۔ آرزومندوں کے جیب و داماں میں حاصل بحر و کان دریا ——————

ڈالنا ایک اس کی بخشش و کرم کے سمندر کا ایک چشمہ ہے، اس کے عدل کے سامنے نوشیرواں کے عدل کا ذکر کرنا ناانصافی ہے، ان کی سخاوت کے باب میں حاتم کا نام لینا غیر انصافی ہے، ان کے معجزہ کی بدولت نباتات، جمادات انسان کی طرح گویا ہیں (تکلم حجر کی کہانی مشہور ہے) جس کے جوہر تیغ نے باغی اور سرکش لوگوں کے وجود کی ہستی کو نیستی کے طوفان میں ڈال دیا، جس کے وجود کے متاع کی تیز آگ نے شرک و عناد کے ساتھ وہی کام کیا جو خرمن کے ساتھ برق کرتی ہے، جس کے عہد میں کفر کی بنیادیں سرے سے اکھڑ گئیں، کسریٰ کے محل کے کنگوروں کو دیکھئے، جس کے زمانے میں شرک کا ہنگامہ سرد ہو گیا، آتش کدہ فارس جس کی بین دلیل ہے، وہ ہستی کہ جو رفعت شان میں سب سے برتر ہے، مرتبت و عظمت میں خداوند تعالیٰ کے کلام کے برابر ہے، درود و سلام ہو اس کے صحابہ پر کہ جن میں سے

ہر ایک ہدایت اور رہنمائی کے آسمان کا ستارہ ہے، تمام صداقت کی صندوق کے موتی ہیں، اس کے بعد اصحاب بصیرت کو خوش خبری ہو کہ اس معشوقۂ کلام نے سو ناز و انداز کے ساتھ اپنے چہرے سے نقاب اٹھائی ہے اور فکر کی معشوقہ ہزار کرشمہ و انداز کے ساتھ جلوہ نمائی کرتی ہے۔

نظم کی حسین ادائیں رکھنے والی محبوبہ دلربائی کے لئے آمادہ ہے اور نثر کی خود پسند معشوقہ جلوہ دکھلانے کے لئے بے چین ہے۔ قلم شمع کی طرح سورج کے سامنے آ گیا ہے اور ایک سورج جیسی جگمگانے والی کتاب یعنی ایک بیاض مرتب ہو گئی صبح صادق کی روشنی سے زیادہ روشن، ایک باغ آراستہ ہو گیا جو رنگینی میں عاشق کے صفحہ خیال سے زیادہ رنگین ہے اور ایک تذکرہ نے ترتیب پائی جو فصیح شاعروں کے اشعار اور بلیغ ریختہ گویوں کے اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ ہدیہ نہایت ہی مختصر ہے جان پرور دوستوں اور دل نواز احباب کے لئے مختصراً اپنی ناشناسی کی ہائے (یعنی فریاد) ہے، میری مناسب قدر یہ ہو گی کہ کوئی تانہ جادو، اس پرانے جھروکے میں باندھتا۔ افلاطون اور ارسطو کے سر پر جہل کی سلیٹ توڑتا۔ میں فرط کبر و ناز سے بونصر اور بوعلی پر چشم التفات نہیں کھولتا اور گوشہ رغبت نہیں دھرتا، تو اس قسم کی باتوں سے میرا کیا سروکار، میں فضیلت کے باغ کا ایک خوش ادا مرغ ہوں، میری طبیعت کو زمزمۂ شاعری سے کیا واسطہ، یوں ہی احباب روحانی کی تعمیلِ حکم میں جو تمنائے جان اور جان تمنا ہیں۔ دل نے زبان سے زیادہ اپنی تسلیم کی زبان کھولی، اور ننگ و عار کا یہ بوجھ میرے سر پہ رکھ دیا۔ المختصر ایک رات جو نشاط آفرینی میں صبح جوانی کی مانند تھی، گلشن زندگی (باغ حیات) کی بہار کی طرح تھی، بسنت کے موسم سے بھی زیادہ خوش و خرم اور نغمۂ بلبل سے بھی زیادہ دل فریب۔ رات کے دل سے صبح کے ہزار جلوے روشن تھے، چاند تاریکی کے ہزار طعنے شمع خورشید کو دے رہا تھا چہرے کی دمداہٹ میں سورج کی برابری کا دعویٰ کر کے انجم و کواکب کے ساتھ زمین پر نور افشاں تھا، زمین فروغ چراغاں سے فلک نشان بنی ہوئی تھی اور ایک ایسا چمن بنی ہوئی تھی جو شگفتگی میں خلد بریں سے زیادہ تھا ایک ایسا گلشن بنی ہوئی تھی کہ جو دلربائی میں

معشوقوں کے کوچہ (گلی) سے زیادہ تھی اور ایسی کہ رات کو بولنے والے پرندے، گنگنانے والے اور اچھے بولنے والے گویوں جیسے معلوم ہوتے تھے اور سرو شمشاد پر نسیم کے جھونکوں کے ساتھ حسین جوانوں کی طرح اور چکور اور تیتر کی طرح سو ناز و انداز کی طرح باغ کے صحن میں ٹہل رہے تھے، نہروں کی موجیں، شراب خوار رندوں کی مستانہ چال جیسی تھیں اور لالہ کے پھول ایسے حسینوں کے چہروں کی طرح دمک رہے تھے، جنہوں نے شراب پی کر چہرہ تمتما لیا ہو اور دیکھنے والوں کی تاب بینائی ختم ہو گئی، کلی بھی پھول کا جلوہ دکھلا رہی تھی اور بالچھڑ حسینوں کی زلفوں کے مقابل دیکھنے والوں کو مست کر رہی تھی، نسیم اور صبا عطاری کر رہی تھیں اور نرگس کی آنکھ باغ کا رنگ دیکھتے دیکھتے پتھرا گئی تھیں، سوسن ہزار زبانوں سے ادب کے بلبل کی طرح باغ کی تعریف میں قصیدے پڑھ رہی تھی، گل جعفری سیکڑوں ساز و سامان کے ساتھ جلوہ دکھلا رہا تھا اور بنفشہ ریحان کی طرح یا دلربا حسینوں کے کھلے ہوئے چہرہ کی طرح اور یہ سب کے سب دوستوں اور ساتھ دینے والے رفیقوں کے ساتھ محفل آراستہ کرنے میں مشغول تھے اور سب کے دل پھولوں کی طرح کھلے ہوئے تھے، خوشی اور امنگوں سے سیراب ہو رہے تھے، کلی کا زیرہ کثرت غم و غصہ کے لئے کیمیا بنا ہوا تھا اور اس محفل کی سرگرمی کے رشک میں شمع بھی پروانہ کی طرح جل رہی تھی اور اس محفل کی رنگینی کی حسرت کی وجہ سے چمن کے نوجوانوں (درخت) کے ہوش بلبلوں کی طرح اڑ رہے تھے، کوئی دوسرے کی غزل پڑھتا تھا، اور ایک اپنی طبیعت کی سیپی میں سے کلام کے جواہرات بکھیر رہا تھا، کوئی دل پسند تانوں سے گویوں کے ہوش گم کر رہا تھا اور کوئی اپنی باتوں سے میٹھی باتیں کرنے والے طوطیوں کی چونچ بند کر رہا تھا ع

ایک جماعت گل و لالہ کی طرح ملی ہوئی تھی

انہی میں سے ایک پیارا دوست اور موافق ساتھی جو دوستوں کی جماعت کے لئے شمع کی طرح ہے اور اسی کی محبت روح میں پیوست کر دی گئی ہے، اس نے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر ایک کتاب لکھی جائے جس میں بلند مرتبہ متاخرین اور خوش نصیب متوسطین کا ذکر ہو تا کہ ہر وقت گزرے ہوئے لوگوں کے ذکر کی طرح ہمارا ساتھی اور ہر وقت موافق دوستوں کی

طرح ہمارا ہم نشین ہو اور جو مسرتیں اس وقت ہیں وہ ہمیشہ کے لئے باقی رہ جائیں اور اس شراب کا نشہ زمانہ کے سود و دود کے بعد خمار کی تلخی پیدا کرے، میں نے اس سے کہا کہ اے دوست میرے دل پرندکا جو سدرۃ المنتہیٰ کا پرندہ ہے، شکار کرکے بھول گیا اور شاخ پر آشیانہ بنا کر نہ بیٹھا تو سمندر کے تیر اک کو کیچڑ میں پڑا ہوا پسند نہ کریں تجھ پر قربان ہو جاؤں، میں اور شاعری کا خیال اور پھر ریختہ کا، اس نے کہا کہ اگر تیرے پہلے کے افکار میرے دل کو گھیرے ہوئے نہ ہوتے تو میں تجھکو دیوانوں سے منسوب کرتا اور اس کے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کا محتاج نہ ہوتا، اس لئے یہ بات اگر بکواس نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ دیکھ اس فن کی طرف کھینچنے والا کون ہے اور جو بعض چیزیں دھمکانے کے لئے آتی ہیں وہ ہیں بعد کی حدیثوں کے خلاف ہیں جو اسکی تعریف پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً تحقیق شعر میں حکمت ہوتی ہے اور بیان میں جادو اور بات وہی ہے کہ اگر کلام برے آدمیوں کی تعریف اور اچھوں کی برائی پر موقوف ہو تو برا ہے ورنہ اس دلیل سے کہ "نیک کام کرو" پسندیدہ کہا گیا ہے فرد معمولی طریقہ سے شعر کے مرتبہ کو جان، شاعری پیغمبری کے بعد کا رتبہ رکھتی ہے، لیکن ریختہ کو جسے تو سب سے زیادہ حقیر سمجھتا ہے اور اس زبان کو ذلیل خیال کرتا ہے تو یہ نہیں جانتا کہ مطلب معنی سے ہے، پھر نئے معنی جس زبان میں روانی کے ساتھ ادا کردئے جائیں قابل تعریف ہوں گے اور دل کی گہرائیوں اور روح کی پہنائیوں میں سننے کے قابل ہوں گے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ تین فصیح زبانیں نکل رہی ہیں اور ہر زبان شوق اور تفریح کا سبب ہے جب اس کی مؤثر باتیں میرے دل میں بیٹھ گئیں تو میں نے متاخرین اور متوسطین کے دیوان باریکی اور انصاف سے دیکھے اور اس سے اخذ کیا جس کسی کا دیوان دکھائی نہ دیا اور حاصل نہ ہوا اس کے خیالات کو تذکروں سے اور کتابوں سے جس قدر دل میں تھا دستور کے مطابق صحیح انتخاب کرکے جمع کیا اور لکھ دیا گیا۔ چونکہ پیش نظر اس تالیف کے اور مقصد اس کتاب لکھنے سے دل کو لبھانے والے اشعار کو جمع کرنا ہے اور محض شاعروں کے ناموں کو گننا نہیں ہے، اس لئے کہ کوئی غیر مؤثر شعر نگاہ کے سامنے نہ آیا اور عام لوگوں، جاہلوں اور اہل علم زندہ اور مردہ کا نام

اس کتاب میں اس کے شعروں کی طرح درج نہ کیا، لیکن مشہور لوگوں میں سے بہت کم ہیں جو اچھا شعر نہ رکھتے ہوں مجبوراً ان سب کا ذکر کرنا لازم آیا،

اکثر جھوٹے دعویداروں کا ان اوراق میں کوئی ذکر نہ دکھائی دیگا

تاکہ ان کی جہالت کو مجھ سے نسبت نہ دی جائے اگر کسی کے شیریں خیالات اور تمکین افکار کا اس جلدی میں کوئی ذکر نہ کیا گیا ہو تو یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ہم تک نہیں پہنچے دوستوں کی محبت اور دشمنوں کے کینہ کا اہل صفا کے دل کی طرح انشاء اللہ اس کتاب میں تو کوئی اثر نہ پائے گا، اور اس وجہ سے اختصار سے لکھا گیا ہے کہ اکتاہٹ نہ پیدا ہو جائے اور سوائے ان شعروں کے جن کا مقصد اور اصل سبب نظم و نثر کے موتیوں کا لڑی میں پرونا ہے اور جو شاعری کے بازار میں کلام کے جواہرات پرکھنے والوں کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہیں اس کو پرونے میں بخل نہیں کیا اور شعراء کے بیان لکھنے میں حروف تہجی کی ترتیب سے اس کے تخلص میں پہلا اور دوسرا حرف لے کر اور اشعار میں آخر کا حرف مستند کر کے لکھ دیا گیا اور اسی انداز سے گزرے ہوئے زمانے اور موجودہ حالات سے نظر بچا کر اور کم وقتی اور کثرت کار کی وجہ سے سوائے غزل کے اشعار کے دوسرے اشعار کی قسموں سے پہلو تہی کی گئی اور اس کارنامے کی ابتدا ۱۲۴۸ھ سے ہوئی اور خاتمہ ۱۲۵۰ ہجری میں ہوا۔

ترجمۃ الکتاب

(الف)

۱ ۔ آبرو تخلص

نام نجم الدین عرف شاہ مبارک ۔ محمد غوث گوالیاریؒ کی اولاد سے تھے اور سراج الدین علی خان آرزوؔ کے شاگرد اور رشتہ دار تھے مشہور شعرا متقدمین سے ہیں، صنعت ایہام کے بہت شائق تھے محمد شاہ کے عہد میں انتقال ہوا ان کی طبع رسا کا نمونہ یہ ہے:۔

کیوں چھپا ظلمت میں گر اوس لب سے شرمندہ نہ تھا
جان کچھ پانی مرے ہی چشمہ حیوان کے بیچ

کون چاہے گا گھر بسے تجھ کو
مجھ سے خانہ خراب کیسی طرح

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط
کس قدر نسخہ فلک ہے غلط

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں میں
یہاں تلک تو فن عشق میں کامل ہوا ہوں میں

نہ دیوے لیکے دل وہ جعد مشکیں
اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے
وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

شور ہے اس کی اشک باری کا
آبروِ چشم تر قیامت ہے

۲ - آتش تخلص

نام خواجہ حیدر علی۔ لکھنؤ کے مشہور شعرا میں سے ہیں، رندانہ روش اور سپاہیانہ وضع رکھتے ہیں، اس سرزمین کے لوگ آتش اور ناسخ کو جو مسلّم استاد ہیں، ہم پلہ اور ہم مرتبہ سمجھتے ہیں، اس امر کی تحقیق کی قباحت ارباب فہم و فراست سے مخفی نہیں، ان کی طبیعت کی موزونیت میں کوئی کلام نہیں آپ کے دیوان ملاحظہ کرنے کے بعد یہ اشعار منتخب کئے گئے:۔

شب ہجراں میں جو دم تھا وہ گویا واپسیں دم تھا
گمان تھا شام سے مجھ پر چراغ صبح گاہی کا

دمِ آخر بھی بالیں پر میرے ہمراہ یار آتے
رقیبوں نے محل رکھا نہ باقی عذر خواہی کا

یاد آیا جو طوافِ کعبہ میں آتش وہ ماہ
حال بدتر تھا کتان سے جامۂ احرام کا

سامنے ہوتی نہیں اس شمع رو کے اپنی آنکھ
اے صبا محفل سے پروانہ کے خاکستر اٹھا

عرصۂ محشر میں جاتے ہی جہنم میں پڑا
اور اسٹے یہاں ارادہ تھا مجھے فریاد کا

گردشِ چشمِ بتاں سے مل گیا میں خاک میں
آسمان کو شوق باقی رہ گیا بیداد کا

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا

لحدِ تیرہ میں مجھ پہ جو لگا ہونے عذاب
پھر گیا آنکھوں میں عالم شبِ تنہائی کا

چھوڑتا میرے گریباں کو نہیں دستِ جنوں
کیا یہ اس کو کسی محبوب کا دامن سمجھا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نہ نکلا

پیچھے ہٹا نہ کوچۂ قاتل سے اپنا پاؤں
سر سے تڑپ کے چار قدم آگے دھر گیا

گرہ تھی دل میں زبس حسرتِ ہم آغوشی
فشارِ گور کا راحت مجھے عذاب ہوا

شبِ فراق میں مجھ کو سلانے آیا تھا
جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا

ہماری قبر سے آئے گی یہ صدا تا حشر
یہ مزہ آیا کہ مجھپر کوئی عذاب آیا

اللہ رے شوق اپنی جبیں کو خبر نہیں
اُس بُت کے آستانہ کا پتھر رگڑ گیا

روزِ سیاہ ہجر میں میرے جلے چراغ
پروانوں کو نصیب ہوا دن وصال کا

وہ نہیں ہوں میں رکھائی سے جو ٹل جاؤں گا
آج جاتا تھا تو ضد سے تیری کل جاؤں گا

عاشق اُس غیرت بلقیس کا ہوں میں آتش
بام تک جس کے کبھی مرغ سلیمان نہ گیا

چال ہے مجھ ناتوان کی مرغ بسمل کی تڑپ
ہر قدم پر ہے یقین یاں رہ گیا وہاں رہ گیا

قاصدوں کے پاؤں توڑے بد گمانی نے میری
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشانِ کوئے دوست

اُس بلائے جان سے آتش دیکھئے کیونکر بنے
دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خو دو ست

آمد آمد اُس سراپا نور کی ہے بزم میں
شمع اُڑ جائے جو ہاتھ آئیں پر پروانہ آج

دندان یار جب سے سمائے ہیں آنکھ میں
لیتے ہیں موتی جوہری اپنی نگاہ پر

کوچۂ یار میں سایہ کی طرح رہتا ہوں
در کے نزدیک کبھی ہوں کبھی دیوار کے پاس

اے جذب دل بغل میں سمجھتا ہوں یار کو
جاتا ہے دھیان جب تیری امداد کی طرف

سجدۂ شکر خدایا میں کئے رکھتا ہوں
پاؤں پر یار کے سر کو ہی جھکانا شب وصل

وحشی بنے بوئے گل کی طرح سے جہاں میں ہم
نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکاں میں ہم

لوث گناہ کو جو کبھی آگیا ہے دھیان
غوطے لگاتے ہیں عرق انفعال میں

مری ضد سے ہوا ہے مہربان دوست
مرے احسان ہیں دشمن پہ ہزاروں

اسے جان کے برابر مرتے مرتے ہم نے رکھا ہے
ہماری قبر پہ رویا کرے گی آرزو برسوں

خاک میں مل کے بھی ہوں گا نہ غبار دامن
کمر یار سے اٹھتا نہیں بار دامن

نوازش مجرمان عشق پہ جلاد کرتے ہیں
خدا اجر ان کو دے اس کا اسیر آزاد کرتے ہیں

برہمن آنکھوں کو ملتا ہے جو پاتے بُت پر
رشک آتا ہے مجھے سنگ در یار نہ ہو

چمن دہر میں وہ سبزۂ خوابیدہ ہوں میں
باغ جنت کی ہوا سے بھی جو بیدار نہ ہو

خس تودے میں شریک ہوئی اپنی خاک اُڑتے
حسرت ہی رہ گئی لب معشوق تیر کی

سنگ در پر کسی محبوب کی دے ٹیکوں گا
بددماغی جو یہی ہے تو ہوا سر ٹکڑے

جلاتی ہے دل آتش طور کی طرح
کسی پردہ نشین کی لن ترانی کو

ایڑیوں تک تیری چوٹی کی رسائی ہوتی
کل جو آنی تھی بلا آج ہی آئی ہوتی

ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر
ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے

ہاتھ مشتاق گریبان، ہے جنون کا جوش ہے
پیرہن تن پر مرے گرمی کا بالا پوش ہے

منزل ہی دور ہے جو یہاں پہنچی نہیں ہنوز
دم لینے والی راہ میں عمر رواں نہ تھی

افسوس ہے فرہاد کو پہلے ہی نہ سوجھی
سر توڑ کے مر جائیے اس کوہ کنی سے

پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا
زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

پری زادوں کے کوچے میں ہوئے ہیں گرد آلودہ
ہمارے پاؤں کو دھوئیں گی حوریں آب کوثر سے

۳ - آرزوؔ تخلص

سراج الدّین علی خان، اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ کمال شہرت کے باعث ان کا حال محتاج تعارف نہیں، بر بنائے تفنّن کبھی کبھی اردو میں فکرِ سخن کرتے تھے، آپ کا نمونۂ کلام یہ ہے:-

اس تند خو صنم سے ملنے لگا ہوں جب سے
ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسہ ہے

۴ - آرامؔ تخلص

نام خیر اللہ، تیر گر تھے۔ نواب ظفریاب خان کے دوستوں میں سے تھے، جوانی کے عالم میں انتقال کیا۔

جی میں رکھنا تو غبار آئے رشک گلشن چھوڑ دے
خاک عاشق پر جھٹکتا کیوں ہے دامن چھوڑ دے

۵ - آرامؔ تخلص

نام رائے پریم ناتھ کھتری، خط نستعلیق بہت اچھا لکھتے تھے اور ان کے خط شکستہ کی بھی بڑی دھوم تھی، تیر اندازی میں کفایت خان شکستہؔ کے حریف تھے، اردو اور فارسی دونوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا
دل کا فوّارہ اچھلتا ہی رہا
کون دلداری کرے آرامؔ کی
ایک مجنون تھا سو جلتا ہی رہا

۶ - آرامؔ تخلص

لکھن لعل کائستھ قوم سے تھے، اور عقل مند السان تھے یہ شعر انہی نا چار کا ہے:۔

ہمارمو مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل
اس کو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل

۷۔ آزردہ تخلص

فاضلوں میں افضل، عالموں میں اعلیٰ، گرانمایہ بلیغوں کے قائد، عالی مقام فصیحوں کے پیشوا، چھوٹے اور بڑے اوصاف حمیدہ سے متصف، تمام بزرگ مراتب کے حامل، فنونِ عجیبہ کے ظہور کے باعث علوم عربیہ کی باگ ڈور کے مالک، ملکِ بیان و معانی کے بادشاہ، سلطنت سخنوری کے فرمانروا، جاذب سمع اور جاذبِ قلب فہم کی الفاظ کے سائقہ حقائق اور فہوم کے رموز کے چہرہ سے پردہ اٹھانے والے اور معاصرین میں مقتضیِ فہم اور نہایت خوبصورت معانی سے معارف و علوم کی نہریں بہانے والے، ابنائے زمانہ میں منتخب، یہاں تک کہ ان کا کلام، کلامِ قصیبین کے ہم پلہ، اور ان کا کلمہ، کلمۂ لبید کے ہم مرتبہ ہے، کھانوں میں ثرید جیسا لذیذ، دنوں میں روزِ عید، راتوں میں لیلۃ القدر نمازوں میں نماز فجر، پانی میں آبِ زمزم، گٹھلیوں میں خرما، آیات میں آیت اخلاص اور دعاؤں میں دعائے سعد بن ابی وقاص ہے، ابرِ باراں اس کے ہاتھ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، نہ آسمان ان کے ستاروں کی روشنی سے منکر نہیں ہو سکتا ہے، علوم میں کسی علم کے میدان میں کوئی شخص ان سے نبرد آزما نہیں ہو سکتا، نہ فنون میں کسی فن کے جنگل میں کوئی شخص ان سے فرعاً اور اصلاً جنگ آزما ہو سکتا ہے

ترجمہ: یعنی وہ بدیع الکمال بے نظیر ہے، ہمارے نفوس جن
کی خیر اندیشی سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ علم کا سینہ جس کی سینوں
میں قدر و منزلت ہے، جس میں افکار عالیہ کے سوا قیام نہیں۔

وہ عالی شان، عالی مرتبت مولانا صدر الدین خاں بہادر، جو دوامی انوار معارف سے منور، شعاع النور سے مجلّی ہیں، ظاہراً اور باطناً فیض قدسی کے بادل ہیں، جو گرد و نواح میں ترشح کرتا رہتا ہے۔ بین الانام جن کی بزرگی مسلّم ہے، اگرچہ ان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر اس تعجیلی رسالہ کے لائق نہیں، لیکن اس نامۂ گرامی کو بغیر ان کے نام کے جس کو دوام ازلی حاصل

ہو، صاحب بصیرت لوگ قبول نہیں کریں گے، لہذا مجبوراً ان کی بزرگیوں میں سے قدرے بیان کرتا ہوں۔ اس مبارک ذکر سے اس صحیفہ کی رونق کو دوبالا کرتا ہوں، ایسے گرانمایہ فاضل کی حسنِ شرکت سے اہل سخن کو معتبر خوش خبری سناتا ہوں اور اس مبارک تقریب سے ہم زبانوں پر منتہا کرتا ہوں، فی الجملہ مولانا موصوف ایک بڑے خاندان سے ہیں ان کے بزرگ اہل علم اور با وقار ہوئے ہیں یہی مبارک سرزمین یعنی دہلی ان کی جائے پیدائش ہے، جھگڑوں کا فیصلہ کرنے پر مامور ہیں۔ جو منصب اعلیٰ ہے اور جس کو اہل فرنگ کی اصطلاح میں صدر الصدور کہتے ہیں۔ فی زمانہ ان کی سلطنت میں اہل ہند کے لائق اس سے بڑا عہدہ نہیں ہے، مولانا نے اس دنیوی کسب معاش کے ذریعہ کو دینوی ثواب حاصل کرنے کا وسیلہ بنا رکھا ہے، کیونکہ ان کی تمام تر کوشش مخلوق کی حاجت روائی میں صرف ہوتی ہے، ان کے انصاف کی برکت ہر خاص و عام پر محیط ہے۔ راقم کے ساتھ نہایت الفت رکھتے ہیں، کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ ان کی صحبت سے باریاب نہ ہوتا ہوں اور اس قند مکرّر کے باوجود بھی روح کا تالو حلاوت اندوز نہیں ہوتا، میرے نزدیک ان کی صحبت کے بغیر جو دن گذر جائے وہ ایام عمر میں شمار نہیں ہوتا خُلق مجسّم ہیں، مانی جیسے مصوّر کے فکر میں باعتبار لطافت اس سے بہتر نہ کوئی نقش صفحہ خاطر پر ہے اور نہ پیش نظر، فنون ادب میں اعشیٰ اور جریر کے ثانی ہیں، مراتب حکمت میں باقرؔ اور نصیرؔ کے مثل ہیں، ان کے اندازہ فہم تک رسائی کوئی آسان کام نہیں۔ اِن کے علم کا ادراک کرنا حماقت ہے خیاط ازل نے قابلیت کی قبا اس خوبی سے ان کے زیب تن کی ہے اور روشن گیر قضا و قدر نے اس روشن دلی اور آگاہی سے ان کا آئینۂ ضمیر منوّر کیا ہے کہ ایسی فضیلت والا کوئی شاعر ایران سے نہیں اٹھا، اس شان کا کوئی جادوگر بابل سے ظاہر نہیں ہوا، ان کے کمالات کی شرح کے خیال سے میرا طوطیٔ قلم اس نغمہ سنجی کے باوجود بے زبانی کا دعویٰ کرتا ہے ان کے بلند مراتب کے خیال سے میری فکر کا پرند باوجود اس بلند پروازی کے اڑنے سے عاجز ہے، نہ میں مرتبے کے لائق مدح سرائی کر سکتا ہوں کیونکہ کوئی بھی شائستگی کے ساتھ

ان کی مدح سرائی نہیں کر سکتا۔ ؎

ترجمہ:- میں اور انوری بھی عاجز ہیں کہ ان کی مدح کما حقہ کر سکیں ـــــ مجبوراً۔ اراقتاً ان کے کلام معجز نظام سے چند اشعار منتخب کئے ہیں جو مردہ جانوں میں بھی جان ڈالتے ہیں۔

مر کر بھی ہمارا دل بیتاب نہ ٹھہرا
کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا

اس درد جدائی سے کہیں جان نکل جائے
آزردہ مرے حق میں خدا تو بھی دعا کر

ہو نہ دامن گیر کوئی جان کر قاتل تجھے
تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھ کر

برگشتہ بخت جذبۂ دل تجھ کو آفریں
آکر وہ پھر گیا مرے بیت الحزن کے پاس

آمد آمد ہوئی پھر موسم گل کی شاید
ان دنوں چاک کو پاتے ہیں گریبان سے اُنس

ناصح یہاں یہ فکر ہے سینہ بھی چاک ہو
ہے فکر بخیہ تجھ کو گریبان کے چاک میں

گیا کونسا صید افگن ادھر سے
کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

یہ چھیڑ دیکھ مجھ سے شب وصل میں کہے
تو اجنبی ہے بند قبا کیونکہ وا کروں

گو اسیری میں ہوں پر مثل اسیر تصویر
نہ غم قید نہ پروائے رہائی مجھ کو

الجھنے کو بھلا ہیں آپ بھی کچھ خیر ہے صاحب
لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلف پریشان کو
ترے مجروح کے سینہ میں کچھ گرمی سی باقی تھی
وہیں بس ہوگیا ٹھنڈا جو کھینچا تیرے پیکان کو
اس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوتے
گر ہم بھی سبک حرکت نا اہل سے ہوتے

۸ - آزاد تخلص

نام شیخ امیرالدین۔ غلام علی عشرت بریلوی کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

بن ترے سیرِ چمن کو نہ گئے ہم ورنہ
خندہ گل نے ہمیں خوب رلایا ہوتا

۹ - آزاد تخلص

نام فقیر اللہ، قدما میں سے ہیں، ان کا نمونہ کلام یہ ہے:۔

سب صنعتیں جہان کی آزاد ہم کو آئیں
پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

۱ - آزاد تخلص

نام رام سنگھ تھا، اخلاق وارادت کے زیور سے آراستہ تھے، تحصیل علوم متداولہ کے بعد نور بصر سے عاری ہوگئے، ان کی شعر گوئی کا شوق احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ مہدی علی خان عاشق کے مشاعروں میں بڑے شوق سے شرکت کرتے تھے۔

نمونہ کلام یہ ہے:۔

ان دنوں پیارے تری طرزِ تکلم اور ہے
طورِ چشمک اور ہے، وضعِ تبسم اور ہے

۱۱ - آشوبؔ تخلّص

نام میر امداد علی خان، میر روشن علی فروغؔ کے بیٹے اور شاہجہاں آباد کے رہنے والے ہیں اور میر نظام الدین ممنوںؔ کے شاگرد ہیں، ان کا اندازِ کلام اپنے استاد سے بہت زیادہ مماثل ہے، ہر مشاعرہ میں شریک ہوتے اور طرحی غزلیں کہتے ہیں، راقم کے ساتھ ان کی شناسائی ہے، مہذب انسان ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :-

ناوکِ غم سے چھنا یہاں تک تن اِس ناکام کا
استخواں پر ہے گماں میرے ہما کو دام کا

گنہ کے بوجھ سے محشر تلک پہنچ نہ سکے
اسی میں پردہ رہا ہم گناہ گاروں کا

نہ آ تو میری بالیں پہ تماشا جذبہ دل کا
دکھا دوں گا تجھے گر آپ میں میں بھی کبھو آیا

کوئی دم خاک میں ہم خاک کے آسودوں کو
اس کے ہنگامہ رفتار نے سونے نہ دیا

پوچھا جو میں نے یار سے انجامِ سوزِ عشق
شوخی سے اک چراغ کو اس نے بجھا دیا

دل کو سمجھتے تھے کہ اس بزم سے لے آئیں گے
ہائے اپنا بھی ہوا واں سے پھر آنا مشکل

غدرِ جفا کے کب تلک تم کرو ہم گلہ کریں
وصل کی رات کم رہی آؤ معاملہ کریں

یاسِ آلودگیِ دامن قاتل نہ گیا
کس قدر ذوق تپیدن سے پشیماں ہوں میں

دل کہیں دیدہ کہیں صبر کہیں تاب کہیں
ہائے کتنا شب ہجراں میں پریشان ہوں میں

یہ دیدہ و دل اس پر مائل میرے دونوں ہیں
دشمن میرے دونوں ہیں قاتل میرے دونوں ہیں

۱۲ - آشفتہ تخلص

نام عظیم الدین خان عرف کھورے خان، افغان قوم سے تھے، میر مہدی علی مائل سے حق تلمذ تھا، کہتے ہیں کہ عاشق مزاج اور آزاد خیال تھے، آخر میں صوفی ہو گئے اور شاعری سے توبہ کر لی تھی نمونہ کلام یہ ہے:-

برگشتہ بخت ہم سے دیکھے ہیں کم کسی نے
جب ہم ہوئے مقابل وہ منہ کو موڑ بیٹھے

دیوانگی ہماری ہر لحظہ یاں ہے تازہ
شیدا ہیں اس پری پر ہم گرچہ مدتوں سے

نہ کیوں کو خاطرِ اصحاب کیوں نہ ہو منظور
کہ زیب و زینت مجلس ہے چار یاروں سے

۱۳ - آشفتہ تخلص

نام مرزا رضا علی، حکیم محمد شفیع کے صاحبزادے تھے، بعض لوگ کہتے ہیں لکھنؤ کے رہنے والے ہیں اور بعض اکبر آباد کا خیال کرتے ہیں، بہر حال دلِ درد مند رکھتے تھے، فن طب میں مہارت تھی، ترتیب مشاعرہ میں ہمت رکھتے تھے، ان کا کلام میر سوز کی نظر سے گذرا ہے

ان کے اشعار میں شستگی اور صفائی ہے۔ اہل انصاف پسند کرتے ہیں، ان کے یہ اشعار لکھے جاتے ہیں:۔

جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں
یہاں تلک انتظار تھا دل میں

مر گئے پر بھی ہم کو خاک نہ دی
آج تک یہ غبار تھا دل میں

دمِ آخر جو ہچکی آئی تھی
وہ فراموش کار تھا دل میں

فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ
اِدھر اُدھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ

بجائے اشک نکلتے ہیں پارہ ہائے جگر
تمہارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ

دکھانے آتے تھے دامن کی چاک کی خوبی
ہمارا چاک گریبان دیکھتے جاؤ

اگرچہ ہووے گی تصدیعہ لیکن آشفتہ
کوئی گھڑی کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ

اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو صدقے تو نہ کر
ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے تیری قربان گئے

چہرہ کچھ ان دنوں غمِ پنہاں سے زرد ہے
ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے

چلا ہے کعبہ کو آشفتہ پارسا بن کر
خدا جو بیٹھے بٹھائے اسے خراب کرے

ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے
الٰہی موت دے گذرا میں ایسے جینے سے
مرگیا ایک صنم پر آشفتہ
موت ایسی خدا نصیب کرے

۱۴ - آشفتہ تخلص

سیّد منوّر علی خلف سیّد علی نواز رضوی، عالی نسل سادات بارہ میں سے تھے، جہان آباد (دہلی) میں تولّد ہوئے، فنِ طب میں کافی مہارت تھی، اس باب میں وہ حکیم غلام حیدر خاں سے مستفید ہیں جو دہلی کے مشہور امیروں میں سے تھے، بہ فیض تخلص آشفتہ طبیعت اور عاشق مزاج تھے، نمکیات عشق میں سے کچھ ان کے خمیر میں بھی پڑا تھا، فقیر سے انہیں بڑی محبت تھی۔ ان کے افکار کا خلاصہ یہ ہے:۔

پرسش حال نے پھر یاد دلائی ان کی
گور میں بھی پس مردن نہ کچھ آرام آیا

اجل تو نے کیا کیسا مجھے شرمندہ قاتل سے
تماشا تھا اسے میرے تڑپنے کی اذیت کا

آشفتہ تیری گور میں تڑپے ہے ساری خلق
ہے بے قرار آمد محشر کو جان کر

تم غیر سے ملے ہیں کسی سے ملا نہیں
سچ ہے کہ بیوفا ہوں میں تم بیوفا نہیں

نہ قتل کا خیال انہیں اور نہ موت کو
قسمت میں کیا خدا مرے مرنا لکھا نہیں

عاشق کو لطف ہے فزوں لطف جور میں
یہ غیر کی سزا ہے ہماری سزا نہیں

جو نامہ بر گیا وہ گیا جان سے وہاں
اب جی میں ہے رقیب کو ہم نامہ بر کریں

گر سنے ناصح کہ دشمن سے بنا ہی کس طرح
ہے یقین تو بھی کہے وہ بیوفا کہنے کو ہیں

آوارہ ہوں آپ پہ جہان کو
میں خضر کی طرح رہنما ہوں

ہے وصل میں بھی فراق کا غم
ظاہر میں ہوں پاس پر جدا ہوں

دیکھیں آشفتہ ہمیں مر کے بھی راحت ہوگی
یا رہیگا یہ غم و درد میری جان کے ساتھ

غش ہوں گے ہم آشفتہ تاب رخ جانان سے
پوچھے گا قیامت میں بے ہوشوں سے کیا کوئی

میرا ہی کیا قصور ہے بیتاب و بے قرار
جز غیر اور کون نہیں تیرے واسطے

ابھی دلربائی کو کیا جانتا ہے
ستم گو وہ بد خو ادا جانتا ہے

ہے جلاد کی سادگی میں بھی شوخی
مرے خون کو رنگ حنا جانتا ہے

۱۵ - آصف تخلص

وزیر الملک نواب یحییٰ خان آصف الدولہ بہادر جن کے اوصاف و سخاوتوں کے افسانے دنیا میں مشہور ہیں اور جن کی بزرگی حد تحریر سے باہر ہے اور جو عمومیت کے ساتھ

احسان کرنے اور بڑی ہمت کرنے میں اپنی نظیر آپ ہیں، گویا فیض حق تعالےٰ کے کثیر مینہ برسانے والے بادل ہیں، ان کا ہاتھ موتی لٹانے والا اور ہتھیلی سونا تقسیم کرنے والی ہے حاجت مندوں کے گھروں کو بے نیازی سے پر کر دیتے ہیں (یعنی بہت سخی ہیں) تیر اندازی میں مہارت تامہ رکھتے تھے، شکار سے ان کو کافی رغبت تھی ؎

شہان را ضرورست مشق شکار
کہ آید پئے صید دل ہا بہ کار!!

ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو زمین پر لا سکتے تھے، یہ بقول ناذکران کے اوصاف کا ہے فن شعر و شاعری سے ان کو الفت تھی، شاعروں کو ان کے مراتب کے لائق انعام واکرام سے نوازتے تھے، چالیس سال کی عمر میں وفات پائی (انّ للّٰہ وانا الیہ راجعون) ان کی طبع لطیف کا نتیجہ یہ اشعار ہیں:۔

ایک دن یار سے یہ میں نے کہا
اب تو ہم طاقت و توان سے گئے
ہنس کے کہنے لگا کہ اے آصف
یہی کہہ کہہ کے لاکھوں جان سے گئے
ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے
پر ہم کو چاہیئے کہ تگ و دو لگی رہے
جاروب کش نے اس کی نہ رہنے دیا مجھے
گرد اں نسیم شکل پر کاہ لے گئی

۱۶ - آفتاب تخلّص

حضرت فردوس مکین ابوالمظفر مجاہدالدین شاہ عالم بادشاہ غازی (نوراللہ برہانہٗ) ان کے حقائق کی روشنی آفتاب کی طرح دنیا کے میدان پر جلوہ فگن ہے اور ان کی بزرگیوں کی شمع

جسم کے لئے ایک چمکدار شعل ہے، جو محتاج بیان نہیں، ۱۹سال سریر آرائے سلطنت رہے آج ان کی وفات کو ۹۰ سال گذر گئے، شعر و سخن اور ارباب سخن سے بہت الفت رکھتے تھے، آپ کی فکر رسا سے یہ چند اشعار منتخب کئے جاتے ہیں:۔

صبح اٹھ جام سے گذرتی ہے
شب دلارام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گذرتی ہے

آئے جو خواب میں بھی وہ یوسف لقا تو پھر
اے آفتاب دولت بیدار سمجھئے

۱۷۔ آفریں تخلص

نام شیخ قلندر بخش، سہارنپور کے رہنے والے تھے، ان کا سلسلۂ نسب امام الائمہ سراج الائمہ ابو حنیفہ کوفی تک پہنچتا ہے، کہتے ہیں کہ صنعتِ شعر سے بخوبی واقف تھے اور رسالہ تحفۃ الصناعت ان کی تصنیف ہے، انہوں نے ہر صنفِ شاعری مثلاً غزل، قصیدہ اور مثنوی میں طبع آزمائی کی ہے، ان کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے:۔

نہ جا چمن میں تو اب آفریں کہ چون غنچہ
لبوں میں اس کے نہاں ہے بہار خندۂ گل

بہت ہیں گرچہ تمہیں اور ناز کرنے کو
بڑے تو ہم بھی نہیں دل نیاز کرنے کو

۱۸۔ آفاق تخلص

میر فرید الدین ابن بہاء الدین کو شاہ سلیمان سے نسبت و وراثت تھی، جو صوفیائے

دہلی میں سے تھے شاہ اللہ خان فراقؔ کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہاتھ کا اس کے خط لکھا لایا
تیرے قاصد میں ہاتھ کے صدقے

۱۹ - آگاہؔ تخلص

میر حسن علی شاہی قصہ گویوں میں سے تھے، نہایت طباع اور ذہین شخص تھے، بہت سے فنون سے بہرہ ور تھے، یہ شعر انہی کا ہے:۔

ہاں تیغ کھینچ اے بت آتش مزاج تو
مرنے پر آج یہ بھی گنہ گار گرم ہے

۲۰ - آگاہؔ تخلص

نور خان نام قوم سے افغان تھے، اس کے علاوہ ان کے بارے میں واقفیت نہیں ہے نمونہ کلام یہ ہے:۔

منہ دیکھو اپنا سیکھو ابھی رسم جاہ کی
باتیں بنا بنا کے نہ کیجئے نباہ کی

۲۱ - آثلؔ تخلص

میر عبد الجلیل نام تھا، دہلی کے عالی رتبہ سادات میں سے تھے، جعفر زٹلی کے شاگرد معنوی ہیں استاد کو بظاہر نہیں دیکھا تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

زلف ہے چہرہ پہ یا جنجال ہے
جنبش ابرو ہے یا بھوونچال ہے

۲۲۔ اثرؔ تخلص

حسین علی خان خلف الصدق مرزا حیدر بیگ خان تورانی کو شیخ امام بخش ناسخؔ سے شرف تلمذ تھا، ان کی ایک غزل جس کے یہ اشعار ہیں بہت مشہور ہے، ان کے علاوہ ان کے دوسرے اشعار سننے میں نہیں آئے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بسکہ وردِ آٹھوں پہر نام اس مہ تابان کا تھا
بن گیا اختر مرے تسبیح کا جو دانہ تھا
سُن کے غل شب تا درِ زندان وہ آ کر پھر گیا
شیونِ زنجیر خوابِ بخت کو افسانہ تھا

۲۳۔ اثرؔ تخلص

سید محمد میر۔ خواجہ میر دردؔ کے چھوٹے بھائی ہیں، چوٹ کھایا ہوا اور زخمی دل رکھتے تھے، اپنے بڑے بھائی کے فدائیوں میں سے تھے، خاندانی اقتضا کے باعث رموزِ دل کے ماہر اور پرہیزگاری کے آثار ان کی جبین حال سے ظاہر تھے، مدت ہوئی وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے ان کا چھوٹا سا دیوان ہے جو ملاحظہ سے گذرا، ان کے بعض خیالات نہایت دردمند، دل پذیر اور دل پسند واقع ہوئے ہیں، ان کی مثنویات بہت مشہور ہیں، کیونکہ ان کا دار و مدار خالص محاورہ پر ہے، اس لئے ان کو عوام بہت پسند کرتے ہیں، یہ چند اشعار ان کے دیوان سے انتخاب کئے گئے:۔

دیکھیں گے اس کی سنگدلی کو ہم اے اثرؔ
گر کوئی نالہ ہم سے سرانجام ہو گیا

اس سنگدل کے دل میں تو نالے نے جانہ کی
کیا فائدہ جو اور کے جی میں اثر کیا

ہو جائیں گے جو راس کے معلوم
داغوں کو مرے شمار کرنا

کیا کہے اثر تو آپ ہی ٹک دیکھ
یوں حال اپنا تباہ کرنا

جی اب کے بچا خدا خدا کر کے
پھر اور بتوں کی چاہ کرنا

لگی رکھی نہ تو نے میرے ساتھ
تیرے نزدیک قصہ پاک ہوا

بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر ہمیں تو اثر کی آس نہیں

مر تو چلے کہاں تلک اب در گذر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

جی میں ہے از سر نو جور تیرے یاد کریں
تو سنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کریں

ہم اسیروں کی اسے چاہئے خاطر داری
اور الٹے نہ کہ ہم خاطرِ صیاد کریں

یہاں تغافل میں اپنا کام ہوا
تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہیں

حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میری جو معتبر ہی نہیں

نہ لگا لے گئے جہان دل کو
آہ لیجاتیے کہاں دل کو

ہر دن فزوں ہیں کج رویاں روزگار کی
کچھ سیکھتا چلا ہے روش میرے یار کی

غرض آئینہ داری دل سے
تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے

اور تو کوئی نہیں دام و قفس دامنگیر
تنگ آیا ہوں فقط دل کی گرفتاری سے

دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا
دشمنی پر تو پیار آتا ہے

آپ ہی نا جل بجھی نہ کچھ اس دل میں راہ کی
اس پر کہیں گے آہ کہ ہم نے بھی آہ کی

کبھی دوستی ہے کبھی دشمنی
تری کون سی بات پر جائیے

مانا اثر کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹے نہ آج یہ شب انتظار کی

تیری عیاریوں کی باتیں اثر
سب سمجھتا ہے گو دوانا ہے

دل ربائی و دلبری تجھ کو
گو کہ آتی ہے پر نہیں آتی

حال پر اپنے مجھ کو آپ اثر
رحم بے اختیار آتا ہے

چھپ چھپ کے دیکھنے کے مزے سب یہ اے اثر
معلوم ہوں گے جو کبھی اس نے نگاہ کی

ہمیں حیرت ہے آپ ہی تجھکو دیویں کیا جواب اس کا
کہ تجھ بن اب تلک کس طرح ہم نے زندگانی کی

آپ میں کہنے لگوں سو ہی کہاں میری مجال
پوچھے تو احوال میرا ایسی کیا تجھ کو پڑی

مہر و کین کچھ تو ہے تحقیق سے کیا کام مجھے
یوں تو ناحق نہیں دے بیٹھے ہیں دشنام مجھے

کب کب تیری گلی میں ہم بے قرار آئے
سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے

تارے تو بٹ گئے شب ہجر
داغ اپنے مگر شمار کیجئے

کب کب آتا ہے اثر کیوں تجھے ننگ آتا ہے
آنکلتا ہے کبھی جی سے جو تنگ آتا ہے

۲۴ - احسان تخلص

لکھنؤ کے رہنے والے اور مرثیہ گوئی میں مشہور ہیں۔ ان کا یہ شعر دستیاب ہوا ہے۔

مجنوں کو اپنی لیلیٰ کا محمل عزیز ہے
دل میں ہمارے تو ہے ہمیں دل عزیز ہے

۲۵ - احسان تخلص

حافظ عبدالرحمٰن خان حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ کے عہد کے شاعروں میں سے ہیں، مرزا ایزد بخش بہادر کی سرکار میں عہدۂ مختاری پر برسوں سرفراز رہے، ان کا شمار اس خطہ کے امراء میں ہوتا ہے، باوجود بوڑھاپے کے اکثر اور بیشتر محفل مشاعرہ میں

شریک ہوتے ہیں، ان کے عاشقانہ اشعار دل پر نشتر کا کام کرتے ہیں، صنعت لفظی مثلاً جناس، طباق اور اشتقاق وغیرہ کا استعمال تاکید کے ساتھ اور کثرت سے کرتے ہیں، راقم کے ساتھ ان کا تعارف ہے، نیک اور با اخلاق شخص ہیں، ان کا دیوان ملاحظہ سے گذرا، اور یہ اشعار اس سے منتخب کئے :۔

دو دن سے میں جدا ہوں اس ہو کر سے احسان
ایک سو طرح کا صدمہ اس درمیان میں دیکھا

کہاں وہ گریہ وہ نالہ وجان ملب رہنا
کسی کا کام ہمیشہ بنا نہیں رہتا

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
وگرنہ یاد تھیں مجھ کو شکایتیں کیا کیا

میں تو اس نوجوان پر غش ہوں
ہائے عالم تری جوانی کا

سخت نادانی کی احسان جو کہا عاشق ہوں
بھید کہتا ہے کسو سے کوئی ناداں دل کا

ہے وہ مرید آبلہ پائے عاشقان
پانی پہ ٹھہرے کیونکہ نہ بستر حباب کا

مرے آتی ہے بس منہ پر آئے تو اب
یہ اپنی چشم پوشی دیکھتا جا

یارو سبھوں کو میرے گریبان کی فکر ہے
ناصح کے منہ کو آکے کوئی نہ سی گیا

یہی مجھ کو رہ رہ کے آتا ہے ارمان
کہ تجھ سے نہ کچھ میرا ارمان نکلا

مجھ پہ نہ پیک یار ہے کچھ خشمگیں ہوا
نامہ بھی وا کیا تو وہ چیں بر جبیں ہوا

اس میں بھی دراندازوں نے سو رخنے نکالے
احسان نے جو اس رخنۂ دیوار کو دیکھا

دامن کوہ کو تکتا ہے بحسرت مجنوں
سنگ باقی نہ رہا دامن طفلاں میں کیا

آخر کو لگے گور کے ہم آہ کنارے
دریائے محبّت کا یہ ساحل نظر آیا

خاک ہو کر بھی رہوں تھا یہ وفا نے چاہا
کیا کروں لیک نہ کمبخت صبا نے چاہا

مینائے بادہ ہاتھ سے یوں میرے لے گیا
خوں محتسب کا آج تو پینا حلال تھا

جو کوئی جان بچا کر تمہارے در سے پھرا
یہ جانتا ہوں میری جان خدا کے گھر سے پھرا

دل آہن سرشت اس کا بنے موم
مدد اے روح عالیشان داؤد

فائدہ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر
ہے نہ یارائے سخن اور نہ یارائے نظر

مجھ کو مت ٹھکراؤ بس چلیے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

دیکھیو میری طرف سچ کہیو اے اختر شناس
کیوں فلک کو تو نے دیکھا میرے اختر دیکھ کر

کوٹھے پہ چڑھا کر تو مری جان سمجھ کر
پریاں نہ اتر آئیں پرستان سمجھ کر

کڑھتا ہے دیکھ کے مجھ کو تو اس طرح ظالم
نہاں زباں پہ ہے الحمد و آشکار دریغ

غم ساتھ ہوا گلے سے تیرے
ایک آئے تھے اور دو گئے ہم

میں تڑپتا ہوں غم عشق بتاں میں احسان
حکما فضل الٰہی خفقان کہتے ہیں

مت گرد گرد پھر تو ہر دم مری دعا کے
ہم کو بھی تیری منت تاثیر کھینچتے ہیں

کہتے ہو کیا رقیب کو بھیجوں بتا صلاح
لعنت ہی بھیجتے گا یزید لعین کو

گردِ دل احسان غم معشوق ہوے صد آفریں
پیر و مرشد واہ یہ بدعت خدا کے گھر کے پاس

احساں میں جس کے نام پہ دیتا ہوں اپنی جان
وہ جانتا نہیں ہے مرا نام اب تلک

میں جو تیرے پینے پہ آؤں تو سبو پی جاؤں
گر عسس منع کرے اس کا لہو پی جاؤں

کسی مہرو کی خاطر ہم کو ایک جھومر بنانا ہے
اگر بیچے فلک عقد ثریا مول لیتے ہیں

خفا مت ہو مجھ کو ٹھکانے بہت ہیں
مرا سر رہے آستانے بہت ہیں

کچھ سانس رکا آئے ہے رہ رہ کے یہ ڈر ہے
قاصد نہ کہیں راہ میں کمبخت رکا ہو

اس سے پوچھے ہے جو احسان وفا پیشہ کبھی
بے وفا کون ہے کہتا ہے وہ عیار کہ تو

حال دل حزین جگر خستگان یہ رحم
میں نے کہا ثواب ہے کہنے لگا گناہ

جنّت میں مجھ کو اس کی گلی سے ہیں لے چلے
کیا جانیئے کہ مجھ سے ہوا آہ کیا گناہ

کوئی فلک زدہ ایسا نہیں زمیں پہ کہیں
دماغ آہ کا اس پر بھی آسمان پر ہے

چین تجھ کو بھی نہ ہو مجھ کو ستانے والے
تو بھی ٹھنڈا نہ رہے جی کے جلانے والے

آشنا کس کے ہیں بے درد ہیں یہ دیدہ و دل
ہیں یہی دیدہ و دانستہ ڈبانے والے

ان کے رونے پہ ہنسی آتی ہے مجھ کو احسان
دوڑے پانی کو ہیں کیا آگ لگانے والے

بیٹھ اے آہ بس خدا نہ کرے
تجھ کو فرصت ہو سر اٹھانے کی

یاد مسجد میں آئے گی احسان
کیفیت اس شراب خانے کی

کچھ اپنی بغل دیکھ کے روتا ہے تو احسان
ہاں اٹھ کے گیا کوئی تو ہے پہلو سے تیرے

بس خاک قدم دیجئے تکرار بہت کی
مٹی مری اس خاک نے بے خوار بہت کی

ہم لائق بندگی نہیں تو
بس خیر ہے بندگی ہماری

ہم جان چکے کہ جان کے ساتھ
جاتے گی یہ جان کنی ہماری

کہتے ہیں لوٹ گیا وہ رہ سے
تقدیر الٹ گئی ہماری

کیا کام کسی سے ہم کو احسان
ہم اور یہ بے کسی ہماری

مجھ کو مت چھیڑو معاذ اللہ میرے لب تلک
نالے گر آئیں تو پھٹ جائیں جگر دو چار کے

اے بخت تو جاگ اور جگا ہم کو کہ پھر ہم
تا حشر نہ جاگیں گے جگائے سے کسو کے

زاہد اسجدے میں یہ دیر مگر بھید ہے اور
گنج قارون پہ حسرت سے نظر کرتا ہے

یہ ستانے سے مرے تجھکو ہے حاصل ظالم
تجھے موذی کہے خلقت مجھے ایذا پہنچے

مرنے کے بعد آن کے کٹوائیں بیڑیاں
آج آپ اپنی کشتی کی منت بڑھا چلے

۲۶ - احسن تخلص

اور یہی نام تھا، آبرو اور ناجی کے ہمعصر تھے، اور انہیں کے رنگ میں غزل کہتے تھے نمونہ یہ ہے :-

نازک بدن پہ اپنے کرتے ہو تم جو غرہ
موسیٰ کمر نے تم کو فرعون سا بنایا

اس شعر کا مضمون جو تحریر کیا گیا من وعن شاہ مبارک آبرو کے کلام میں ملتا ہے مگر چونکہ آخر کا شعر جو سلیقہ کے ساتھ لکھا گیا ہو گا مترجم کی نظر میں نہ تھا اس لئے مجبوراً لکھنا پڑا۔

---

۲۷ - احسن تخلص

مرزا احسن علی، نواب آصف الدولہ مرحوم کے سرکار میں شاعر کی حیثیت سے ملازم تھے، خوش خطی اور خوش بیانی کے لئے مشہور تھے، اور مرزا محمد رفیع سودا کے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے، حالانکہ ابتدائی دور میں انہوں نے میر ضیاء کا بھی عکس قبول کیا، مگر ان کو ذرہ سے خورشید بنانے والے مرزا سودا ہی تھے، نمونہ یہ ہے :-

ٹکڑے اڑ جائیں گے سینے میں جگر کے احسن
تیرے نالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

حسن پر اپنے ہر ایک مہ پارہ گرم لاف تھا
گھر سے وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

اشک گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند
یہ رکھے سنگ سے نسبت وہ جگر سی پیوند

سجدہ گہ ہے خاک احسن اتو ساری خلق کی
جان دی تھی اس نے کس کی حسرت پابوس میں

بزم میں اس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہ ہو

تم تو دل مانگو ہو یہاں جان تلک حاضر ہے
بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے یکفر مانے کی

۲۸ - احسنؔ تخلص

احسن اللہ خان جہاں آبادی، لاہوری دروازہ کے متصل مسجد سرہندی میں رہتے تھے کسی وقت ایک حسینہ کی محراب ابرو کو دیکھ کر سربہ سجود ہو گئے اور محراب و منبر کو چھوڑ چھاڑ کر بجائے خطبہ آہ و فغاں کرنے لگے، بالآخر پند و نصیحت سے اپنی قدیم روش پر آئے اور برہمنی عہد توڑ کر شیخ کی بیعت کی، کمر سے زنّار (جنیو) کھولی اور ہاتھ پہ تسبیح لپیٹی، ان کا یہ شعر نظر سے گزرا اور تحریر کیا گیا :۔

اس کی گلی میں احسنؔ شب چوری چوری جانا
یہ چال ڈھال تیری خانہ خراب کیا ہے

۲۹ - احمدؔ تخلص

شیخ حافظ غلام احمد پنجابی تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

گرچہ ہیں دست اپنے نارسا
اُس کے پاؤں تک رسائی ہو چکی

۳۰ - احمدؔ تخلص

احمد بیگ۔ قزلباشی گروہ سے متعلق اور خوبصورت جوان تھے، فن سپہ گری سے بخوبی واقف اور مرزا ولی عہد کی سرکار میں رسلدار تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

غضب سے ہاتھ میں جب تو نے تیغ کین پکڑی
نہ اٹھ سکا مرے بسمل نے یہ زمین پکڑی

۳۱ - احقر تخلص

مرزا جواد علی، قزلباش میں سے ہیں، لکھنؤ میں پیدا ہوئے، میر حسن صاحب "مثنوی بدر منیر" سے شعر و سخن میں اصلاح لی، سن شعور میں اکثر مزارات کی زیارتوں سے مستفیض ہو کر وطن واپس لوٹے، ان کا یہ مطلع بہت دل پسند ہے:۔

بزم میں اس کے جو شب چاہ کا مذکور چلا
احقر کے محفل سے وہیں وہ بت مغرور چلا

۳۲ - اختر تخلص

ایک گورنر کا خاندان سے ہیں، شعر و شاعری میں ان کی طبیعت بجد راغب تھی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تجھے بھی بہت ہوئی ایسی کہ مر مٹا لیکن
نہ تیرے کوچے سے ہرگز اٹھا قدم میرا

۳۳ - اختر تخلص

میر اکبر علی، سرہند کے شیخ زادوں میں سے ہیں، آتشبازی کی صنعت میں کمال رکھتے ہیں شیخ قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تماشے کی ہے جا مژگان پہ جو لخت جگر نکلا
عجب یہ نخل ہے جس میں کہ شکل لگ ثمر نکلا

۳۴۔ ارماںؔ تخلص

جعفر علی حسرت کے صاحبزادے ہیں جو بلادِ مشرق (پورب) کے مشہور لوگوں میں سے تھے، ان کا نام معلوم نہ ہو سکا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھئے کہ کیا ہو
دو دن نہ چھپ سکی تو چاہت ترا بُرا ہو

تا سرِ بالین اسے آنا قیامت شاق ہے
یہ دلِ بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے

۳۵۔ اسعدؔ تخلص

مرزا اسعد بخت۔ شاہ عالم بادشاہ کے پوتے ہیں، ان کا ایک مقطع سننے میں آیا جو قلم بند کیا جاتا ہے:۔

تو اسعدؔ غضب ہے کہ ہاتھوں سے تیرے
نہ تسبیح ٹھہری نہ زنّار ٹھہرا

۳۶۔ اسدؔ تخلص

میر امانی۔ جہاں آباد دہلی کے رہنے والے تھے، طبیعت میں شگفتگی اور ظرافت تھی، مرزا رفیع سوداؔ کے شاگرد تھے، لکھنؤ کے راستہ میں تباہ کار ڈاکوؤں نے ان کو قتل کر دیا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جوں توں اسدؔ کو لائے تھے اس کی گلی سے ہم
خانہ خراب راہ میں آ کر مچل گیا

بزمِ بتاں ہو جام ہو خلوت ہو پھر تو بس
کافر ہوں گر وہاں میں خدا کا بھی ذکر کروں

اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

پروانے پڑے جلتے ہیں روتی ہے کھڑی شمع
یارب نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی

جس سے کہ دل ملا تھا جب آیا وہ سامنے
ہلنے نہ پائے ہونٹ کہ سو بات ہو گئی

مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسی کی
گو آپ سفارش کرے اللہ کسی کی

۳۷ - اسلامؔ تخلص

شیخ الاسلام سہارنپور کے مضافات میں قصبہ تھانہ کے باشندہ تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ظلم ظالم کا پس مرگ بھی رہتا ہے بجا
ہیں یہ بازوئے عقاب اب جو بنے تیر کے پر

۳۸ - اسیرؔ تخلص

تلمبرار نام نصرانی تھے اور ظفریاب خان کے دوستوں میں، ایک تنومند شخص تھے شاہ نصیر سے شعر و شاعری میں اصلاح لیتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہم اس آئینہ رو کے ہجر میں یوں زیست کرتے ہیں
کہ سکتہ کی سی حالت ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

۳۹ - آسفاںؔ تخلص

غالباً نام بھی یہی ہوگا، مذہباً نصرانی اور فرنگی النسل تھا، اس کی پیدائش ہندوستان میں

ہوتی تھی، نمونہ کلام یہ ہے :-

خط کا یہ جواب آیا جو لکھا کبھی پھر خط
کر ڈالوں گا ایک دم میں ترے آنکے پرزے

۴۰ - اشرف تخلص

محمد اشرف نام، امام الدین ساکن کاندھلہ کے صاحبزادے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

آتش دل سے ہوا ہے مجھے یہ ڈر پیدا
کہ مرے سینہ میں ہووے نہ سمندر پیدا

۴۱ - اصغر تخلص

سید امجد علی اکبر آبادی حکیم محمد میر کے بڑے بھائی تھے، جو حضرت والد ماجد کے معتبر دوستوں میں تھے، بڑے خاندانی تھے، شاہ عبداللہ بغدادیؒ سے خلافت حاصل کر کے نہایت عزت و وقار اور پرہیز گاری کے ساتھ زندگی بسر کی۔ نمونہ فکر یہ ہے :-

ہوا ہوں بسکہ خفا اپنے جینے سے
لگا ہی لوں گا میں اس تیغ زن کو سینے سے

۴۲ - اظہر تخلص

غلام محی الدین نام، فارسی گو شاعر، غلام حسین سروری کے شاگرد تھے اور جہاں آباد کے رہنے والے تھے امیر فرزند علی موزوںؔ سے اصلاح سخن لیتے تھے اور بچوں کو تعلیم دیکر زندگی بسر کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

رکھتی ہے مری جان کو مضطر تپش دل
دکھلائے گی ہنگامۂ محشر تپش دل

۴۳۔ اعظم تخلص

اعظم خان، دہلی کے افغان قوم سے تھے، حریف وظریف شخص تھے، شاہ نصیر سے شاعری سیکھی، اور بالآخر اس فن کو ترک کرکے حصول علم میں مشغول ہو گئے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اسی مضمون سے معلوم اس کی سردمہری ہے
جو اس نے مجھ کو نامہ کاغذ کشمیر پر لکھا
درد دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم
شمع آسا نبض زیر استخواں رکھتے ہیں ہم

۴۴۔ افسوس تخلص

میر شیر علی فرزند میر علی مظفر خان، عالی جاہ نواب قاسم خان کے توپ خانہ کے داروغہ اور نارنول کے رہنے والے تھے، ان کا سلسلہ نسب امام عالی مقام حضرت جعفر صادقؑ تک پہنچتا ہے، مشہور شاعروں میں سے ہیں، میر حیدر علی حیرانؔ کے فیضانِ خدمت سے اصلاح کلام میں مصروف ہوئے، ابتدا میں مرزا جواں بخت بہادر مرحوم کی سرکار سے متعلق تھے بعد میں کلکتہ میں سرکار انگریزی میں ملازم ہو گئے، اور فارسی کتب کا اردو زبان میں ترجمہ کرنے پر مامور ہوئے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا
کیا لکھوں اس کو میں احوال یہ کہنا قاصد
بے حواسی کے سبب طاقت تحریر نہیں
دیکھتے ہی اسے حاضر ہوئے مرجانے کو
وہی اشخاص جو یاں آئے تھے سمجھانے کو
کیوں نہ ہو اس قدر گھمنڈ اس بت پر غرور کو
صبر کسی طرح نہیں اس دل ناصبور کو

اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی تو
دیکھیے آگے آگے کیا ہووے
صورت تجھے حق نے دی پری سی
پر آدمیت بھی دی ذری سی
کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

۴۵ - افسر تخلص

غلام اشرف نام، ان کے باپ بادشاہی گادخانہ کے افسر تھے، غلام ہمدانی مصحفی کے شاگردوں میں سے تھے، ان کا اکثر کلام مراقی پر مشتمل ہے، جس کا نمونہ یہ ہے:-

جب دیکھے ہے مہ داغ سیہ اپنی جبیں پر
آتا ہے اسے رشک ترے روئے حسین پر

۴۶ - اکبر تخلص

اکبر خان، راقم الحروف کے چھوٹے بھائی ہیں، بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں، بہت کم عمر ہوا کہ شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے، حکیم مومن خاں مومن سے استفادہ کرتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

سوچئے حضرت ناصح کوئی تدبیر وصال
حیف چارہ نہ کرے آپ سا دانا دل کا

خانۂ غیر میں گر لگنے لگا جی تیرا
ہم کو بھی اور سے آتا ہے لگانا دل کا

ہوا نہ شوق سے اس کوچے میں گذر اپنا
ہمیشہ پیچھے رہا ہم سے راہبر اپنا

جنون عشق کا درماں نہ ہو کسی سے کبھی
کہو علاج کرے جا کے چارہ گر اپنا

دیا نہ رنج ستم سوز دل سے کام لیا
یہ خاک ہونے کا احسان ہی چرخ پر اپنا

عدو کے ذکر سے واں ہوش جائیں یاں موت آئے
مزاج ان سے بھی نازک ہے کس قدر اپنا

قتل کر لاشۂ اکبر کو چھپایا گھر میں
بارے اس نے مجھے جانے نہ دیا اور کہیں

ہوں صید دام دیدہ میں صیاد در گذر
غفلت میں وہم ہے کہ فریب کمیں نہ ہو

دوش ملک پہ دیکھ کے نعش شہید عشق
حوروں کو یہ گماں ہے کہ عرش بریں نہ ہو

اکبر تباہ دیکھ کے دشمن کو ہنس دیا
اس بے وفا کو مجھ سے محبت کہیں نہ ہو

کون رویا ہے تیرے کوچے میں رات
کیوں سفیدی اڑ گئی دیوار کی

ہم تو یہیں رہے جو خفا ہو تو خوش رہو
آئے نہ کئے طلب سے کہ رخصت کیا چلے

۴۷ - الہام تخلص

شیخ شرف الدین المعروف شاہ ملول، لکھنو کے رہنے والے اور آزاد مرد ہیں، درویشی کے باعث باعزت طریقہ پر زندگی بسر کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ان کا شمار اساتذہ میں

ہوتا ہے، فارسی میں بھی فکر سخن کرتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے:-

اری بے کسی تیرے قربان ہوں
بُرے وقت میں ایک تو رہ گئی
نگہ وہ دشنہ کہ طعنہ کٹار پر مارے
مژہ وہ تیر کہ خنجر کو دھار پر مارے

۴۸۔ الم تخلص

محمد علی شیخ ابراہیم ذوق کے شاگردوں میں سے ہیں، ان کا ایک بدیہی مقطع بہ سبیل تذکرہ سنا گیا جو پسند ہونے کی بنا پر اس تذکرہ میں درج کیا گیا:-

نہ تھا تحمل اگر اس کے ناز کا تو پھر
الم فریفتہ کیوں ایسی نازنیں کے ہوئے

۴۹۔ الفت تخلص

قصبہ مظفر نگر کے باشندہ ہیں، مزید حالات معلوم نہ ہو سکے، ان کا ایک شعر نظر سے گذرا کیفیت سے خالی نہ تھا اس لئے تحریر کیا گیا:-

ہمیشہ کہتے تھے الفت کو لوگ زشت نصیب
سو آج کوچے میں تیرے ہوا بہشت نصیب

۵۰۔ الفت تخلص

منگل سین عظیم آباد کے کائستھوں میں سے تھے۔ دہلی آئے، اصلاح سخن قلندر بخش جرأت سے کی، جو کچھ بسر قلم آتا تھا لکھ دیتے تھے، خوش مزاج شخص تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

ہر قدم پر یاں تلک آنے میں سو سو ناز تھے
کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

۵۱ - امیر تخلّص

امیر الدولہ ناصر جنگ المعروف مرزا مینڈھو پور۔ نواب شجاع الدولہ کے وزیر اور آصف الدولہ مرحوم کے چھوٹے بھائی تھے، پیش گاہ خلافت سے میر آتشی کے عہدہ پر مامور تھے، غلام قادر خاں کے فتنہ سے قبل جہاں آباد میں اپنے محل میں مشاعرہ منعقد کرتے تھے اور اختتام پر حاضرین کے سامنے دستر خوان بچھاتے اور طرح طرح کے کھانے پیش کرتے تھے، ان کے خیالات نازک کا نمونہ یہ ہے:-

یاس و غم و آرزو جمع یہ سب چیز ہے
بلبلے ترا حوصلہ دل بھی عجب چیز ہے

۵۲ - امیر تخلّص

نواب علی محمد خان، بمقتدر افغان قوم سے تھے اور قیام الدین علی قائم کے شاگرد تھے، اکثر اہل سخن کو الطاف و اکرام سے نوازتے تھے، محفلِ مشاعرہ منعقد کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

اس شکار انداز سے لگ کر کوئی چھٹتی ہی آنکھ
کیوں نہ ہو سیئے قفا منہ وقت رم نخچیر کا
بس میں آیا جو تمہارے اسے چاہو سو کرو
کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے
تیرے گھر جانے سے بس اپنا تو گھر جاتا ہے
اے میری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے

ہائے سرخی ترے رخسار کی ہنگام عتاب
جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے

۵۳- امیر تخلص

امیر اللہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے، نہایت قابل اور منکسر المزاج تھے، فن رمل میں نہایت مناسب دستگاہ رکھتے تھے، شاہ نصیر کے شاگرد تھے، گاہے گاہے راقم کے ساتھ ماحضر تناول فرماتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

اس تشنہ گلو پہ ہے پھر ادیکھ تو قاتل
بے آب ترا خنجر بُرّاں نہ ہوا ہو ؎

۵۴- امین تخلص

خواجہ امین الدین، عظیم آباد کے باشندہ تھے، اپنی شادی مرشد آباد میں کر کے ایک بڑی غلطی کے مرتکب ہوتے، ایک قانع اور صحیح الفکر انسان تھے، آپ کی نتائج فکر کا نمونہ یہ ہے :-

خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا
مہ چادر مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا

ہم کو کیا گر بہار آتی ہے
دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا ؎

ڈر سے ترے نالہ بھی نکلتا نہیں لب سے
ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر ہوا یہ ؎

مرتے ہیں ہم تو اس کے لب آبدار پر
گر آب زندگی ہو تو مارے ہیں دھار پر

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو
اتنا خفا ہو کس لئے اس خاکسار پر

یہ نہیں جوہر نمایاں تیغ تیز یار پر
کھد رہا ہے نام مقتولوں کا اس تلوار پر

دل خیال زلف میں بے خواب بے آرام ہے
رات ہوتی ہے اپنی بھاری ہر ایک بیمار پر

دل تو کیا ہے کہیں جو آئے یار
جان آگے نکال رکھتے ہیں

مجھے بے چین رکھتا ہے دل افگار پہلو میں
وہ سوئے کس طرح جس کے رہے بیمار پہلو میں

ہم آنے کو مانع نہیں غیر کے
پر اتنا ہے خلوت میں ہر دم نہ ہو

اپنی کی صدا آ رہی ہے یہی
الٰہی یہ خون جگر کم نہ ہو

جلوہ ترے حسن کا کہاں ہے
یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہے خواری میں کٹی

صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہجر کی جب رات ایسی بیقراری میں کٹی

کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھ کو
ایک یوسف سو تیرا ثانی ہے

۵۵۔ امین تخلّص

امین الدّین خاں نام، قاضی وحید الدّین خاں کے بیٹے تھے، مصالحت پسند، گزیدہ اطوار شخص تھے، نجیب الدولہ نواب خاں مغفور کے عہد میں ان کے والد دہلی کے منصب قضاۃ پر سرفراز تھے۔ کہتے ہیں کہ نہایت پسندیدہ اشعار کہتے تھے، ہمیں ان سے جو حاصل ہوا ہے یہ شعر ہے جو انہوں نے روحانی رہنما کی شان میں کہا ہے:۔

کون آتا ہے یہ کس کے پاؤں کی آواز ہے
ہر صدائے پا میں جس کے سوز کا ناز ہے

۵۶۔ امین تخلّص

محمد اسماعیل شروع میں وحشی تخلّص کرتے تھے، اس تبدیلی تخلّص کی وجہ معلوم نہ ہو سکی زیبا رخ اور شریف النسب الشان تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

اپنی تو وہی عید ہے جس روز کہ ہمدم
گھر نظر آجائے لب بام کسی کا

۵۷۔ امین تخلّص

میر محمد امین۔ بنارس کے رہنے والے اور پاک نژاد سیّد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جی سے کہہ دو کہ آہ سرد کے ساتھ
ٹھنڈے ٹھنڈے چلے تو چل نکلے

۵۸۔ امانی تخلّص

میر امانی، شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے خواجہ آثمی کے صاحبزادے اور مذہباً اثنا عشری تھے ۱۱۷۰ھ میں وفات ہوئی۔ یہ اشعار آپ کی فکر کا نتیجہ ہیں:۔

گھیرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے جی کا
اے نالۂ دل وقت ہے فریاد رسی کا

سینے میں جدھر رہ ہو ترا پھونکدے اے آہ
ٹک دل سے خبردار کہ یہ گھر ہے کسی کا

اثر ہو سنگ میں کیا کیونکر ان کو رام کریں
بتوں کے دل ہو تو یارب یہ آہیں کام کریں

نامہ بر کہیو زبانی کہ تڑپتے تجھ بن
شمع شب دیکھ مجھے صبح تلک روتی تھی

۵۹ - اماؔنی تخلص

یہ بھی شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے، ان کا یہ شعر نظر سے گزرا اور درج کیا گیا:۔

کس کے یہ خار مژگان دل میں کھٹک رہے ہیں
جو چشم سے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں

۶۰ - امجؔد تخلص

مولوی امجد، مولوی ارشد کے بڑے صاحبزادے اور قناعت شعار انسان تھے، ان کے صاحبزادے مولوی عبدالرحمٰن خاکسار کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ نمونہ یہ ہے:۔

جس گھڑی آپ کو دیکھوں ہوں میں جوں قطرۂ اشک
اپنی نظروں سے بھی امجؔد میں گرا جاتا ہوں

۶۱ - اُمّیؔ تخلص

روشن بیگ نام جمید الدولہ کے چھوٹے بھائی تھے، جو ولی عہد کی سرکار کے منصرم تھے

شاہ نصیر کے شاگرد تھے اور بے علم نوجوان تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

جہاں زنجیر ہم سنتے ہیں منگوا مول لیتے ہیں
تیری زلفوں کے سودے میں یہ سودا مول لیتے ہیں
جی دھڑکتا تھا کہ پہنچی ہیں نہ آجائے لچک
ہاتھ سے چھوڑ دیا میں نے ترا جان کے ہاتھ

۶۲۔ امانت تخلص

امانت رائے نام، جہاں آباد محلہ دریبہ میں رہتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

تشریف یاں نہ لاؤ پر نامہ بر تو بھیجو
مت لو خبر ہماری اپنی خبر تو بھیجو

۶۳۔ انور تخلص

ولی محمد خاں، مشائخ زادوں میں سے تھے، ان کے بزرگ عدالت شاہی کے داروغہ تھے، فارسی ترکیب میں ریختہ گوئی کرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

ایسی جان بخش ہوا موسم گل کی آئی
قصد پرواز میں ہیں بلبل تصویر کے پر
ہوا اشک خونیں بہار گریباں
رگ گل بنے تار تار گریباں

۶۴۔ انتظار تخلص

ان کا نام خاکسار کو معلوم نہ ہو سکا، فغاں اور آبرو کے ہم عصر تھے۔
نمونہ کلام یہ ہے:۔

جو نہیں بہارگل کی قفس میں خبر گئی
بلبل یہ سن کے ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی
کنج قفس میں جا کے بناتا ہوں آشیاں
سیرِ چمن کی دل سے ہوس اس قدر گئی

۶۵ - انیسؔ تخلص

امیر الدولہ نوازش خان، میر نظام الدین ممنونؔ کے شاگرد تھے اور شاہ نواز خان کے ہمشیر زادے جو حضرت شاہ عالم بادشاہ کے زمانۂ سلطنت میں مختاری کے عہدہ پر سرفراز تھے، یہ خود بھی اس منصب جلیلہ پر فائز رہے اور راقم کے ساتھ ان کی شناسائی تھی۔ لیکن کبھی شعر و سخن کا ذکر نہیں آیا، خاکسار کے خیال میں اب ان کو اس فن سے لگاؤ نہیں ہے، ان کے دو تین اشعار تذکرہ میں نظر آئے جو تحریر کئے جاتے ہیں:۔

پر کالۂ آفت تھا وہ رخسار انیسؔ آہ
چہرہ جو غضبناک ہوا اور بھی چمکا تو
کشتی سے اپنی چرخ خبردار رہ کہ آج
رکتے سرشک دیدۂ طوفاں فشاں نہیں

۶۶ - انجامؔ تخلص

عمدۃ الملک نواب امیر خاں، ان کا نسبی سلسلہ میر میران نعمت اللہی تک پہنچتا ہے، جن کی سلاطین صفویہ سے قرابت تھی۔ محمد شاہ کے زمانہ کے امیروں میں سے تھے، تاریخ ان کی بزرگی کی شاہد ہے اور زبان زد عام ہے، راقم ان میں کیا اضافہ کرے، ان کی طبع لطیف کا نمونہ یہ ہے:۔

ساتھ اپنے سر کے تھا انجامؔ پاس تمکنت
شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر جلاد ہم

نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

۶۷- انشاء تخلص

نام میر انشاء اللہ خان۔ حکیم میر ماشاء اللہ خاں المتخلص مصدرؔ کے بیٹے اور نجفی الاصل تھے۔ مرشد آباد میں پیدا ہوئے، وزیر ملک نواب سعادت علی خاں بہادر کے مقرب ملازمین میں سے تھے علوم مروجہ میں مہارت تھی اور ہر فن میں "لمن الملک" کا نقارہ بہ آواز بلند بجاتے تھے، اعتراضات اور طعنوں سے اپنے ہمعصر سخنوروں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا، ایک دیوان ان کی یادگار ہے جو مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے، مگر کسی صنف میں راسخ شعراء کے طریقہ پر نہیں کہا، البتہ ان کی شوخی طبع اور جودت ذہن میں کوئی کلام نہیں، ان کو مرے ہوئے بیس سال ہو گئے، ان کا دیوان راقم کی نظر سے گذرا، ان کے یہ اشعار انتخاب کئے گئے، پہلا شعر راقم کو بہت پسند آیا۔

اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے
واسطے دودن کے عرش کبریائی مانگتا

جس وقت وہ یوسف سے ہم آغوش تھی اسوقت
سنتے ہی ترا نام زلیخا کو غش آیا،

چلے تھے حرم کو رہ میں ہوئے ایک صنم پہ عاشق
نہ ہوا ثواب حاصل یہ لیا عذاب الٹا

آب خو سے برف کے انشا کو بھیجی آپ نے
اس کے یہ معنی کہ لو نقشہ تمہارا جم گیا

گرچہ مے پینے سے کی توبہ ہے میں نے ساقی
بھول جاتا ہوں ولے تیری مدارات کے وقت

امرد ہوئے ہیں اس کے خریدار چار پانچ
دے اور ایسے حق مجھے اغیار چار پانچ

گلبرگ تر سمجھ کے لگا بیٹھی ایک چونچ
بلبل ہمارے زخم جگر کے کھرنڈ پر

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازے سے باہر
شوخی میں دھرو پاؤں نہ اندازے سے باہر

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہوں لعنت کریں شیطان پر

کہہ تو اے چرخ بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

گر یار مے پلائے تو کیوں کر نہ پیجئے
زاہد نہیں ہیں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

دل کو لے بھاگے کدھر ہاتھ سے تیرے انشاؔ
کوئی کھڑکی بھی تو اس گنبد بے در میں نہیں

چھیڑنے کا تو مزا تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو

ہو جو انشاؔ کو اجازت تو بھرے پھر نالہ
کبھی بلبل کے فرشتوں کو بھی جو یاد نہ ہو

بولے وہ اپنے سرو خراماں کو تاڑ باندھ
گر قصد بوسہ ہووے تو گرداس کے پاڑ باندھ

چند مدت کو فراق صنم دیر تو ہے
چلو پھر کعبہ ہی ہو آئیں بھلا سیر تو ہے

غیر کے ایک اشارے پر اٹھ گئے میرے پاس سے
تس پہ یہ مجھ سے پوچھنا بیٹھے ہو کیوں اداس سے

سچ یہ آفت تری یہ دھج یہ خوش اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے

غصہ میں ترے ہم نے بڑا لطف اٹھایا
اب تو عمداً اور بھی تقصیر کریں گے

گالیاں سیکڑوں دیں پاؤں جو داب ہم نے
محنتیں خوب سی کیں خوب سے انعام لئے

گر ناز نین کے کہنے سے مانا برا ہو کچھ
میری طرف کو دیکھیو میں نازنیں سہی

کی میں نے شب جو سہواً تعریف چاندنی کی
میری طرف سے اپنے وہ منہ کو موڑ بیٹھے

صاحب کے ہر نہ ین سے ہر ایک کو گلہ ہے
میں جو نباہتا ہوں میرا ہی حوصلہ ہے

دیں گالیاں ہزاروں سن مطلع اس غزل کا
کہنے لگا کہ انشاء اس کا یہی صلہ ہے

رونے سے اپنے دل کی تپش گرد ہو گئی
دو چار بوندیوں میں ہوا سرد ہو گئی

---

۶۸ ۔ اُویسی تخلص

شاہ محی الدین، بریلی کے شیخ زادوں میں سے تھے، جو دکن چلے گئے تھے۔
نمونہ کلام یہ ہے :-

باغ میں گلعذار ہو فصلِ بہار ہو نہ ہو
میں ہوں غزل سرا وہاں بلبلِ زار ہو نہ ہو

۶۹۔ اوباش تخلّص

شیخ امیر الزمان، لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے تھے، غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے، ان کا یہ شعر دستیاب ہوا:۔

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے سو وہ درد و غم میں پھنسا گئے
ہمیں جن سے چشمِ امید تھی وہی آنکھ ہم سے چُرا گئے

۷۰۔ ایمان تخلّص

شیر محمد خان حیدر آباد کے رہنے والے تھے، کہتے ہیں کہ اس جگہ استادی کا عَلم بلند کئے ہوئے تھے، نمونہ یہ ہے:۔

روا ہے کون سے مشرب میں یہ اے عشقِ نامنصف
دلِ پرویز خوش ہو خاطرِ فرہاد محزوں ہو
ٹپک پڑتا ہے خونِ دل مری ایمانؔ آنکھوں سے
مئے گلگوں کا جس دم بزم میں ساغر چھلکتا ہے

(ب)

۷۱۔ بحر تخلّص

ان کا حال معلوم نہیں ہے، نمونۂ کلام یہ ہے:۔
مانندِ اشک دامنِ دولت نہ چھوڑیں گے
آنکھوں سے تم نے ہم کو گرایا تو کیا ہوا

سوزِ لیتیں اٹھا کے ہم آخر سمجھ گئے
تم نے نہ اپنا بھید بتایا تو کیا ہوا
اس گل کی آرزو نہ گئی ہے نہ جائے گی
داغوں سے دل کو باغ بنایا تو کیا ہوا

۷۲ - برشتہ تخلص

مشرف نام، بھورے خاں آشفتہ کے شاگرد ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

رشتہ توڑا برشتہ الفت کا
دیکھ اس نے شکستہ حال ہمیں

۷۳ - برکت تخلص

برکت اللہ خاں نام، کوتانہ کے رہنے والے تھے، کہتے ہیں کہ فارسی میں کلام کہتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

جلا یاں تک تپ غم سے دل غمناک سینے میں
اگر ڈھونڈے کوئی دل کو تو پاوے خاک سینے میں

۷۴ - برکت تخلص

برکت علی خاں خیر آباد کے باشندے تھے، نصیر الدولہ جنرل اختر لونی ناظم دہلی کے مقرب ملازم ہونے کے باعث دہلی کے مرجع اور جائے بازگشت بنے ہوتے تھے، کچھ عرصہ راجہ پٹیالہ کے یہاں عہدہ مختاری پر خاطر خواہ عزت کے ساتھ سرفراز رہے، الغرض ان کی تمام عمر اختر کیوان سے وابستہ رہی یعنی مرفع حالی میں گزری، بالآخر گردش فلک کے باعث اس وقت جبکہ وطن میں گزار رہے تھے، ان کی عمر کا ستارہ حرکت میں آیا، آج ان کی سال

وفات کو کافی عرصہ گزر چکا ہے، عطارد کی طرح صاحب عقل و ہمت تھے، شعر و سخن سے بہت شوق تھا، اور اچھا کہتے تھے، محفل مشاعرہ بھی منعقد کرتے تھے، ان کی فکر کا خلاصہ یہ ہے:

اشکوں کو بہا دیدۂ گریاں سمجھ کر
گھبرائے نہ عالم کہیں طوفان سمجھ کر

موسم گل ہے قفس ہی میں نہ ہو جان ہوا
مت نسیم سحری مرغ گرفتار سے مل

پہنچے آسیب نہ اس کو کہیں دلگیر نہ ہو
نالۂ شب میں الٰہی مرے تاثیر نہ ہو

دل بیتاب کسی طرح سے ٹھہرائے کوئی
مجھے سمجھائے کوئی یا اسے سمجھائے کوئی

غم اٹھانا مرے اس دل کا ٹھکانے لگ جائے
ایک دم کے بھی لئے پاس جو بٹھلائے کوئی

مٹی نہ سوزش دل اشک کے بہلنے سے
یہ آگ وہ ہے کہ بجھتی نہیں بجھانے سے

مجھ کو رکا رکا سا جو پایا تو یوں کہا
پالے خدا نہ ڈالے کسی بدگمان سے

خط کے نمود چہرہ پہ معلوم ہو گئے
قاصد نے جب کہا کہ یہ خط کی رسید ہے

تصور میں ترے اگر کوئی چھیڑے ہے تو کہتا ہوں
ذرا دم لو کوئی آیا ہوا جاتا ہے قابو سے

۷۵۔ پروانہ تخلص

محمد بیگ نام، خیرآباد کے شاعروں میں سے تھے، ان کا ایک مطلع دیکھا جو قلم بند کیا گیا:۔

قتل کر عاں حسرت کسو کی قسم
تجھے قاتل میرے لہو کی قسم

۷۶ - پروانہ تخلص

راجہ جسونت سنگھ، راجہ بینی بہادر کے بیٹے تھے، جو وزیر الممالک شجاع الدولہ کے معتمد ارکین میں سے تھے، ہنس مکھ، خوش مزاج اور زیبا رو تھے، ایک عالم ان کا گرویدہ تھا، ان کو سرب سنگھ دیوانہ کے شاگردوں میں کہا جاتا ہے، ان کے افکار کا نمونہ یہ ہے :۔

نسیم آہ نے شاید کسی کی تاثیر
شگفتگی سی تیرے غنچۂ دہان پہ ہے

۷۷ - بزاز تخلص

حسین بخش اکبر آبادکے بزازوں میں سے تھے، ان کی فکر کا نمونہ یہ ہے :۔

کہا ہوں جس سے میں ان کو بلا لا وہ یہ کہتا ہے
تجھے ناحق ہو دوڑاتے نہ آئیں گے نہ جائیں گے

۷۸ - بسمل تخلص

سید جبار علی، چنارگڈھ کے رہنے والے اور سلیم الطبع شخص تھے، راجہ بنارس کی سرکار سے متعلق تھے، ان کے خیالات یہ ہیں :۔

یاد آگئی مشت خاک اپنی
اڑتے جو کہیں غبار دیکھا
دل خس و خاشاک کی صورت اٹکتا ہی رہا
گو سدا دامن کو اپنے وہ جھٹکتا ہی رہا

ہر دم مجھے نیاز اُسے ناز ہی رہا
انجام کارِ عشق کا آغاز ہی رہا
تیری ہی یاد ذکر تباہی ہر آن ہے
گویا کہ اس لئے مرے منہ میں زبان ہے

۷۹۔ بشیر تخلّص

میر بشارت علی، دہلی کے باشندے تھے، لکھنؤ چلے گئے تھے، واپسی کے وقت راستے میں وفات پائی، میر نظام الدین ممنونؔ کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دل بیتاب پہ ہم ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
دیکھتے ہیں تجھے حسرت بھرے بیٹھے ہیں
یارب نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی
وابستہ ہے واں خاطر دلگیر کسی کی

۸۰۔ بقاؔ تخلّص

شیخ محمد بقاء اللہ، حافظ لطف اللہ خوش نویس کے صاحبزادے تھے اور اکبر آباد کے باشندے تھے، ولادت لکھنؤ میں ہوئی، طبیعت میں ظرافت تھی، بلکہ ظرافت سے تجاوز کرکے ہجو تک پہنچ گئی تھی، میرؔ اور سوداؔ کے شریک تھے، اور اکثر ان کے حریف ہو کر بہت ہی ہجویں کہیں نظم گوئی میں شگفتگی اور رنگینی ہے، انداز کلام پر لطف و شیریں ہے، قند پارسی سے بھی کبھی کبھی زبان اردو کو حلاوت آگین کر لیتے تھے، ان کو فارسی میں مرزا فاخر مکینؔ، ریختہ میں شاہ حاتمؔ اور خواجہ میر دردؔ (عفر اللہ لہما) کا شاگرد لکھا گیا ہے، یہ شکر پارے ان کی قلم کے ہیں:۔

دست ناصح جو میری جیب کو یک بار لگا
پھاڑوں ایسا کہ پھر اس میں نہ رہی تار لگا

یار کو پہنچی خبر نالہ تنہائی کی
مدعی کون کھڑا تھا نہیں دیوار لگا

آہیں افلاک میں مل جاتی ہیں
محنتیں خاک میں مل جاتی ہیں

ساقی کو دو نوید بہار آئی باغ میں
سودے نے پھر خلل سا کیا ہی دماغ میں

دیکھ آئینہ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں
اس کا میں چاہنے والا ہوں بقاؔ واہ رے میں

اے عشق تو ہر چند مرا دشمن جان ہو
مرنے کا نہیں نام کا میں اپنے بقاؔ ہوں

تو نے اس طرح سے اے چرخ گرایا ہم کو
کہ موئے پر بھی کسی نے نہ اٹھایا ہم کو

گر قتل کیا بقاؔ کو خوبان
اس بات کو منہ سے مت نکالو

پنہاں ہے بھلا ہے خون عاشق
جانے دو اب اس پر خاک ڈالو

رخ اس کا صفائی تیرے تلوے کی نہ پائے
خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھائے

آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی
طفل اشک آن چھپے دامن مژگان کے تلے

عشق میں تو ہے کبریائی کی
عاشقی جس نے کی خدائی کی

دل سے نکلے کہیں پابوسی قاتل کی ہوس
کاش وہ خوں کو مرے رنگ حنائی جانے

یاد میں تڑپے ہے دل اس ابروئے خمدار کی
آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اس بیمار کی

کیا خط تجھے لکھئے حرکت ہاتھ سے گم ہے
خامہ بھی میرے ہاتھ میں انگشت ششم ہے

۸۱ - بہادر تخلص

راجہ بینی بہادر صوبہ بہار کے راجاؤں میں سے تھے، یہ جسونت سنگھ پروانہ کے والد تھے، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

سیاہی مہ کی گئی دل کی آرزو نہ گئی
ہمارے جامہ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی

۸۲ - بیتاب تخلص

شاگردان حاتم میں سے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

بیتاب بھی کیا جاں کھائے وائے
ہو خانہ خراب اس اجل کا

۸۳ - بیتاب تخلص

خداوردیخاں، سعادت یار خاں رنگین کے چھوٹے بھائی تھے، میر نظام الدین ممنون سے اصلاح سخن لیتے تھے، نمونہ یہ ہے :

مجھ سے وہ ہر دم کہے ہے اپنا خنجر دیکھ کر
قتل کیجے تجھ کو جی چاہے ہے اکثر دیکھ کر

۸۴ - بتیاب تخلص

سیوک رام نام کا ایک شخص میدان شاعری میں آیا، اس کے علاوہ مجھے ان کا حال معلوم نہیں، اس کا ایک شعر تذکرہ میں نظر آیا جو درج کیا گیا۔

محبّت کی کبھی کچھ ہوتی ہیں کیا اے ہمنشیں راہیں
کہ خوباں یوں ہمیں دکھ دیں ہم ان کو اس طرح چاہیں

۸۵ - بتیاب تخلص

ان کے نام سے واقفیت نہیں، البتہ متقدمین میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

گل رخوں کے گلے میں اے بتیاب
خاک پا ہے گلال کی مانند

۸۶ - بتیاب تخلص

نام عباس علی خاں ولد نواب عبدالعلی خاں ولد نواب غلام محمد خاں ولد نواب فیض اللہ خاں والئ رام پور، حسین و جمیل اور مہذّب و پاک طینت شخص تھے، ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا، مدت تک لکھنؤ رہے، چند سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا، وہ اس مبارک سرزمین کے لئے باعث زینت تھے، خان والاشان حکیم مومن خاں کے شاگردوں میں سے تھے۔
یہ اشعار انہیں کے ہیں:-

بھا گیا اپنے زبس قتل کا ایما ہم کو
بعد مردن بھی ہے مرنے کی تمنّا ہم کو
داد سے روز جزا کی بھی رہوں گا محروم
یہ نظر آئے ہے طول شب ہجراں مجھ کو
پیدا ہوا رقیب کا غم دل میں ان دنوں
بتیاب غم بھی کھانے میں اب کچھ مزا نہیں

آخر فریب کھا کے کیا اس نے مجھ کو قتل
میں نے کہا تھا تم سے اٹھائیں گے مر کے ہاتھ
سحر نہ دیکھنی ہم کو نصیب ہو یارب
شب وصال بھی اپنی یہی دعا ہوگی
اب کوئی کہاں جائے کہ گھر ہے یہی کثرت
دیوانے ترے دشت کو آباد کریں گے

۸۷۔ بیباک تخلص

نام میر نجف علی، عربی النسل ہیں، قصبہ کول میں متولد ہوئے امام عالی مقام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد سے اور مصحفی کے شاگردوں میں سے ہیں، طب میں مہارت حاصل کر کے دہلی تشریف لائے نمونہ کلام یہ ہے:۔

ایک دن ہو تو کوئی صبر کرے
روز کے انتظار نے مارا
مجلس میں اسکی ہم نے تہمت کیسے ڈر کے مارے
سو سو جگہ سے اٹھ کے اپنا مکان بدلا
داد خواہوں سے گھر گئے رستے
اس کا جس کوچے سے گذارا ہوا
صیاد یہ ہوس ہے دل داغدار میں
گل پوش کر قفس کو میرے نو بہار میں

۸۸۔ بیجان تخلص

نام شیو سنگھ، دہلی کے رمّال ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آسمان گر پڑیں گے ٹوٹ کے ٹکڑے ہو کر
جب کہیں آہ ہماری میں اثر ہووے گا

۸۹ - بیخود تخلص

نام نرائن داس، دہلی کے ہندوی نویس ہندو تھے، خواجہ میر درد سے حق تلمذ تھا، نمونہ کلام یہ ہے:-

مے گلگوں کو چشم کم سے تو مت دیکھ اے زاہد
بنایا ہے یہ اعجاز مغاں نے آب آتش کا

۹۰ - بیخواب تخلص

مزید معلومات نہیں، البتہ شاعر ضرور تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

مدعا تجھکو یاں نہ آنا تھا
روٹھنے کا بھی ایک بہانا تھا

91 - بیدار تخلص

نام میر مہدی، دہلی میں پیدا ہوئے، مدت سے عرب سرائے جو جہاں آباد کے جنوب میں واقع ہے مقیم تھے، بعد میں اکبر آباد جا کر سکونت اختیار کی، اور وہیں روح پاک نے جسم عنصری کو خیر باد کہا، ان کو مرتضیٰ قلی بیگ فراق کے شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے، مولانا فخر الدین سے فیض باطنی حاصل کر کے خرقہ خلافت زیب تن کیا، صحیح النسب تھے، کہنہ مشق شاعر تھے۔ شعر و سخن میں ان کو کافی مہارت حاصل تھی، صاحب دیوان ہیں ان کے یہ اشعار قابل توجہ ہیں۔

ناتوانی سے مری دیکھیو اے دست جنوں
رہ گیا ہو نہ کوئی تار گریباں میں چھپا

بھرا نہ مثلِ نگین زخم یہ مرے دل کا
کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا

بیمارِ راہِ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا

کرتا ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا کرتا

ترے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار
گل جدا سرو جدا نرگسِ بیمار جدا

ہو گیا گرتے ہی تیری چشمِ تر دامن کے پار
اشک تھا بیدار یہ یا آگ کا پرکالہ تھا

عکس اس کا پڑا جو دریا میں
آب حیرت زدہ ہو بہہ نہ سکا

واہ واہ اے دلبر کج فہم یونہی چاہئے
ہم سے ہونا آشنا غیروں سے ہونا آشنا

پھونک دی یہ آگ کس کے حسنِ بزم افروز نے
اور ہی کچھ سوختن ہے شمع و پروانے میں آج

رکھتا ہی تو جس جا قدم ہوتا ہے لہو کا نشاں
پامال کرتا ہے کوئی خونِ شہیداں اس قدر

تھا ہی زور تری زلفِ دلآویز کا بس
خم ہوئی لا نہ سکی تاب گرفتاریٔ دل

نہ پر پرواز ہے بیدار نہ فصلِ بہار
کس توقع پر قفس سے ہو دیں اب آزاد ہم

فتراک سے باندھ خواہ مت باندھ
اب تیرے شکار ہو گئے ہم

دامن کو ترے نہ پہنچے اب تک
ہر چند غبار ہو گئے ہم

جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں
بلبے ظالم تیری بے پروائیاں

خرقہ رہن شراب کرتا ہوں
دل زاہد کباب کرتا ہوں

ہم تری خاطر نازک سے خطر کرتے ہیں
ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

جو ہم کلام اس لب جاں بخش سے ہوئے
کس سے انہیں دماغ کہ پھر گفتگو کرے

یاں تو جی آن کے ٹھہرا ہے لبوں پر اپنا
آہ کیا جانیں وہاں اس کو خبر ہے کہ نہیں

کہاں ہے طالع بیدار یہ کہ ایسا ہو
کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو

آج لگتی ہے کچھ بغل خالی
کون سینے سے لے گیا دل کو

ہے زمانے سے جدا روز و شب سوختگاں
شام کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ

دیکھو اس گیسوئے مشکیں کی ادائیں شانہ
دونوں ہاتھوں سے یہ لیتا ہے بلائیں شانہ

شکوۂ کم نگہی آنکھوں سے اس کی نہ کرو
گفتگو خوب نہیں مردم بیمار کے ساتھ

آئینہ دیکھ تو اس منہ سے تجھے ای طوطی
دعوئے ہم سخنی اس لب و گفتار کے ساتھ

خواب میں ایک بھی شب یار نہ آیا بیدار
اس تمنّا میں کئی دن ہوئے سوتے سوتے

بیدار کیونکر آتش دل اشک سے بجھے
ظاہر کی آگ ہووے تو پانی بجھا سکے

زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں مے خوار کئی
ابھی یاں چھین لئے جبہ و دستار کئی

جام و مینائے مے و مطرب و ساقی ہمراہ
اس سرانجام سے بیدار کہاں جاتا ہے

ربط جو چاہئے بیدار سو اس سے معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے

نہ گئی تیری سرکشی ظالم
ہم نے ہر چند جبہ سائی کی

۹۲۔ بیان تخلّص

نام خواجہ احسن اللہ، دہلی نژاد تھے، مرزا جان جاناں مظہر علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے، اور مولانا فخرالدین قدس اللہ سرہٗ سے بیعت طریقت حاصل تھی، آخر ایام میں حیدرآباد چلے گئے تھے، اور وہیں راہی ملکِ عدم ہوئے، ان کا کلام شیریں دلآویز اور نمکین و شور انگیز ہے آپ کی شیوہ بیانی کا نمونہ یہ ہے:۔

قفس میں رہائی کے لئے کیا کیا نہیں کرتا
تڑپتا ہوں بھٹر کتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا

کہتا نہیں ہیں عرش پر لے نالہ جا پہنچ
کانوں تلک تو اس کے تو لے نارسا پہنچ

باتوں میں آہ کس نے لگایا اسے بیان
رکھتا تھا کان تک مری فریاد کی طرف

ہو ویگا ذوق حسرت دیدار میں خلل
شیریں گزر نہ کیجیو فرہاد کی طرف

کافر ہوں جو زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو
ایک بے خلل مکان ہو بس میں ہوں اور تو ہو

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی ، ، ،
ظالم یہ تیری نگاہ کیا تھی ، ،

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز گذر جائے گی شب بھی

بیان کون ہے اب تلک پوچھتے ہو
تغافل کے قربان تجاہل کے صدقے

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھ سے ہم نشین
شام سے لیکے صبح تک وہی نہیں نہیں رہی

۹۳۔ پیام تخلص

نام شرف الدین علی خان ، اکبر آباد کے رہنے والے اور فارسی کے مشہور شاعر تھے اور کبھی کبھی اردو میں بھی فکر سخن کرتے تھے ، نمونہ کلام یہ ہے :۔

دلّی کے کج کلاہ لڑکوں نے
کام عشاق کا تمام کیا
ایک عاشق نظر نہیں آتا
ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

(ت)

۹۴۔ تاباںؔ تخلّص

نام میر عبد الحیّ، اسی سرزمین جہاں آباد میں پیدا ہوئے، ان کا سلسلہ نسب حضرت علی موسیٰ رضا تک پہنچتا ہے، حسن یوسفی کے باوجود وہ اندوہ یعقوبی بھی رکھتے تھے، اور خورشید رخ ہونے کے باوجود مہ رخوں کے حسرت وصال سے دل داغدار رکھتے تھے، یہی نہیں بلکہ ان کا عشق مرزا مظہر کے دل میں گھر کر گیا تھا، جس سے ہر چھوٹا بڑا واقف تھا، جو نالہ موزوں کرتے تھے یعنی شعر کہتے تھے) سوداؔ کو دکھلاتے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے، عالم جوانی میں اس جہان فانی سے کوچ کرکے اپنے عاشقوں کا سینہ داغ دار کر گئے آزاد منش تھے۔
خوبصورت ہونے کے ساتھ خوش طبع بھی تھے، صاحب دیوان ہیں۔ ان کے یہ اشعار منتخب کئے گئے ہیں:۔

اڑاوے صبا خاک میری اگر تو
تو کوچے میں اس بے وفا کی ہی لیجا

تو دیکھ مجھ کو نزع میں مت کڑھ کہ میرے بعد
تجھ سے بہت ہیں ایک نہ ہوگا تو کیا ہوا

کاکل کی طرح کیوں نہ پریشان مجھے کرے
تو جانتا ہے دام میں میری یہ آچکا

نپائی خاک بھی تاباںؔ کی ہم نے اے ظالم
وہ ایک دم ہی تھا تیرے روبرو ہوا سو ہوا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالا
آتا ہے مجھکو تاباںؔ بے اختیار رونا

ہے سوزِ عشق مجھ میں یاں تک کہ بعد مرگ
پروانہ مرغِ روح ہو شمعِ مزار کا

کس کس طرح کی دل میں گذرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا

حرم کو چھوڑ رہوں کیوں نہ بتکدہ میں شیخ
کہ یاں ہر ایک کو ہے مرتبہ خدائی کا

گل زمین سے جو نکلتے ہیں برنگ شعلہ
کون جان سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز

دیکھ قاصد کو مرے یار نے پوچھا تاباںؔ
کیا مرے ہجر میں جیتا ہے وہ غمناک ہنوز

یہ زاہد بے خبر کیوں عاشقوں پر طعن کرتے ہیں
کہ کہلاتا ہے پیغمبر کا اے تاباںؔ خدا عاشق

آتا ہے فاتحہ کو بھی گل رو رقیب ساتھ
لاتا ہے خار قبر پہ میری بجائے گل

کہتے ہیں اخر سبگار رونے میں یہ ہیں باتیں
ایک دن بھی نہ یار آیا روتے ہی گئیں راتیں

غم وصل میں ہے ہجر کا ہجراں میں وصل کا
ہرگز کسیطرح مجھے آرام ہے نہیں

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں نہ دوڑا اے جنوں
طوق ہے میرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے
جو جانتا ہو میں اُسے آگاہ کیا کروں

یہاں تک تپش ہے عشق کی مجھ میں کہ بعد مرگ
گل بھی مرے مزار پہ گل کر گلاب ہو

کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ اس بات میں میری بھی تو رسوائی ہے

ظالم وفا کا میری جو لیتا ہے تو حساب
اپنی جفا و ظلم کا بھی کچھ شمار ہے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

کروں دعویٰ خون میں قاتل سے اپنے
کب آئے گی یارب قیامت کہاں ہے

ہمارے اس بسنتی پوش کے آنے سے مجلس میں
پڑی ہے دھوم تاباں اسطرح گویا بسنت آئی

---

۹۵ - تاب تخلص

نام مہتاب رائے، اصلاً کشمیری تھے، دہلی میں پیدا ہوئے، ان کے یہ دل پسند اشعار بہت مشہور ہیں:۔

خو ہوتی ہمیشہ ہے تمہاری اگر ایسی
تو کا ہیکو نبھتی مری اے فتنہ گر ایسی

یا تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

۹۶۔ تپش تخلص

نام مرزا محمد اسمٰعیل لقب مرزا جان، مرزا یوسف بیگ کے بیٹے اور بخاری الاصل تھے۔ شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوئے، ان کا سلسلۂ نسب سید جلال بخاری تک پہنچتا ہے میر درد کے شاگرد تھے، سنسکرت میں کافی مہارت رکھتے تھے، باادب اور با اخلاق انسان تھے، اضلاع شرقی (پورب) کی طرف چلے گئے تھے اور وہاں مشہور ہوئے، نمونہ کلام یہ ہے:

آئے تو ہو کہیں سے آخر ملے دُلے تم
کیا ہوا گر مرے بھی لگ جاؤ پھر گلے تم

تم تو کہتے ہو کہ دم کے بعد آجاتا ہوں میں
پر خدا جانے ہمیں دم کا بھروسا کچھ نہیں

کچھ تیرے سلیقے سے پھنسے ہم نہیں صیاد
لائی ہے ہمیں دام میں تقدیر ہماری

کس کی طرف سے آج تپش تجھ کو یاس ہے
سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے

ہمیں تو اشک کے قطرہ کا بھی ہے تھامنا مشکل
بنے وہ لوگ ہیں جن کے تئیں دل تھام آتا ہے

ہر طرف آج ہے بسنت کی دھوم
سیر میں ہے ہر ایک تماشائی

کتنے گل رو جو ہیں بسنتی پوش
جی میں کھٹکے ہے جن کی رعنائی

کہتے ہیں آن کے مجھے ہنس ہنس
دیکھ کر میری ناشکیبائی
ہو مبارک تمہیں جنون تپش
پھر نئی رُت نئی بہار آئی

۹۷۔ تجلّی تخلّص

نام میر محمد حسین، لقب حاجی تھا، میر تقی میر کے خواہر زادے اور میر محمد حسن کے صاحبزادے تھے، بیگم باغ واقع چاندنی چوک میں رہتے تھے، خوش مزاج، ہنس مکھ، نکتہ سنج اور ظریف الطبع شخص تھے، ان کی تصنیف مثنوی لیلیٰ مجنون ملاحظہ سے گذری، مگر دل کو پسند نہ آئی۔ نمونہ یہ ہے:۔

مری وفا پہ تجھے روز شک تھا اے ظالم
یہ سر یہ تیغ ہے لے اب تو اعتبار آیا

آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میری جان
دیکھا تری طرف جو کسی نے تو کیا ہوا

یہ شوق دیکھیو پس مرگ بھی تجلّی نے
کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو یار آیا

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلّی کو عبث
وہ بچارا کبھی اس کوچے میں آیا نہ گیا

تر دامن آگیا جو میں روز حساب میں
کہنے لگے بٹھاؤ اسے آفتاب میں

لوگ اس کی تو جفاؤں کی خبر رکھتے نہیں
بیوفا مجھکو ہی کم ملنے سے ٹھہرانے لگے

حال تیرا اُن سے کیا کہتا تجلّی میں بھلا
وہ تو تیرے نام ہی کو سن کے شرمانے لگے

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

وہ اب تو ہمیں بھول گئے ہیں یہ تجلّی
جب ہم نہیں ہوئیں گے بہت یاد کریں گے

۹۸ - تجلّی تخلّص

نام شاہ تجلّی، حیدرآباد کے ایک درویش ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :-

دامن کا عکس کس کے پڑا ہے کہ آج تک
پھیلا رہا ہے سرو لب جو ئے بار ہاتھ

۹۹ - تجمّل تخلّص

نام محمد عظیم، قلندر بخش جرأت کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :-

کتاب قصہ فرہاد و دفتر مجنوں
یہ دو ورق ہیں مری عشق کی کہانی کے

۱۰۰ - تحمّل تخلّص

لکھنؤ کے رہنے والے تھے، ان کے نام سے آگاہی نہیں ہو سکی، انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، علم سے قدرے بہرہ مند تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

جس کے گھر کے میں یہ دیدہ تر بیٹھ گیا
اٹھتے اٹھتے مرے آخر کو وہ گھر بیٹھ گیا

۱۰۱۔ تجرد تخلص

نام میر عبداللہ، ان کا حال معلوم نہیں، یہ مطلع ان کا ہے:۔

اس رخ میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

۱۰۲۔ تحیر تخلص

نام مصطفیٰ، شاہ رفیع الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے صاحبزادے تھے، ان کے نسب کی بزرگی شہرت کے باعث محتاج بیان نہیں، ان کے چچا بزرگوار جناب مستطاب مولانا عبدالعزیز طاب ثراہ، مختلف فنون میں یکتائے روزگار تھے، یہ حالانکہ عالم نہ تھے، مگر بمصداق بیٹا باپ کا بھید ہوتا ہے، اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے مالک تھے، شعر و سخن میں شناء اللہ خاں فراق سے مشورہ کرتے تھے، نمونہ یہ ہے:۔

فکر اطفال کو ہے سنگ اٹھا لانے کی
آمد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

۱۰۳۔ ترقی تخلص

نام مرزا تقی خان بہادر، فیض آباد کے رئیسوں میں تھے اور بلند اخلاق امیر تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ساکنان کعبہ نے کی بت پرستی اختیار
وہ صنم نام خدا کیا ان دنوں جوبن پہ ہے
اس نے تو دیکھ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
پر مزا میں نے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے

۱۰۴۔ تسلی تخلص

نام ٹیکا رام، وزیر الممالک بخشی گوپال رائے کے صاحبزادے تھے، ان کے بزرگ اٹاوہ کے

رہنے والے تھے، یہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے، فارسی میں فاخر مکین سے فخر تلمذ تھا، اصلاح میں مصحفی کو اساتذہ میں شمار کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آنکھیں سحر تلک مری در سے لگی رہیں
کیا پوچھتے ہو حال شب انتظار کا

گو دل میں خفا ہے تو اس بات کو نادان
کہہ بیٹھیو مت عاشق دلگیر کے منہ پر

اب بھی اس نیم جان میں کچھ ہے
فائدہ امتحان میں کچھ ہے

۱۰۵۔ تسکین تخلص

نام سعادت علی، میر قمر الدین منت کے شاگردوں میں ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
خط بھی لکھا جو ہم کو تو خط غبار میں

۱۰۶۔ تسکین تخلص

نام میر حسین، ان کے نسب کا سلسلہ میر حیدر خان قاتل وزیر فرخ سیر تک پہنچتا ہے، بلند خیال تھے، انداز میں دل پسندی تھی، حضرت مومن خاں سے اصلاح لیتے تھے، راقم کے دوستوں میں سے تھے، یہ اشعار انہیں کی فکر کا نتیجہ ہیں:۔

دیکھیو خانہ خرابی غیر واں قابض ہوا
جس کے گھر کو ہم یہ سمجھے تھے کہ اپنا ہو چکا

ہم کو ہر دام میں لازم ہے پھنسانا دل کا
سیکھے ہیں تیری لگاوٹ سے لگانا دل کا

بے بال و پری کھوتی ہے توقیر اسیری
صیاد کبھی لے کے یہاں دام نہ آیا

ہر صبح وہ ڈھونڈے ہے کوئی تازہ خریدار
صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا

چپ لگے مجھ کو تو چہرہ چاہیے پھر داں ہوگا
راز اپنا نہ خموشی سے بھی پنہاں ہوگا

اس در سے نہ جاؤں گا کبھی لاکھ کہو تم
دشمن ہی سہی تابع فرمان تمہارا

یہاں آنے سے کس واسطے جلتا ہے ہمارے
عاشق تو نہیں ہے کہیں دربان تمہارا

تم کو بھی تو غیروں سے یہ اخلاص نہیں ہے
جو ربط کہ اس دست و گریبان میں دیکھا

گیا مجنوں نکل صحرا کو یہ دیوانگی دیکھو
فضائے کوچہ لیلیٰ کو اس نے تنگ ٹھہرایا

وحشت اب لاش کو لے بھاگے گی
تنگیٔ گور سے گھر یاد آیا

بھول جائیں گے وہ اغیار کو میں
مر گئے پر بھی اگر یاد آیا

کوچہ یار میں میں نے تسکینؔ
پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا

خوبصورت نہ ہو کوئی تو نہ ہو بدنامی
سچ تو یہ ہے کہ برا ہوتا ہے اچھا ہونا

غیروں کو اشارا ہے مرے قتل پہ ناحق
یہ جنبش ابرو ہے تو سر کا ہے کو ہوگا

سہل سمجھے ہو اس کا آجانا
تم نے تسکین دل کو گیا جانا

اس گلی میں اژدہام اغیار کا یاد آگیا
دل میں جوش حسرت و یاس تمنا دیکھکر

گر مر کے چھٹے دل کی تپش سے تو عزیزو
تا حشر نہ نکلیں گے کبھی گور سے باہر

اس کو میں مجھ کو جانے سے کرتا ہے منع ہائے
ناصح کو کوئی جا کے کرے پاسبان غیر

اے چشم سرمگیں تری گردش نے کیا کیا
راحت پذیر بننے ستم آسمان سے ہم

روئے ہے مجھ کو ڈبو کر چشم تر کو کیا کہوں
وہ ہی آتا تھا پسند اپنی نظر کو کیا کہوں

دیکھوں تو لے ہے جان ملک الموت کس طرح
تم وقت مرگ پاس سے اٹھنا ذرا نہیں

زلف پر پیچ کو کھولا ہے یہ کس نے یارب
کہ مرے پاؤں کی زنجیر کسے دیتے ہیں

ایسی ہے غیر کی خاطر کہ مرے حال کو سن
دل میں روتے ہیں پہ ظاہر میں ہنسے دیتے ہیں

یہ تو سچ ہے کہ جو تم چاہو گے کر گزرو گے
پر یہ ممکن نہیں ہم پر کبھی بیداد نہ ہو

مجھ بے گنہ کے قتل پہ گر ہے خوشی غیر
ظالم تو میرے واسطے اندوہگین نہ ہو

کر سکے دفن نہ اس کو میں جو احباب مجھے
خاک میں دل کی کدورت نے دیا داب مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اس سے دل بیتاب مجھے

ہجر میں پاس نہ ہے زہر نہ خنجر افسوس
نہ دئے موت کے بھی چرخ نے اسباب مجھے

نام تسکینؔ یہ مضمون تپش نازیبا
تھا تخلص جو سزاوار تو بیتاب مجھے

کس کو جی جلنے سے ناصح تو ڈرا جاتا ہے
یہی جاتا ہے محبت میں تو کیا جاتا ہے

دل کے جلتے ہی چلی جان یہ جلدی کہ نہ پوچھ
صبر بھی چند قدم پیچھے رہا جاتا ہے

عشق اور حسن میں ہے ربط ستم مجھ پہ ہے
جوں جوں میں اس کو چھپاؤں وہ نہاں ہوتا ہے

وہ مسیحا لب اگر آئے تو جی اٹھوں ابھی
ہاتھ اٹھایا چارہ سازو تم نے کیوں تدبیر سے

دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار
حال دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے

چین سے بیٹھے رہے محفل میں تسکینؔ رات بھر
اس نے پہچانا نہ ہم کو رنگ کی تغئیر سے

اب یہ حالت ہے کہ اُن سا بے درد
میرے بچنے کی دعا مانگے ہے

کیوں ہڈیوں پہ جنگ سگاں سر کو ہے
وارث ہیں یہ کیا عاشق مسکین کے تمہارے

۱۰۷۔ تصوّر تخلّص

سید حیدر حسن خان، ساکن پنکوڑا، امام زید شہیدؒ کی اولاد سے اور جرأت کے شاگرد ہیں

نمونہ یہ ہے:۔

رونا کوئی موقوف کرے ہیں مری آنکھیں
جب تک نہ تسلّی کو دل آئے جگر آئے
تصوّر گرم جوشی یار کی مجھ کو رُلائے گی
بہت گرمی کا ہونا مینہہ برسنے کی علامت ہے
لے گئے یوں ترے کوچے سے تصوّر کو لوگ
جوں اٹھا دیں کسی بدمست کو میخانے سے

۱۰۸۔ تعشق تخلّص

میر سید محمد، حکیم میر عزت اللہ خان عشق کے شاگرد ہیں، فارسی میں اچھی مہارت رکھتے ہیں اس وقت انگریزی مدرسہ واقع شاہجہاں آباد میں مدرس ہیں، راقم نے ان کو اکثر تقریبوں میں دیکھا ہے، میرا خیال ہے کہ ان دنوں انھیں اس فن کی طرف رغبت نہیں ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سامنے دیکھیو آتا ہے تعشق وہ کون؛
ہائے کہہ اب تو ہوا خوش دل محزون تیرا

۱۰۹ - تمکین تخلص

نام صلاح الدین، آزاد مرد تھے، دنیا والوں سے ملنے جلنے سے نفرت رکھتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

عشق اور حسن کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پریزاد کیا

۱۱۰ - تمنا تخلص

نام محمد اسحق خان، کہتے ہیں کہ بہت عاشق مزاج تھے، در پردہ عاشقی کرتے اور سنگدل معشوقوں میں بسر کرتے تھے، حسن اتفاق سے ان کی طبیعت اعتدال کے پرلے ڈگر اور صراط المستقیم سے ہٹ گئی (متجاوز ہو گئی) حکیموں نے ان کو جماع سے منع کیا، اس وقت شعر کہتے جو بہت ملائم ہوتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

اپنی تو یہ صورت ہے کہ جوں بلبل تصویر
پرواز کی طاقت نہیں اور پاس چمن ہے
جس کے غم میں ہم کبھی آرام سے واقف نہیں
کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں

۱۱۱ - تنہا تخلص

محمد عیسٰی، دہلی میں پیدا ہوئے، لکھنؤ میں پرورش پائی، اکتساب فن غلام ہمدانی مصحفی سے کیا نمونہ کلام یہ ہے:-

تھم کے بے وجہ تڑپتے نہیں بسمل تیرے
آب خنجر سے یہ رہ رہ کے مزا لیتے ہیں
ان دنوں چاک ہے پیراہن گل اے تنہا
ہم کوئی اپنے گریباں کو سلا سکتے ہیں

غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی دانائی تری
میں ہوا رسوا تو کیا ہو گی نہ رسوائی تری
حشر میں کس لئے ہم آہ بھٹکتے پھرتے
اپنا منہ ہم سے یہاں گر نہ چھپاتا کوئی
میں جو روٹھا تو منا کر مجھے وہ یوں بولا
کہئے کیا کرتے جو تم کو نہ مناتا کوئی

(ث)

۱۱۲ - ثابت تخلّص

مرزا معز الدین، مرزا احسن بخت بہادر کے چھوٹے بھائی تھے، حافظ عبد الرحمٰن احسان سے اصلاح لیتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

سحر ہونے کے دھڑکے سے ہمارا ہی بدن ٹھنڈا
کہ تیرا ہار موتی کا ہوا ہے سیمتن ٹھنڈا
میں کسی چشم مفتوں کا ہوں مائل ثابت
کیونکہ محکوم مرا ابلق ایام نہ ہو
اس قدر اوبے مروت مجھ سے استغنا تجھے
جان دینی تھی مجھے پر دل نہ دینا تھا تجھے

۱۱۳ - ثابت تخلّص

اجابت خان، مرزا مجھو فدوی عظیم آبادی کے شاگردوں میں سے تھے، نمونہ یہ ہے:-

وقت مرنے کے مرے پاس وہ موجود ہوا
اپنے ہی جی کا زیان اپنے تئیں سود ہوا

۱۱۴ ۔ ثاقبؔ تخلّص

شاہ شمس الدین، متقدمین سے تھے، بے نیازانہ زندگی بسر کرتے تھے، اور شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے، نمونہ یہ ہے :۔

مرے ادب نے رکھا مجھ کو یہاں تلک محروم
کہ بعد قتل بھی دامن تلک لہو نہ اڑا

۱۱۵ ۔ ثروتؔ تخلّص

نام سید درویش علی، ان کے نام کو اس تخلّص کے ساتھ دیکھنا پر لطف ہے، عاشق مزاج انسان تھے، ان کا یہ شعر درج کیا جاتا ہے :۔

قابل نہ تھے جفا کے اٹھانے کے ہم ذرا
ثروت پناہ ہے یہ اس آفت پناہ کی

۱۱۶ ۔ ثناؔ تخلّص

میر شمس الدین عظیم آبادی، کشمیری نژاد ہیں اور ان کو شاہ مشتاق طلب کے شاگردوں کے ذیل میں درج کیا گیا ہے، نمونہ یہ ہے :۔

چمن ہے خندہ گل ہے مے و مینا ہے او تو ہے
فغاں ہے نالہ ہے فریاد ہے زاری ہے او میں ہوں

(ج)

۱۱۷ ۔ جامؔ تخلّص

کنور سین بدھولی کے رہنے والے تھے، شرف الدّین مسرور ولد غلام محی الدّین نے ان کو اپنے

شاگردوں میں لکھا ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

چڑھے ہے باد کے گھوڑے پہ گو موج ہوا لیکن
نہ دعویٰ کر سکی گلگوں سی تیری ہم عنانی کا

۱۱۸ ۔ جاںؔ تخلص

جان علی نام، جہاں آباد کے رہنے والے اور نواب بیرم خان مرحوم کے رشتہ دار تھے، میر تقی میرؔ سے تلمذ تھا، آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ذکر اس زلف کی درازی کا
صبح سے تا بشام ہوتا ہے

۱۱۹ ۔ جانیؔ تخلص

نام بیگم جان، بہو بیگم کے نام سے مشہور تھیں، نواب قمرالدین خاں مرحوم کی صاحبزادی اور نواب آصف الدولہ بہادر کی زوجہ تھیں، کہتے ہیں کہ بیگم صاحبہ جب شدت علالت کے باعث رنجیدہ خاطر تھیں، ان کا خواجہ سرا ہمدم نامی عیادت کو آیا، آپ نے اسے دیکھ کر فی البدیہہ مطلع پڑھا جو ان کی قابلیت کا پتہ دیتا ہے:۔

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جسم ناتواں کی
ہر رگ میں نیش غم ہے کہئے کہاں کہاں کی
دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جانی
کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہیں ہے

۱۲۰ ۔ جذبؔ تخلص

میر عزت اللہ خان المعروف میر بھکاری بریلی کے معزز لوگوں میں سے تھے، حلیم الطبع

اور سلیم الفطرت اور مودب اللسان تھے، علوم متداولہ سے واقف اور ہر فن مولی تھے انہوں نے بہت کم عمر پائی، اکثر مقامات کی سیاحت کی، بخارا کے قریب انتقال کیا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

واں صفائی و خود نمائی ہے
یاں مری جان کی صفائی ہے
جو کہ حلقہ بگوش نخد کے ہیں
ناک میں ان کی جان آئی ہے

۱۲۱۔ جراح تخلص

غلام ناصر نسلاً کشمیری تھے، اس شہر میں نہ جانے کب آئے، باعتبار پیشہ یہ تخلص اختیار کیا تھا، فی الحقیقت ان کو اس فن میں اچھی خاصی مہارت تھی، کبھی کبھی میرے پاس آتے تھے نیک اللسان تھے، ان کے انتقال کو چند ہی سال گذرے ہیں، اللہ مغفرت کرے، ان کا یہ شعر اس تعجیلی رسالہ میں خاکسار نے سپرد قلم کیا ہے:۔

جرّاح ٹانکے دینے میں مت کر درنگ تو
اس واسطے کہ زخم مرے یار گرم ہے

۱۲۲۔ جرأت تخلص

نام قلندر بخش، ان کا نسب یمین محمد شاہ تک پہنچتا ہے، جن کو نادری جلادوں نے گرفتار کر لیا تھا اور جنہوں نے مردانہ وار جان دی تھی، علم موسیقی میں بہت کچھ جاننے کی ڈینگ مارتے تھے، کہتے ہیں ستار بہت اچھی بجاتے تھے، کچھ کچھ اختر شناس بھی تھے، زمانہ کی برائی بھلائی بہت کم دیکھ کر چشم نظارہ بیں بند کر لیں، حسینوں کو حسرت و یاس میں نہیں دیکھ سکتے تھے نہ جنیوں اور گوتیوں سے رغبت تھی، ایک مدت تک مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے خوان کرم

سے بہرہ مند ہے، وہاں مصحفی و انشاء سے مشاورت کرتے اور ایک ہی قافیہ اور ایک ہی ردیف میں اشعار کہتے، آج ان کو مرے ہوئے بیس سال سے زائد ہو گئے، ان کا کلام عاشق و معشوق کے ناز و نیاز پر مشتمل ہے، حسرت کے مایہ ناز شاگرد تھے، انہوں نے ایک ضخیم دیوان چھوڑا ہے جو مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے، چونکہ وہ اس فن کے اصول و قواعد سے واقف نہ تھے، اس لئے بے سرے راگ بھی الاپے ہیں، ان کی شہرت ڈھول کے مانند گونجنے کی وجہ یہ ہے کہ لچّوں اور لوطیوں کے پسندیدہ خاطر کہتے تھے، ان کے بعض اشعار بہت دلفریب اور دلاویز ہیں، جو کچھ ان کے دیوان میں فنی اعتبار سے ٹھیک تھا اس تذکرہ میں تحریر کیا جاتا ہے:۔

محمد ہے نبی ممدوح ذات کبریائی کا
کہے بندہ گر اس کی مدح دعویٰ ہے خدائی کا

رتبہ گل بازی کا دلا کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا

سنیو شوخی کہ یہ کہتا ہے وہ قاصد سے مرے
نامے پر ابھی واں جانے میں تاخیر لگا

جرأت اپنو ہو در کار اگر بعد فنا
دیکھو اس کی مرے تابوت پہ تصویر لگا

ناتوانی سے نہ پایا جب مجھے صیاد نے
بول اٹھا ہے ہے قفس کا کس طرح در کھل گیا

لگاؤں چھاتی سے جرأت نہ کیونکہ اس کو کہ یہ
وہ ہاتھ ہے کہ کسی کے گلے کا ہار رہا

ستنک اب چھوڑ دیا گھر سے نکل کر آنا
یاد وہ راتوں کو سدا بھیس بدل کر آنا

کلمہ بھرے ترا جسے دیکھے تو بھر نظر
کافر اثر ہے یہ تری کافر نگاہ کا

جھپکے اجل سے کیونکہ مری آنکھ وقت نزع
بسمل ہوا ہوں میں کسی بانکی نگاہ کا

نہ آنے کی جب میں سنانے لگا
وہ آئینہ مجھ کو دکھانے لگا

کون دیکھے گا بھلا اس میں ہے رسوائی کیا
خواب میں آنے کی بھی تم نے قسم کھائی کیا

تماشے کو نکل آتا ہے وہ رشک پری گھر سے
مزا دکھلا رہا ہے ان دنوں دیوانہ پن اپنا

رو بیٹھے سو بار کئے ہم نے سفر بھی اکثر
پر گلے ہم سے کبھی آ کے نہ دلدار لگا

کاش یوسف کی میں اس کو نہ دکھاتا تصویر
اب ہوا اور بھی دعوے اسے یکتائی کا

سن کے میں عزم سفر رہ ہی گیا
تم تو گھر سے گئے یہاں گھر ہی گیا

تھا یہی دھڑکا خدا جانے کہ کیا لائے پیام
جا کے واں سے جو نہ آیا نامہ بر اچھا ہوا

فکر کچھ میرے قلق کا کیجے
نہیں پھر آپ بھی گھبرائیے گا

ناصحو آپ میں جب آنت نہ رہا
اب سمجھ کر اسے سمجھائیے گا

بلائیں ہاتھوں نے میرے جو لیں تمہاری رات
بلائیں ہاتھوں کی لیتا رہا میں ساری رات

جرأت میں پوچھتا ہوں کہ یہ اضطرابِ دل
جائے نہ وصل میں بھی تو پھر اس کا کیا علاج

دور سے کل ہم نے اس کے آستاں کو دیکھ کر
رو دیا کن حسرتوں سے آسماں کو دیکھ کر

ہر دم کی اٹھا کون سکے رنجش بیجا
اس واسطے پھر پھر گئے یہ غصہ ہے ہمیں پر

حیران ہوں میں وہ کون ہے جو عین وصل میں
کہتے ہو تم کہ چلیے اسی کو تو پیار کر

واں ہے یہ بدگمانی جائے حجاب کیونکر
دو دن کے واسطے ہو کوئی خراب کیونکر

دور سے دیکھ نہیں سکتے ہیں جرأت اور ہائے
جی یہ چاہے ہے کہ دن رات رہیں یار کے پاس

عید قرباں کو بھی دے گھر سے ہمیں یار نکال
جی میں آتا ہے گلا کاٹیے تلوار نکال

روز کہتے ہیں وہ آئے تو کہیں غم جرأت
جب وہ آتا ہے تو اس وقت نہیں ہوتے ہم

نہ دیکھنا جو نصیبوں میں ہے تو وصل میں بھی
اٹھا کے آنکھ نہیں دیکھتے حجاب سے ہم

اپنے پہلو سے وہ جب اٹھ کے چلا اے جرأت
اس کا منہ دیکھ کے بس رہ گئے مجبور سے ہم

حیران مجھے دیکھ کے بولا وہ ہنسی سے
ہے آج تو جرأت پہ بھی تصویر کا عالم

کل واقف کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جرأت کے جو گھر رات کو مہمان گئے ہم

کیا جانتے کم بخت نے کیا ہم پہ کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

ضبط وحشت ہے تجھے اے دل دیوانہ ضرور
اتنا آنا بھی نہ وہ چھوڑ دے جھنجلا کے کہیں

گو وہ نہ بوسہ دیوے لیکن اس آرزو میں
کس کس مزے کی باتیں اپنی زبان پر ہیں

تپش سے اس کی اب اعضا تمام جلتے ہیں
جو ہم سے دل کوئی بدلے تو ہم بدلتے ہیں

زبسکہ مرتے ہیں ایک سبز رنگ پر جرأت
یہ شعر کہتے نہیں زہر ہم اگلتے ہیں

دمبدم دیکھ ہم کو روتا ہے
مارے ڈالے ہے ہم نشین تو ہمیں

کوچہ جاناں سے جاتے ہیں پہ جا سکتے نہیں
گو اٹھاتے ہیں قدم پر دل اٹھا سکتے نہیں

جی میں سو بار آتی ہے جرأت نہ ملئے یار سے
پر سمجھ کر دل میں کچھ سوگند کھا سکتے نہیں

میری بیتابی سے محفل میں دھڑکا ہے اسے
اٹھ کے ہو لے نہ لگے یہ میرے قربان کہیں

قدم میں ناتواں جب اس کے کوچے سے اٹھاتا ہوں
تو شکل نقش پا ہر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

برنگ مہر ہے گردش ہی ہم کو سال سے دن
جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن

وصل میں جس کے نہ تھا چین سو جرأت افسوس
وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی مجھکو

کام رونے سے ہے یاں اس کو خبر ہو کہ نہ ہو
گریہ جوں ابر ہے خلقت میں اثر ہو کہ نہ ہو

کھل گیا اپنا جو نوشتہ تھا
دور سے شکل نامہ بر کو دیکھ

عیاری تو دیکھو نہ ملانے کے لئے آنکھ
دیوانہ کیا ہے ہمیں مشہور کسی نے

کچھ لگاوٹ کا سبب اور نہیں ہے جرأت
یہ وہ چاہے ہے کہ اس کو بھی لگائے رکھئے

جتاؤں درد محبت تو کس ادا سے کہے
کرو نہ مجھ سے یہ باتیں دیوانہ پن کی سی

مالوف جس سے طبع ہے یارب حبیب کی
ہو جائے کاش شکل مری اس رقیب کی

روداد اس سے کہئے تو منہ پھیر مسکرا
کہتا چپکے سے کہے ہے تو شامت نصیب کی

جرأت اب بندہ ہے تنخواہ تو کہتے ہیں ہم
کہ خدا دیوے نہ جبتک تو سلیمان کب دے

اہل گر اپنی خیال جمال یار میں آئے
تو پھر بجائے فرشتہ پری قرار میں آئے

وعدہ پر آیا نہ وہ اور میں رہا جیتا اب آہ
اس سے شرماتا ہوں میں او مجھ سے وہ شرماتا ہے

جواب نامہ کی کیا پوچھتے ہو دل اس سے پھر آ کر
بمنت مصلحت دیتا ہے قاصد باز آنے کی

دم آخر نہ پوچھو وضع اس بدظن کے آنے کی
کہ آکر نعش پر کہنے لگا خوبی بہانے کی

دل وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی
دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

غم سے گھُٹنا یہ مرا سب میں بڑھاتا ہے اُسے
جو مجھے دیکھے ہے سو دیکھنے جاتا ہے اُسے

گھر کو جاتا ہے تیرے کوچہ سے جرأت تو یوں
جاتے ہے جیسے کہ رستا نہیں آتا ہے اسے

لیکے دل کہتے ہو ملنے میں ہے رسوائی واہ
آپ ہشیار بنے مجھ کو دوانہ کرکے

وہ نہ آئے تو یہ ہو جائے غلط
کہ بن آئے نہیں مرتا کوئی لو

کھڑا تھا بام پہ وہ اور نظر میں نے جو اس پر کی
نظر آنے لگی گویا مجھے پتلی سکندر کی

اس پردہ نشین سے کوئی کس شکل بر آئے
جو خواب میں بھی آئے تو منہ ڈھانک کر آئے

گذرے ہے جب اس کے لب و دندان کا تصور
نکلے نہیں رہتے لب و دندان ہمارے

ناصح میں اور ہم میں ابھی ہے طرفہ صحبت آہ
ہم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ہے

قاتل نہ مجھ سے موڑیو منہ وقت قتل تو
ٹک شرم کیجیو مری گردن جھکائی کی

یہ تو میں کیوں کر کہوں کچھ نہیں بھاتا مجھکو
کچھ تو بھایا ہے کہ اب کچھ نہیں بھاتا ہے مجھے

زخم تازی کی طرح چرخ کہن اے جرأت
ٹک ہنساتا ہے تو پھر خوب رلاتا ہے مجھے

یاد ہے بدی ہم نے بمنت گئے بوسے
ہارے بھی تو کیا ہارے دیدار نکالے

چھوڑا اپنے گرفتاروں کو صیاد سمجھ کر
جاتی نہ رہے جان رہائی میں کسی کی

کیا صلح کو جی چاہنے لگتا ہے وہیں بس
زجھلتے ہے جب آنکھ لڑائی میں کسی کی

یاد جب آتا ہے یہ کہنا تو اڑ جاتی ہے نیند
اپنی ہٹ تو رکھ چکے لو اب تو ہٹ کر سوئیے

پوچھا یہاں تلک کہ ہوا تنگ نامہ بر
لذت ملی جو یار کے پیغام سے مجھے

جی خاک میں ملایا تمہارے ملاپ نے
اچھا غرض سلوک کیا ہم سے آپ نے

آج بھی اس کے جو آنے کی نہ ٹھہری تو بس
ہم یہ کر بیٹھیں گے جو جی میں ہے ٹھہرائی ہوئی

۱۲۳۔ جعفری تخلص

میر باقر علی، میر قمر الدین منت کے بیٹے اور نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی تھے انہیں سے تربیت پائی تھی، گذشتہ سال حجاز کے سفر سے لوٹتے وقت ان کا انتقال ہوا۔

کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

آرام وعدہ کی شب ایک دم کبھو نہ آیا
آیا نہ چین دل کو جب تک کہ تو نہ آیا
تیغ یوں دل میں خیال نگہ یار نہ کھینچ
ناخدا ترس تو کعبہ میں تو تلوار نہ کھینچ

۱۲۴۔ جلال تخلص

فیض آباد میں رہتے تھے، اس کے علاوہ ان کا حال معلوم نہیں۔ نمونہ یہ ہے:۔

تنگ احوال ہے اب تو ترے شیدائی کا
آ کے ٹک دیکھ تماشا تو تماشائی کا
قتل کرتے تھے دو عالم کو بیک چشم زدن
چشم بد دور وہ اب باندھنے ہتھیار لگے
کیا ہوا میں نے جو ٹک جانب ابرو دیکھا
اتنی بس بات پہ تم کھینچنے تلوار لگے

۱۲۵۔ جنون تخلص

مرزا نجف علی خاں، مرزا محمد علی خاں دیوانہ کے بیٹے تھے، باپ، بیٹے دونوں بنارس کے رہنے والے تھے، ان کے والد جب دہلی وارد ہوئے، اور عہدہ سر رشتہ داری بورڈ پر مامور تھے، مجھ سے ملاقات ہوئی، تحصیل داری اور سر رشتہ داری وغیرہ انگریزی سرکار

کے مناصب جلیلہ ہیں، جن پر وہ بیشتر مامور رہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آج کل وہ کہاں ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اپنے چہرہ سے مت نقاب الٹ
دیکھ جاوے گا آفتاب الٹ
دل کو شاید کوئی ستاتا ہے
قاصد اشک تیز آتا ہے

۱۲۶۔ جنوںؔ تخلص

شاہ غلام مرتضیٰ، الہ آباد کے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے، زہد و تقویٰ میں مشہور و معروف تھے عرفا میں ان کا شمار ہوتا تھا، شعر و سخن سے بھی تھوڑی بہت رغبت تھی، ان کی فکر کا نمونہ یہ ہے:۔

تری چشم مست سے ساقیا یہ سیاہ مست جنوں ہوا
کہ مے دو آتشہ طاق پر جو دھری تھی ویں دھری رہی

۱۲۷۔ جنوںؔ تخلص

نام فخر الاسلام پیر ترک کے خاندان سے ہیں، دہلی کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں اور ممنونؔ کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ یہ ہے:۔

اٹھی جو شرم تو دونوں ہی دل ملے نکلے
بجز حجاب یہاں کچھ نہ فاصلے نکلے

۱۲۸۔ جوہرؔ تخلص

مرزا احمد علی قزلباش خاندان سے ہیں، یہ مطلع انہی کا ہے:۔

آتش ہو وہ چمن ہو یا برق آشیاں ہو
اے مرغ نالہ کچھ ہو ایک شب تو پرفشاں ہو

۱۲۹۔ جوشش تخلص

نام محمد عابد، تذکرہ نویسوں نے ان کو جسونت ناگر عظیم آباد کا رہنے والا لکھا ہے نمونہ کلام یہ ہے:-

جوں آئینہ یہ ستم رسیدہ
رہتا ہے مدام آب دیدہ

۱۳۰۔ جوشش تخلص

شیخ محمد روشن عظیم آباد کے نئے شاعروں میں سے ہیں، ان کا کلام صاف وستھرا تخیل دلکش و دل پذیر اور انداز پسندیدہ ہے، فن عروض میں مہارت تامہ رکھتے تھے، یہ ان کے خیالات کا نمونہ ہے:-

وہ زمانہ کیا ہوا جو مرے گریہ میں اثر تھا
یہی چشم خوں فشاں تھی یہی دل یہی جگر تھا

گر یوں ہی یہ دل در پئے آزار رہے گا
ایک روز نہ ایک روز مجھے مار رہے گا

جیسا کہ دل پہ زخم ہے اس کے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اس آب و رنگ کا

اس کا خدنگ داغ جگر سے گذر گیا
ایک تیر تھا کہ صاف سپر سے گذر گیا

دیکھ کر ایک ستم تیری جفا کاری کا
کوہ کن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا

اس کی آنکھوں کو دیکھیں اے جوشش
منہ تو دیکھو شراب خواروں کا

جز چشم بتان بیکدہ دہر میں جوشش
ہم نے تو کسی مست کو ہشیار نہ پایا

اس کی رنجش کا تجھے خوف عبث ہے جوشش
ہو چکا ہے وہ اسی طرح سے سو بار خفا

یار کو قاصد مرے جا کے اگر دیکھنا
میری طرف سے بھی تو ایک نظر دیکھنا

کل جو اسے دیکھ کر ہو گئے ہم بے خبر
ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا

قیس پھرتا جو رہا دشت میں دیوانہ تھا
اس کو لیلی ہی کے دروازے پہ مر جانا تھا

مدعی سمجھوں ہوں جن کو میں اب تیر لئے
دوست اپنے ہی تھے سب کیا کوئی بیگانہ تھا

مزا دکھاؤں تجھے تیری بے وفائی کا
اگر نہ ہووے مجھے پاس آشنائی کا

حیراں ہوں کس طرح ہے وہ انساں میں جلوہ گر
جلوہ سے اس کے طور تو جل خاک ہو گیا

ہماری آہ کے صدمے نہیں اٹھانے کا
یہ چرخ بام کہن ہے کسی زمانے کا

نہ پھولتے ہیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ہیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نہ جام کی صورت
رہی از زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

چھپاتے ہیں سبھی صیاد دام اور یہ مرا نو خط
دلوں کو صید کرتا ہے دکھا کر دام کی صورت

ہمیں تو رونے نے آخر یہ رنگ دکھلایا
سفید ہو گئیں آنکھیں ہوا گریبان سرخ

رونے کے لئے ہوں آفریدہ
ماتم کدۂ جہان میں جون ابر نو کو

ہمارے حال پر اس کو نظر نہیں ہرگز
کسی کے دل کی کسی کو خبر نہیں ہرگز

دیکھیئے ہم میں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
لہو کی پیاسی ہیں وہ تشنۂ دیدار ہیں ہم

دود کی طرح میں دل سوختہ جاتا ہوں جدھر
اپنے احوال پہ عالم کو رلاجاتا ہوں

عمر عزیز گذری ہے رنج و ملال میں
عاشق کہاں ہوئے کہ پڑے ایک زوال میں

نے ڈر عسس کا ہے ہمیں نہ خوف محتسب
رہتے ہیں مست شام و سحر اپنے حال میں

کرے ہیں جور کا تیرے ہی شکوہ یار آپس میں
جہاں مل بیٹھتے ہیں آشنا دو چار آپس میں

آج ہے عزم شکار اس کا یہ معلوم نہیں
خوف سے مر گئے یا صید حرم جیتے ہیں

بیکسی سے یہی گلا ہے مجھے
تھام لیتی ہے دست قاتل کو

راغب نہیں طبیعت گر حور روبرو ہو
اپنی یہ آرزو ہے دنیا ہو اور تو ہو

توانائی تو کر بیٹھی جدا آغوش سے مجھ کو
گرانت دیجیو اے ناتوانی دوش سے مجھ کو

دم بدم بزم میں کاہیدہ ہوئی جاتی ہے
لگ گئی شمع کو شاید نظر پروانہ کو

جی میں جس وقت کہ مضمون کمر آتا ہے
بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

شبنم کی طرح سامنے اس آفتاب کے
ہونے کو تو ہوئے تھے ولیکن نہ ہو سکے

۱۳۱۔ جوشش تخلص

رحیم اللہ، دہلی کے بازاری لوگوں میں سے تھے، فقیروں کی طرح مجمع میں اشعار پڑھتے تھے اور اپنے کو مصحفی کا شاگرد بتلاتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گذرا
بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گذرا
دریا میری آنکھوں سے ایک جاری لہو کا ہے
بیدرد تو کیا جانے کیا حال کسو کا ہے

۱۳۲۔ جوان تخلص

مرزا نعیم بیگ جہاں آبادی، بلند مرتبت مرزا سلیمان شکوہ بہادر سے نسبت رکھتے تھے

ایک عرصہ گذرا کہ ان کا انتقال ہو گیا، نمونہ یہ ہے :۔

پہلو میں دل اپنے کو بھی غم خوار نہ پایا
یہ خوبیٔ قسمت کہ کوئی یار نہ پایا ہے
از بس کہ ہوئی گرمیٔ خورشید قیامت
کوچہ میں ترے سایۂ دیوار نہ پایا
ظلم و ستم و جور سبھی ہم نے اٹھائے
جب اور کوئی تجھ سا طرحدار نہ پایا
دیوار و در کی چھاتی سوراخ ہو گئی ہے
کیا روزنوں سے اس نے آنکھیں لڑا لیاں ہیں
کسی کو اپنی سفارش کے واسطے اس پاس
جو لیکے جاؤں تو اس کا وہ آشنا نکلے
جیتا نہیں پھرتا ہے کوئی اس کی گلی سے
مجھ تک میرے دلدار کی کیونکر خبر آوے

۱۳۳۔ جولان تخلص

میر بہادر علی، دہلی کے رہنے والے اور اپنے زمانے کے مشہور تیر انداز تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

کنج قفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے
اے ہم صفیر چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

۱۳۴۔ جولان تخلص

میر حسن علی خان، دکن کے رہنے والے ہیں، یہ شعر ان کا ہے :۔

اب ایسے جام میں ساقی شراب ارغوانی بھر
کہ جس کو دیکھ کر زاہد کے منہ میں آئے پانی بھر

۱۳۵۔ جہانگیر تخلص

نام جہانگیر بیگ، دہلی میں پیدا ہوئے، اور ایک عرصہ لکھنؤ میں رہے، انہیں دماغی جنون کا عارضہ تھا، کئی تلواریں ماریں اور کئی زخم کھائے، آخر عمر میں وطن مالوف پہنچے مرض مالیخولیا (جنون) میں مبتلا ہو گئے، وعظ کے دن مولانا عبدالعزیز میر شاہ علی کو جو درویش تخلص کرتے تھے، زخمی کیا اور قید خانے چلے گئے، قید ہی میں خنجر اجل کے شہید ہوئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

وہ کافر مرا درد کیا جانتا ہے
جو گذرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

۱۳۶۔ جہاندار تخلص

جہاں مرزا جہاندار شاہ عرف مرزا جواں بخت بہادر ولیعہد حضرت شاہ عالم بادشاہ مرشد زادہ فہم و فراست اور عقل و دانائی میں یکتائے روزگار تھے، یہاں سے لکھنؤ اور وہاں سے بنارس گئے، ۱۲۰۳ھ میں فرشتوں سے جا ملے (یعنی مر گئے) ان کی انتقال سکونت کی داستان بہت لمبی چوڑی ہے، جس کے لئے یہ رسالہ موزوں نہیں، نمونہ یہ ہے:۔

مرگس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا
آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا
ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سر اپنا دینا
تیرے کوچے میں جو اے شوخ قدم رکھتے ہیں
آخر گلِ اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی
پہنچے وہاں ہر خاک جہاں کا خمیر ہو
کونسی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی
پر جفا جو تری ناحق کی لڑائی نہ گئی

۱۳۷۔ جھمن تخلص

نام جھمن ناتھ، دہلی کے رہنے والے شگفتہ کلام اور کہنہ مشق تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

دل جو سپند عشق کی آتش سے جل گیا
ایک آہ کھینچتے ہی مرا دم نکل گیا

۱۳۸۔ جلینا تخلص

جلینا بیگم نام، ان کا حال ان کے جمال کی طرح پردۂ اخفا میں ہے۔
نمونہ کلام یہ ہے :۔

یہ کس کے آتش غم نے جگر جلایا ہے
کہ تا فلک میرے شعلے نے سر اٹھایا ہے

(ح)

۱۳۹۔ حاتم تخلص

نام شیخ ظہور الدین، لقب شاہ حاتم، شعرائے متقدمین سے ہیں، عالم شباب میں سپاہی تھے، بالآخر توکل اختیار کیا، اور جہان آباد میں آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے، اکثر ارباب فکر نے ان سے خوشہ چینی کی ہے، منجملہ ان کے مرزا رفیع سودا بھی ہیں، ابتداء میں قدماء، مثلاً ولی وغیرہ کی پیروی کرتے تھے، مگر جب متاخرین کا انداز کلام مقبول اور شہرت پذیر ہوا، انہوں نے بھی اپنے دوسرے دیوان کو اسی انداز میں مرتب کیا، اور اسی بستی میں عمر طبیعی پا کر انتقال کیا، یہ اشعار ان کے ہیں :۔

اس قدر کی صرف تسخیر پری رویاں میں عمر
رفتہ رفتہ نام میرا اب پری خوان ہو گیا

ہجر کی زندگی سے مرگ بھلی
کہ جہان سب کہیں وصال ہوا

تو اذیت پیشہ دشمن ہے بغل میں دل نہیں
دور ہو پہلو سے صحبت کے مرے قابل نہیں

تم تو بیٹھے ہوئے یہ آفت ہو
اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

کریں ہیں قمریاں تعریف سرو اور ہم ترے قد کی
جو تو آوے چمن میں تو ہمارا بول بالا ہو

آتا ہے اب نشہ کی طرف جی کبھو کبھو
ساقی نگاہ مست ادھر بھی کبھو کبھو

پیری میں آج یار مرا ہمکنار ہے
ساقی شتاب آکہ خزاں میں بہار ہے

بے خود اس دور میں ہیں سب حاکم
ان دنوں کیا شراب سستی ہے

دیکھ جراح تیرے مرہم کو
میرے سینے کا داغ ہنستا ہے

وہ وحشی اس قدر بھڑکا ہے صورت سے مری یارو
کہ اپنے دیکھ سایہ کو مجھے ہمراہ جانے ہے

۱۴۰- حافظ تخلص

نام محمد اشرف، دہلی کے باشندے تھے، فن موسیقی میں "ہم چو من دیگرے نیست" کے دعویدار تھے، انہوں نے کوئی ممتاز شعر نہیں فرمایا، مجبوراً ان کا یہ شعر قلم بند کیا گیا۔

ابر میں مہ کی طرح زلف کے پردے میں آہ
تو نے گو منہ کو چھپایا مجھے معلوم ہوا

۱۴۱ - حالی تخلص

میر محب علی نام، مرشدآباد کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

عوض میں بوسے کے دی ہے گالی سوال دیگر جواب دیگر
یہ طرز تو نے نئی نکالی سوال دیگر جواب دیگر

۱۴۲ - حبیب تخلص

معلوم ہوا ہے کہ مراد آباد کے رہنے والے تھے، لیکن ان کا نام کیا ہے معلوم نہ ہو سکا، نمونہ کلام یہ ہے :-

خانہ ویرانی مری گرچہ کی اس دل نے حبیب
پر خدا حشر تک آباد رکھے خانۂ دل

۱۴۳ - حجام تخلص

نام عنایت اللہ عرف کلو، سہارن پور کے رہنے والے تھے، پیشہ حجامی تھا (حجام بال کاٹنے والے کو کہتے ہیں جو ان کا ذریعہ معاش تھا) مرزا رفیع سودا کی شاگردی پر مستفیض تھے اور مولانا فخرالدین سے بیعت حاصل تھی، ان کا تصور دل میں رکھتے تھے جو ان کے کلام سے قدرے مترشح ہے :-

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوبوں کے
بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا
جینا نظر اپنا تو ستمگر نہیں آتا
بے وصل ترے سو یہ میسر نہیں آتا

خط آنے سے بھی اپنی رسائی نہیں ہے واں
حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں
دیکھو عاشق کی ترے رسوائیاں
عشق کی لوگوں نے قسمیں کھائیاں
ایکروز نصیبوں سے کہیں واں تئیں پہنچوں
پھر سر ہے مرا اور درو دیوار تمہارے
ہے جی میں کہ ایکروز میں ان آنکھوں سی پوچھوں
بچتے نہیں کس واسطے بیمار تمہارے
اس کاوش مژگان کا گلہ مجھ سے عبث ہے
اے آنکھ یہ بوتے ہوتے ہیں خار تمہارے
مثال ناقہ لیلیٰ کے ایک دو گام غلط
خدا کرے کہ ادھر بھی ترا سمند کرے

۱۴۴۔ حزیں تخلص

ان کے متعلق بس اتنا معلوم ہے کہ فردوس مکاں محمد شاہ کے محل میں اس تخلص کا کوئی آدمی تھا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ویران ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

۱۴۵۔ حسرت تخلص

نام جعفر علی، ابوالخیر کے بیٹے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے، آبائی پیشہ عطاری تھا، انہوں نے بھی کچھ عرصہ عطاری کی، لیکن اقتضائے فطری کے باعث اس پر قناعت نہ کی اور مرزا

جہاندار مرحوم کے حلقہ سے منسلک ہو گئے، بالآخر ان کی بلند ہمتی کو یہ بھی راس نہ آیا، اور تارک الدنیا ہو گئے، دنیا کے نشیب و فراز سے کنارہ کش ہو گئے اور گوشۂ عافیت اختیار کیا، شاعری میں سرب سنگھ دیوانہ سے حق تلمذ تھا، کلام کی سادگی اور اصابتِ خیال کے اعتبار سے مشہور ہیں، قلندر بخش ان کے شاگردوں میں ہیں، مگر یہ شاگرد اپنے استاد سے سبقت لے گیا۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

گیا دل سو گیا رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا
اگر رو رو کے جی کھو دیں تو پیدا دل نہیں ہوتا

آشیاں چھوڑ چلے اے چمن آرا ہم تو
تو ہی لے جائیو سر پہ یہ گلستان اٹھا

درس تھا مکتب میں مجھکو آہ کا
یہ سبق تھا پہلے بسم اللہ کا

ہے غبار آلودہ یاں تک اشک اس غمناک کا
دست مژگاں میں سدا رہتا ہے سبحہ خاک کا

کل کو نسے خوش تھے کہ نہیں ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ
یعنی کہ نوبت آوے سخن کی قسم تلک

لیکن سمجھ کے بات کو اس نے اڑا دیا
پہنچاتے ورنہ ہاتھ ہم اس کے قدم تلک

ساقی مے دے کہ اہل مجلس
پانی پانی پکارتے ہیں

کسے منظور تھا یوں تلخ کیجیے زندگانی کو
ولے کیا کیجیے حسرت بلاتے ناگہانی کو

نازک دلوں کے زخم کو مرہم کبھو نہ ہو
پیراہن حیات پھٹے تو رفو نہ ہو
کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کروگے
لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کروگے
بزم میں بیٹھے تھے کل جلنے پری رو حور سے
دیکھ کر اس کو گئے لینے بلائیں دور سے
مجھ کو تجھ سے خدا جدا نہ کرے
میں ہوں تجھ سے جدا خدا نہ کرے
فسانہ وصل کا جس سے دل بیتاب کہتا ہے
وہ کہتا ہے کہ افسانہ نہیں یہ خواب کہتا ہے
یہ بھی ایک ستم تھا کہ خواب میں مجھے شکل آکے دکھا گئے
کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اسی طرح سے جگا گئے

۱۴۶۔ حسرت تخلص

نام ذوقی رام، جہان آباد میں پیدا ہوئے اور فرخ آباد رہتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔
برنگ آبلہ اے وائے یہ کیا زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتا ہوں اسی کو سرگرانی ہے

۱۴۷۔ حسرت تخلص

نام ہیبت قلی خان، عظیم آباد کے رہنے والے تھے، مرزا مظہر سے اکتساب فن کیا تھا، نمونہ کلام یہ ہے:۔
فرہاد سے ہمسری کرے کون
سر کس کا پھرا ہے یوں مرے کون

۱۴۸۔ حسن تخلص

نام سید غلام حسن، میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے تھے، مرزا رفیع سودا نے جن کی بہت سی رکیک ہجویں لکھی ہیں، ہرات کے رہنے والے تھے اور یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے، نوجوانی میں مشرق (پورب) کی طرف چلے گئے اور فیض آباد میں نواب سردار جنگ بہادر ولد نواب سالار جنگ بہادر کے خوان فیض سے فیضیاب ہوئے، میر ضیاء الدین ضیا کے شاگردوں میں سے ہیں، سلیم الطبع اور سلیم الفکر انسان تھے، فی الجملہ اصناف سخن پر قادر تھے، لیکن بالخصوص مثنوی اچھی کہتے تھے ان کی مثنوی "سحر البیان المشہور بدر منیر" کافی شہرت رکھتی ہے، عروضی اغلاط سے قطع نظر ان کا کلام باعتبار محاورۂ عوام کوئی برا نہیں ہے بلکہ یوں کہئے بلیغ ہے، نمونہ یہ ہے:۔

گر کیجئے رقم کچھ تری وحدت کے بیان کا
تو چاہیئے خامہ بھی اسی ایک زبان کا

اظہار خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد
ظاہر کا یہ پردا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تا اشارہ کو سمجھنے نہ لگے غیر کے وہ
میں نے اس ڈر سے کبھی اس کو اشارہ نہ کیا

چھوڑ دے کوئی کسی کے لئے جس طرح سے کچھ
ہم نے منت میں تری کون و مکاں چھوڑ دیا

بے وجہ تو نہیں یہ حسن اس گلی میں روز
جا جا کے ہاتھ کرتی ہر ایک سے پکار کر

میں حشر کو کیا روؤں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے
برپا ہوتی ایک مجھ پہ قیامت تو نہیں اور

دامن صحرا سے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
پاؤں دیوانے نے پھیلائے بیاں دیکھ کر

دروازہ گو کھلا ہے اجابت کا پر حسنؔ
ہم کس کس آرزو کو خدا سے طلب کریں

جو کوئی آوے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں

اس کی جب بزم سے ہم ہو کے بتنگ آتے ہیں
اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آتے ہیں

کہتا ہے تو کہ تجھ سے میں ہی نباہتا ہوں
تو ہی کہیں ہو سچا میں یہ ہی چاہتا ہوں

روٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسنؔ
یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں

دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر
جی میں ہے آج جی بھی کھو آؤں تو

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو

تیرے ہمنام کو جب کوئی پکارے ہے کہیں
جی دھڑک جاتا ہے میرا کہ کہیں تو ہی نہ ہو

دی تھی یہ دعا کس نے مرے دل کو الٰہی
اجڑے یہ گھر ایسا کہ پھر آباد نہ ہووے

پھر پھر آئینے کو وہ دیکھنے لگتا ہے حسنؔ
ایکدم آپ میں وہ شوخ جو پاتا ہے مجھے

شب وصل صنم ہے آج اے ہمدم کسی ڈھب سے
گریبان سحر کو ٹانک رکھنا دامن شب سے

بڑی رات دادوستد کچھ عجب
جو بوسے کو اس شوخ سے جا اڑے

لگاتے ہی لب لب سے بس جی دیا
حسن اور لینے کے دینے پڑے

کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گذرتی
پر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گذرتی

ساتھ دیکھوں ہوں کسی کے جو کسی دلبر کو
میں بھی جی رکھتا ہوں مجھکو بھی ہوس آتی ہے

آجا کہیں شتاب کہ مانند نقش پا
تکتے ہیں راہ تیری سر راہ میں پڑے

۱۴۹۔ حسن تخلص

نام خواجہ حسن، خواجہ ابراہیم کے بیٹے تھے، جو خواجہ غیاث الدین مودودیؒ کی اولاد سے تھے اپنے خاندانی اثر کی بنا پر طریق تصوف سے واقف تھے اور علم موسیقی میں خاطر خواہ سلیقہ رکھتے تھے، عاشق مزاج، دردمند اور خوبصورت انسان تھے، فن نظم میں جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے، قلندر بخش جرأت سے خواجہ تاشی کی بنا پر کافی ربط وضبط تھا۔ لکھنؤ میں ایک بازاری عورت سے جس کا نام بخشی تھا تعلق ہو گیا، مقطعوں میں اس کا نام التزام کے ساتھ لاتے تھے اور درویشی کے باعث باعزت طریقہ پر زندگی بسر کرتے تھے، ان کی فکر کا نتیجہ یہ ہے:۔

امڈ کے آنکھوں سے یکبار بہ چلے آنسو
ہنسی ہنسی میں جو ذکر وداع یار ہوا

وقت نظارہ نہ رو کہتے تھے اے چشم تجھے
شدت گریہ سے لے خاک نہ سوجھا دیکھا

کیا قتل اور جان بخشی بھی کی
حسنؔ اس نے احساں دوبارہ کیا
وہ تو آیا نہ تماشے کو مرے نزع کے پر
ہم نے اس وقت میں بھی اس کا تماشا دیکھا
وقت وداع یار دل بے قرار نے
یہ آہ کی کہ عرشِ معلّے ہلا دیا
دل دلاسوں سے کرے ہے بیقراری بشیتر
خانۂ ماتم میں ہو پڑے ہے زاری بیشتر
ہمیں آرام زیرِ خاک بھی کیا خاک ہووے گا
لئے پہلو میں یہ ایسا دل پر شور جاتے ہیں
بھلا میں دوانہ سہی پر یہ ناصح
مرے ساتھ بکتا ہے عاقل کو دیکھو
آہ کس کس بے وفائی کا تری کیجئے شمار
اور تو سب یکطرف منہ بھی دکھلانے سی رہے
اس نے کس کس طرح نکالا ہم کو اپنے در سے پر
دیکھو تو ہم بھی حسنؔ کس کس بہانے سی رہے

۱۵۰ - حسنؔ تخلص

مولوی ابوالحسن ولد مولوی الٰہی بخش نشاطؔ قصبہ کاندھلہ کے باشندے تھے، میرٹھ میں بھی رہتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

جواب لائیو قاصد شتاب نامے کا
جواب نامہ نہ ہووے جواب نامے کا

منفعل ہوں دست و پا بھی مارتے وقت ذبح
کیوں میں تڑپا جو ترے دامن پہ چھینٹا پڑ گیا
گو تو نے لپٹ کر نہ کیا ہم کو ذرا گرم
رہتی تھی ترے عشق میں چھاتی پہ سدا گرم

۱۵۱۔ حسن تخلص

نام حسن علی خان، کشمیر کے رہنے والے تھے، اس کے علاوہ ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

آنکھوں میں مرے قطرۂ خوناب نہ ٹھہرا
ہر چند کیا ضبط یہ سیماب نہ ٹھہرا

۱۵۲۔ حسن تخلص

مرزا حسن، سیف الدولہ سید رضی خان بہادر کے صاحبزادے تھے، نواب عظم الدولہ المتخلص سرور کے تذکرے سے ان کا یہ شعر قلم بند کیا گیا

دل کو دیکر اس بت کافر کو ہم نے اے حسن
جس قدر ناحق یہ کھینچی ہے ندامت کیا کہوں

۱۵۳۔ حسین تخلص

سید غلام حسین دہلوی، سید عبد الغفور عرف برن کے بیٹے تھے، کچھ عرصہ کسی انگریز کو میرٹھ میں پڑھایا اور کلکتہ چلے گئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

تھا عرش سے بڑھ کر جو دماغ اپنا وہی ہے
یوں چرخ نے گو کر دیا مجبور کسی کا

۱۵۴- حسینؔ تخلص

نواب غلام حسین خاں، قوم سے افغان اور شاہجہاں پور کے رئیسوں میں سے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ اچھی عادت وخصلت کے مالک تھے، ان کے یہ اشعار تحریر کئے گئے:۔

میں تو تدبیر میں تھا زخم جگر کے مصروف
دل بھی پہلو میں پتاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
آگے ملنے کی کوئی راہ نکل آئے گی ؟
بیقراری تو مجھے اس کے تو در تک پہنچا
تشنۂ آب دم خنجر ہے بسمل اور بھی
دست نازک کو ذرا تکلیف قاتل اور بھی

۱۵۵- حشمتؔ تخلص

نام میر محتشم علی خان، میر باقی بدخشانی کے بیٹے تھے، شاہجہاں آباد میں پیدا ہوئے فارسی میں ان کے خیال کی رنگینی، لعل بدخشانی اور یاقوت امانی سے بھی زائد تھی، میر محمد افضل ثابتؔ اور شیخ عبدالرضا متینؔ سے خوب صحبتیں رہتیں اور مشاورت ہوتی ۱۱۶۳ھ میں اچانک انتقال کیا، اللّٰھم احفظنا. نمونہ کلام یہ ہے:۔

گور کے سوتے دوانوں کو جگاتی ہے بہار
شور ہے غل ہے قیامت ست آتی ہے بہار

۱۵۶- حشمتؔ تخلص

نام میر محمد علی، متقدمین میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

خط نے ترے حسن سب گنوایا
یہ سبز قدم کہاں سے آیا

۱۵۷۔ حضورؔ تخلص

لالہ بال مکند کھتری دہلوی، خواجہ میر دردؔ کے شاگرد ہیں، عربی خوب جانتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہ پاؤں کو جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت
جو اٹھ کھینچوں میں دامن اس دل ربا کا
سرِ راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی
کہ اللہ یاور ہے بے دست و پا کا
یہ جو چشم پُر آب ہیں دونوں
ایک خانہ خراب ہیں دونوں
یہاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی
وہاں اب بھی ہے امتحان باقی
جفا کو تم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے
ادھر کچھ دل میں تم سمجھے ادھر کچھ دل میں ہم سمجھے

۱۵۸۔ حفیظؔ تخلص

نام محمد حفیظ، دہلی کے باشندے تھے، حکیم قدرت اللہ قاسمؔ سے اصلاح لیتے تھے، شہر کے مشہور مرثیہ خواں تھے، ان کو مرے ہوئے ایک سال سے بھی کم عرصہ ہوا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھاتی ہے
اگر اک دم ہنساتی ہے تو پھر پہروں رلاتی ہے
روبرو غیروں کے شکوہ کیا کروں میں آپ کا
ہو رہیں گی پھر کبھو باتیں ہماری آپ کی

۱۵۹- حقیقت تخلص

نام میر شاہ حسین بلخی الاصل تھے، بریلی میں پیدا ہوئے، نشو ونما لکھنؤ میں ہوئی قلندر بخش جرأت سے عروض سیکھا اور انداز کلام بھی ان سے مماثل ہے، نمونہ یہ ہے:۔

کیا ترے عشق میں اے عربدہ جو ہاتھ لگا
زلیست سے ہاتھ بھی دھویا یہ نہ تو ہاتھ لگا
دلاب دونوں مل کاٹیں گے اوقات آہ وزاری میں
ہوئے بیمار ہم بھی لے تری بیمار داری میں

۱۶۰- حکیم تخلص

نام محمد اشرف خاں، حکیم شریف خان کے صاحبزادے تھے اور اپنے والد کی طرح بے مثل حکیم تھے علوم متعارفہ سے واقف تھے، کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

میرے رونے نے مجھ کو اس سے کھویا
مجھے اس دیدۂ تر نے ڈبویا
کہوں میں کیا برنگ زخم ناسور
ہنسا یک بار گر سو بار رویا

۱۶۱- حکیم تخلص

نام محمد پناہ خان، سید محمد شریف خان کے بڑے صاحبزادے تھے جو زر بخش کے نام سے مشہور تھے اور خواجہ میر درد کے شاگردوں میں سے تھے، ابتدا میں نثار تخلص کرتے تھے مگر بعد میں حصول مہارت کی بنا پر حکیم تخلص اختیار کیا، کہتے ہیں کہ تاریخ اور موسیقی سے کافی واقفیت تھی اور فنون متداولہ میں بھی کافی سلیقہ رکھتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

پوچھتے کیا ہو حکیم جگر افگار کا گھر
ایک تکیہ سا ہے اس شوخ کی دیوار کے پاس

کہتے ہیں حکیم آیا ہے خانہ سے مسجد میں
ہم کو تو تعجب ہے وہ گبر مسلماں ہو

تیرے لئے خلق در بدر ہے
اے خانہ خراب تو کدھر ہے

ہم ہی صنم کے غم میں نہ ایمان سے گئے
کتنے ہی بندگان خدا جان سے گئے

ہم تو کیوں کر کہیں کہ بوسہ دو
گر عنایت کرو عنایت ہے

ہے رشک دستۂ گل کیوں یہ آستین تیری
سر شک خون تپا کس کے اس سے پاک ہوئے

۱۶۲- حقیر تخلص

نام امام الدین المعروف میر کلو، جہاں آباد کے رہنے والے اور ظریف الطبع شخص تھے نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہوں ہست و نیست عالم تصویر کی طرح
گویا ہوں اور خموش ہوں زنجیر کی طرح

دل میں ہی بیٹھ رہیں در پہ صنم کے اے حقیر
راہ کعبہ کی تو آتی ہے نظر دور ہمیں

یاد میں اس بت کافر کی ہوں ایسا مصروف
کہ خودی بھول گئی بلکہ خدائی مجھ کو

پامال ہوئے ہم تو حقیر آہ جہان میں
جوں نقش قدم یار کے قدموں سے بچھڑ گئے

۱۶۳- حیرت تخلّص

میر مراد علی کے نام سے مشہور اور مرادآباد کے رہنے والے تھے، تجارت کے واسطے کوہستان گئے اور وہیں انتقال کیا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کہاں رہے شیشہ مے محتسب خدا سے ڈرو
میری بغل میں جھلکتا ہے آبلہ دل کا

۱۶۴- حیرت تخلّص

نام فخر الدین، نواب میر منّو کے پوتے تھے جو اعتماد الدولہ قمرالدین خاں مرحوم کے صاحبزادے تھے، کالپی میں رہتے تھے، ان کے یہ دو شعر قلم بند کئے گئے:۔

ہم اس بزم سے یوں پُر ارمان نکلے
جوانی میں جس طرح سے جان نکلے
یہ ستم دیکھوں کن آنکھوں سے میں اے غیرت عشق
ایک عالم اسی کوچہ کا تماشائی ہے

۱۶۵- حیرت تخلّص

پنڈت اجودھیا پرشاد کشمیری لکھنوی، قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے، ایک مختصر دیوان اور چند مثنویاں اپنی یادگار چھوڑیں، جو مطالعہ سے نہیں گذریں، فن موسیقی اور تیر اندازی میں کافی ملکہ تھا، مدت تک لکھنؤ میں رہے اور کچھ عرصہ جہان آباد میں، پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں ۱۲۳۴ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

برنگ نقش پا اس کی گلی سے اٹھ نہیں سکتا
ہوا ممنون احسان خوب اپنی ناتوانی کا

۱۶۶۔ حیراں تخلص

نام حیدر علی، جہان آباد میں پیدا ہوئے، ممالک شرقیہ (پورب) میں رہتے تھے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے، کہتے ہیں کہ شاعری کے غرور نے ان کے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا، استاد کا تخلص ملحوظ نظر تھا، ضلع بہار میں مارے گئے، اوقات کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

دم نکلتا ہے اب کوئی دم میں
بیٹھ جا کچھ نہیں رہا ہم میں
میں نے حیران کو جو دیکھا روتے
بن گئی دو کہنے کی گھات میری
ان کی خدمت میں ادب سے میں نے
عرض کی دیکھئے کرامات میری
میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ نہ دیں
بندگی قبلۂ حاجات میری
گذر کرتا ہے جھوکے سے ہماری خاک پر گردہ
کھڑا ہو سواس سے دو دو پہر دامن جھٹکتا ہے
جب کہا میں نے مرے گھر چلئے
اس میں کچھ کم نہ ہو گی محبوبی
تیوری کو چڑھا لگا کہنے
رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی

مجھ سے کہتا ہے مرے گھر چلئے
دیکھیو اختلاط کی خوبی

۱۶۷۔ حیدر تخلّص

نام حسام الدین ہے ان کا یہ شعر قلم بند کیا گیا:۔

ملک خصال پری وش فرشتہ خو کہتا
مجال تھی کہ سگ یار گو میں تو کہتا

۱۶۸۔ حیدر تخلّص

میر حیدر علی خاں، لاہور کے رہنے والے اور شیخ عبدالقادر گیلانیؒ کی اولاد سے تھے، نمونۂ کلام یہ ہے:۔

ارادہ ہے بید مجنوں کچھ اس چشم تر کا
خدا حافظ آج اپنے دیوار و در کا
لے سنگ و خشت جھپر ہر خاص و عام نکلا
بارے جنوں کی دولت اپنا یہ نام نکلا

۱۶۹۔ حنیف تخلّص

نام میر چراغ علی، لکھنؤ کے رہنے والے اور میر شیر علی افسوس کے شاگرد تھے، نمونۂ کلام یہ ہے:۔

جس کی ہر ایک امید مبدل بہ یاس ہو
کیا اس مریض عشق کے جینے کی آس ہو
ہے اپنے تو نزدیک وفا خوب و لیکن
ہو لطف جو تیری بھی طبیعت ادھر آوے

خ

۱۷۰۔ خاکسار تخلّص

محمد یار اس مقام پر جس کو وہ قدم شریف کے باعث شہرت ہے۔ ایک بانس کا گھر بنا کر گوشہ تنہائی میں زندگی بسر کرتے تھے، ایک صد مند سیدہ اور غمگین دو درویش تھے، کہتے ہیں عالم شباب میں حسین اور زیبا رو، ان کے لئے جاذب نظر تھے اور جو ان کا منظور نظر ہوتا، علایق دنیوی سے آزاد ہو جاتا، میر تقی میر کے ہم عصر تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ترے باغبان کا یہ دیکھا سلیقہ
کہ نرگس کو بویا نہ بوئیں یہ آنکھیں

تیغ قاتل سے رہے محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کو اٹھیں گے اس لئے دلگیر ہم

۱۷۱۔ خاکی تخلّص

نام حیدر بیگ، بدخشانی الاصل تھے، مدت ہوئی دکن چلے گئے، سپاہی پیشہ تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہم عشق بھی سیکھیں اگر استاد ہو کوئی
دل تو ہی بتا دے تجھے گر یاد ہو کوئی

۱۷۲۔ خادم تخلّص

مضافات سرہند میں کیتھل نامی مقام کے باشندے تھے، ان کے نام کا پتہ نہ چل سکا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

عاشق ہوا ہوں ایک بت بالا بلند پر
صد آفرین ہے میری بھی عالی پسند پر

اس کے ہاتھوں ایک جہاں ویران ہے
چشم بھی میری کوئی طوفان ہے

۱۷۳۔ خادم تخلص

پانی پت کے رہنے والے تھے، تذکرہ نویسوں نے ان کا نام نہیں لکھا ہے، یہ شعر ان کے نام سے منسوب ہے:۔

رات بھر ماتم پروانہ میں روتی ہے شمع
اشک سے داغ جگر اپنے کو دھوتی ہے شمع

۱۷۴۔ خادم تخلص

خادم علی خان، فرخ آباد کے رہنے والے تھے، نواب ناصر جنگ بنگش حاکم فرخ آباد کے استاد تھے، کہتے ہیں فارسی میں صاحب دیوان ہیں جو ملاحظہ سے نہیں گذرا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مجھ کو کہتے ہو کہ چل باہر ہو
آپ کے کہنے سے کب باہر ہوں

۱۷۵۔ خاں تخلص

محمدی خاں، دکنی تھے، دہلی میں ملازمت کرتے تھے، سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد دل ہیں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یاد جس وقت تری آتی ہے
مجھکو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے

۱۷۶۔ خاں تخلص

اشرف خاں دہلی کے باشندے تھے، لکھنؤ چلے گئے اور اپنے زمانہ قیام میں وہاں مشاعرہ

کرتے تھے، غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اے خانؔ غم فراق میں تم زہر کھا مرو
اس کے سوا نہیں کوئی تدبیر دوسری

۱۷۷۔ خرد تخلص

نواب فخر الدین خان، نواب شرف الدین محمد خان کے خلف الصدق ہیں، جو خدمت بخشی گری پر ممتاز تھے، اعلیٰ اخلاق اور اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں، دنیا کی ہر چیز سے قطع تعلق کر کے، خوش حالی اور فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، ایک بلند ہمت اور مرنجان و مرنج انسان ہیں، ان کی نظر میں خرقہ پشمین اور لباس زرین برابر ہیں اور ان کی نگاہ میں دُرِّ شاہوار کی قیمت دُرِّ اشک سے زیادہ نہیں، جوانی میں فکر سخن کرتے تھے، اب اس عمر میں ان کا دل حسینان اشعار کے بار کا متحمل نہیں، راقم کے اصرار پر اپنے گذشتہ کلام میں سے کچھ اشعار لاتے تھے، جن میں سے دل انتخاب پسند نے صرف دو اشعار پر اکتفا کیا ہے انہوں نے راقم کے دیوان کی تاریخ اپنے قلم سے لکھی ہے، جو تعریف سے باہر ہے اور اس تذکرہ پر بھی ان کی ایک دل پسند تاریخ ہے جو اپنی جگہ پر مذکور ہوگی، لیکن دیوان ریختہ کی تاریخ نہایت مقبول ہے، راقم کے مسودات کی چھان بین ان سے متعلق تھی، المختصر ان کے یہ دو شعر ہیں:۔

ہماری ان کی صحبت آہ ابر و برق کی سی ہے
ہم ان کو دیکھ کے روتے ہیں اور وہ ہم پہ ہنستے ہیں

لبوں پہ جان ہے جلدی پہنچ کہیں ظالم
یہ آرزو ہے کہ دم تیرے روبرو نکلے

۱۷۸۔ خستہ تخلص

محمد عبداللہ خان جو میر جیون کے نام سے مشہور تھے، کشمیری الاصل تھے اور جہان آباد میں

پیدا ہوئے تھے، ان کے والد کو نجد الدولہ عبدالاحد خاں مرحوم سے نسبت تھی، نمونہ کلام یہ ہے :-

سایہ ساں پہنچے تو تھے پاؤں تلک گر پڑ کر
اس نے دامن تو ہمیں پہ ہاتھ لگانے نہ دیا

۱۷۹- خستہ تخلص

غلام قطب نام، سید محمد کرمانی قدس اللہ سرہٗ کی اولاد سے تھے، سلطان المشائخ کے مزار پرانوار کے خادموں کے ذیل میں شمار ہوتے تھے، عبورے خان آشفتہ سے اکتساب سخن کیا تھا، نمونۂ کلام یہ ہے :-

جلوہ اس مہ نے جو ناگاہ لب بام کیا
روز خورشید درخشاں کا وہیں شام کیا

۱۸۰- خشنود تخلص

ان کے حالات معلوم نہیں ہوئے، ان کا یہ شعر نظر سے گذرا :-

ہو غریق رحمت پروردگار تو
آج ساقی کا پیالہ ہو گیا ہے

۱۸۱- خلق تخلص

نام میر احسن، میر حسن کے بیٹے تھے، جنہوں نے "مثنوی سحر البیان المشہور بدر منیر" لکھی ہے فن کا اکتساب اپنے والد سے کیا تھا، نمونہ یہ ہے :-

عجب عالم میں بیہوشی کے وہ مجھ کو نظر آیا
کہ اتنا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کدھر آیا

بے قراری میں کٹی رات تو یہاں اپنے تئیں
چین سے زلف میں دل کیونکہ رہا ہووےگا
دل لگاتے تو لگایا پہ نہ تھا کچھ معلوم
جی پہ کیا گزریگی اور جان پہ کیا ہووے گا

۱۸۲۔ خلیقؔ تخلص

میر مستحسن، میر احسن خلق کے چھوٹے بھائی تھے، مگر بلحاظ فن ان کے بڑے بھائی تھے، مصحفی نے آپ کو اپنے شاگردوں میں لکھا ہے، ان کا بیشتر کلام مراثی واقعہ کربلا پر مشتمل ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اشک جو چشم خوں فشاں سے گرا
تھا ستارا کہ آسماں سے گرا
ہنس دیا یار نے جو رات خلیقؔ
کھا کے ٹھوکر اس آستاں سے گرا
غفلت میں غرق اپنے تجھ بن کبھو نہ آیا
ہم آپ میں نہ آئے جب تک کہ تو نہ آیا
کہا میں نے جو اے گل کچھ وفا کر
تو وہیں ہنس پڑا وہ کھل کھلا کر
کس کے خرام ناز کا پامال ہوں خلیقؔ
لگتی ہے چوٹ دل کو مرے ہر قدم کے ساتھ

۱۸۳۔ خنداںؔ تخلص

شعراء میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گردش چشم پہ تری جبکہ نگاہ کیجئے
خانۂ دل کو اپنے ہاتھ آپ تباہ کیجئے

۱۸۴۔ خود غرض تخلّص

فرخ آباد کے شعراء میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بند قبا کو کھول کے گلشن میں تو نہ جا
ہووے نہ گل گلے کا کہیں ہار دیکھنا

۱۸۵۔ خیال تخلّص

نام غلام حسن خاں، ان کے آباؤ اجداد صاحب عزت ہوئے ہیں، برکت اللہ خان المتخلّص برکتؔ جو فارسی شاعر تھے، ان کے چچا ہوتے تھے، یہ برکت سے اصلاح لیتے تھے، کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی یادگار میں دو دیوان چھوڑے جو سو ہزار اشعار پر مشتمل ہیں، ان کے کلام سے جو کچھ دستیاب ہوا اس کا نمونہ یہ ہے:۔

تجھے تو غیر کو منظور منہ دکھانا تھا
نقاب کھولنا گرمی سے ایک بہانا تھا
جھلک ایسی کوئی دکھلا گیا مہ پارہ غرفے میں
کہ جوں چلمن مشبک رہ گیا نظارہ غرفے میں
پھر نئے سر سے ہوا خانۂ مجنوں آباد
پاؤں جب ہم نے دھرا آن کے ویرانے میں
حاضر ہیں ہم تو آؤ شمشیر کین نکالو
جو دل کی آرزو ہے اس کو کہیں نکالو
جرعہ افشاں ہو ہماری خاک پہ غافل کبھی
ہم بھی اے ساقی تری مجلس کے میخواروں میں تھے

مژگان کی یہ کاوش نہیں ناوک فگنی ہے
ابرو کی اشارت نہیں شمشیر زنی ہے
تیر اشگفتگی پہ دل آیا ہے اسے خیال
اے غنچۂ فسردہ تجھے بھی ہوا لگی

(د)

۱۸۶۔ داغ تخلص

میر مہدی میر سوز کے صاحبزادے ہیں، حسین اور شکیل انسان ہیں، دلربائی کے باوجود مائل بہ عاشقی تھے، گل کی مثال ان پہ دو طریقے سے صادق آتی ہے، کیونکہ سینہ چاک بھی تھے اور سینہ چاکی کی دعوت بھی دیتے تھے اور لالہ کی مثال ان پہ دو طرح چسپاں ہوتی ہے کہ دل داغدار بھی رکھتے ہیں اور دلوں کو داغدار بھی کرتے ہیں، المختصر اکیس سال کی عمر میں ایک پھول پہ عندلیب وار شیدا ہو گئے اور اس عندلیب کی طرح جو موسم بہار میں عیش کے ساتھ گذارتی ہے انہوں نے بھی اس نو بہار کے ساتھ گذاری، بالآخر فرقت کا منہ دیکھنا پڑا، طاقت صبر نہ تھی، قریب تھا کہ رشتہ حیات ٹوٹ جائے، دوستوں نے اس نو گرفتار قفس فراق کی رہائی کے لئے کوشش کی اور اس سروِ ناز (معشوقہ) کو آنے کی زحمت دی، ابھی جلوہ نمائی کا وقت نہیں آیا تھا، لہذا گل یعنی معشوق ظاہر ہونے سے مجبور تھا، لیکن اپنے عاشق کی تسکینِ دل کے لئے اپنے جلد آنے کے وعدہ کا پیغام بھیجا، جو مثل مرکب مفرح تھا، عاشق ناصبور نے اس وعدۂ فردا کو بھی وعدۂ محشر پر محمول کیا اور انتظار کی تاب نہ لا سکا اور اِس امید میں کہ اس کشمکش سے رہائی حاصل کرے، رشتہ ہستی توڑ دیا، یا یہ سمجھا کہ قبر میں رنج ہجراں سے نجات پا جائے گا، حالانکہ عاشقوں کا یہ کمال نہیں ہے، اس کا برداشت کرنا لازم ہے بہرحال انتقال کے وقت یہ شعر ان کے خطوط پہ بطور عنوان لکھا گیا ہے

از جہان رقعے بود کہ مکتوبِ تو آمد
دیگر چہ نوسیم خبرم خوب گرفتی

نمونہ کلام یہ ہے :-

اسی کے پاس تھا دل کیا ہوا اے ہمنشین دیکھو
ادھر دیکھو ادھر دیکھو یہیں دیکھو کہیں دیکھو
اسی کے پاس ہی رہ رہ گئے یہ جو مسکراتا ہے
اسی کی جیب دیکھو ہاتھ دیکھو آستین دیکھو
پکڑنا چور کا مشکل نہیں گر کچھ سمجھ ہووے
ہوائی رنگ دیکھو ماہتابی سی جبیں دیکھو

۱۸۷۔ داراؔ تخلص

مرزا دارابخت، بہادر شاہ ظفر کے فرزند ارجمند تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

کسی کی چشم میگوں کا تصور ہم کو ہی داراؔ
قدم اٹھتا نہیں ہے لغزش مستانہ رکھتے ہیں

۱۸۸۔ داناؔ تخلص

میر فضل علی دہلی کے رہنے والے اور میر شرف الدین مضمونؔ کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز

۱۸۹۔ داؤدؔ تخلص

قدما میں سے ہیں، شاید یہ تخلص نام کے باعث ہو، نمونہ کلام یہ ہے :-

چاندنی کی سیر کو کس طور نکلے وہ صنم
دیکھنے مہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

۱۹۰- دردمند تخلص

کریم اللہ خان عمدۃ الملک کے رشتہ داروں میں سے تھے اور شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ میں باعزت طریقہ سے بسر کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

کنارے سے کنارا کب ملے ہم بحر کا یا رو
پلک لگنے کا مضموں دیدۂ پرآب کیا جانے

۱۹۱- درد تخلص

خواجہ میر علیہ الرحمۃ، خواجہ محمد ناصر المتخلص عندلیب کے خلف الرشید تھے جو شیخ بہاؤ الدین نقشبندی کی اولاد سے تھے، طبقہ صوفیا میں ہیں، ان کے ظاہری و باطنی فضائل و کمالات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں، یہ فضائل یا تو ان کی وارستگی اور ترک علائق کی شرح ہیں، یا زہد و ورع کی داستان ہیں یا تصفیہ قلب اور تزکیۂ نفس کی دلیل ہیں، یا گداختگی دل اور سوزش جگر اور دردمندی طبع کا فسانہ ہیں وغیرہ وغیرہ، اس رسالہ میں ان کی وضاحت کی گنجائش نہیں ہے، اگر ادراک کا خیال ہے تو اس موضوع پر ان کی تصنیفات مطالعہ کرلی جاویں، اور اندازہ لگایا جاوے کہ میرا بیان اغراق اور خطا سے مبرّا ہے، لطافت طبع شستگی نظم اور حسن مضمون سے مترشح ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب دنیوی فضائل کی طرح اس فن میں بھی مہارت تامہ اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے، ان کی گلدستۂ اشعار فصیح اور گفتار رکاکت اور اغلاط سے پاک ہے، ان کے گلہائے خیال کے سامنے گلہائے چمن مثل خس و خاشاک ہیں، ان کا دیوان ملاحظہ ہوا، بھرتی کے اشعار سے خالی ہے، اکثر اشعار اعلیٰ مطالب اور بلندی مضامین کے باعث نہایت دلکش ہیں، فن موسیقی سے بخوبی واقف تھے، ماہ صفر ۱۱۹۹ھ

کی ۴۴ ہر تاریخ کو بروز جمعہ داعی اجل کو لبیک کہا، ان کے دیوان سے یہ اشعار منتخب کر کے قلم بند کئے گئے:۔

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

بھول جا چپ رہ عبث وہ سلب لقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو در گذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

ہے کوتہی اجل کی طرف سے ہی ورنہ میں
ایک عمر سے اسیر ہوں زلف دراز کا

نالہ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس
جی میں نہ رہ جائے یہ آہ بھی کر دیکھنا

کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچی ہی پہنچی راکھ کا یہاں ڈھیر تھا

جفا سے غرض امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

اس نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا

ہے کچھ خبر تجھے بھی کہ اٹھ اٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

پھرتی ہے میری خاک صبا دربدر لئے
اے چشم اشک بار یہ کیا تجھکو ہو گیا

گر یہی ڈھنگ ہیں ترے ظالم
دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

مثل نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے کہ کچھ آرزو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

دامنِ دشت ہی پہ لالہ و گل سے یارب
خون عاشق بھی کہیں ہووے بہار دامن

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہی وفا پر جی وفا کرتا نہیں

کرتا ہوں بس مرگ بھی حل مشکل عالم
بے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آئے بھی اگر ہزار جی میں

ہر چند نہیں صبر تجھے ہمدو لیکن
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بد نام کہیں ہو

نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تیری ہرگز
گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں ہوں ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

کاش تا شمع نہ ہوتا گذر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا بال و پر پروانہ

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

یارو مرا شکوہ ہی بھلا کیجئے اس سے
مذکور کسی طرح تو جا کیجئے اس سے

خدا جانے کیا ہو گا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند ہے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چلے ساغر چلے

کبھو ہنسنا کبھو رونا کبھو حیران ہو رہنا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے

نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تیری خاطر ہمیں مقدم ہے

کب ترا دیوانہ آئے قید میں تدبیر سے
چون صدا نکلا ہی جائے خانۂ زنجیر سے

سب بُرا کہتے ہیں تو کہنے دو
بات لاتے ہو تم بھلی ایسی

اگلے معانقے کو اگر کیجیے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کیلئے

دردؔ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

اس طرح سے یک لخت جو آنسو نہیں تھمتے
معلوم ہوا دردؔ کہیں آنکھ لڑی ہے

تیری گلی میں میں نہ چلوں اور صبا چلے
یونہی خدا جو چاہے تو بندہ کا کیا چلے

کہہ بیٹھیو نہ دردؔ کہ اہل وفا ہوں میں
اس بیوفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

دل بھلا ایسے کو اے دردؔ نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

یہی پیغام دردؔ کا کہنا
گر صبا کوئے یار میں گذرے

کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گذرے

روندے ہے مثل نقش قدم خلق یہاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

۱۹۲- دریبلغ تخلص

نام سیّد زین العابدین سیف الدولہ سیّد رضی خاں بہادر کے پوتوں میں سے تھے، شاہ نصیرؔ سے اصلاح لیتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یوں وہ بولا دیدۂ تر دیکھکر دو چار کے
ڈوبتے مجھ کو نظر آتے ہیں گھر دو چار کے

۱۹۳- درویش تخلص

نام میر شاہ علی، ان کا سلسلہ نسب شاہ اللہ دیا تک پہنچتا ہے، جو عالی مقام مشائخ میں سے تھے اور خاص وعام میں مشہور ہیں، کچھ فنون رسمیہ سیکھے اور اساتذہ سے کتب متداولہ پڑھیں عالم شباب میں شعر گوئی شروع کی، میر نظام الدین ممنونؔ سے مشورۂ سخن کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

درویش کو مجنوں بھی لکھا کرتا تھا عرضی
اس مملکت عشق میں سلطان سمجھ کر
ایک شب بیٹھے تھے جس گھر میں کبھی یار سے مل
روز روتے ہیں وہاں کے در و دیوار سے مل

۱۹۴- دل تخلص

مولوی شمس الدین، صابرؔ و شاکر انسان تھے، اوامر سے ان کو رغبت اور مناہی سے نفرت تھی، اس شہر میں متبرک زندگی بسر کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

صبح ہو آئی ہے اور رات چلی جاتی ہے
تیری ابتک بھی وہی بات چلی جاتی ہے

۱۹۵۔ دل تخلص

نام زور آور خان، علاقہ کول کے باشندے تھے، ایک ضخیم دیوان، متعدد مثنویاں ان کی یادگار ہیں جو نظر سے نہیں گزریں، ایک دفعہ ان کے لڑکے عنایت حسین خان نے ان کی مثنوی سے ایک داستان خاکسار کو پڑھ کر سنائی تھی، تذکروں سے ان کے یہ اشعار منتخب کئے گئے :۔

مت پھرا سر میرا اے ناصح جاہل آکر
پھر بھی جاتا ہے نصیحت سے کہیں دل آکر
کیا سینے کو داکس نے لگائی آگ گلشن میں
عیاں ہیں داغ حسرت لالۂ صحرا کی چھاتی پر
فاتحہ کو عربستان سے جو زوار آئے
لائے تربت پہ مری وادی مجنون کے گل
ساقی نے جو پلایا مجھے میں نے پی لیا
زاہد تجھے خبر ہے حلال و حرام کی

۱۹۶۔ دل تخلص

آزاد خان قبول اسلام کے باعث دوزخ کی آگ سے بچ گئے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

یہ تماشا ہے کہ قاصد کو ملی ہے دشنام
خط کا انعام گیا نامہ و پیغام گیا

۱۹۷۔ دل تخلّص

دیبا پرشاد، مرشد آباد کے رہنے والے تھے، ان کی فکر کا نمونہ یہ ہے:۔

امید وصل اس سے عبث تو رکھے ہے دل
جس سے کہ رسم نامہ و پیغام بھی نہ ہو

۱۹۸۔ دل خوش تخلّص

نام بہادر سنگھ کھتری، یہ راجہ خوشحال رائے کے پوتے تھے، جو محمد شاہ کے عہد میں اہل ثروت ہوئے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہوں ترے ہجر میں جوں دیدۂ نرگس حیراں
چشم پوشی نہ کر آ اپنے گنہ گار سے مل

۱۹۹۔ دلیر تخلّص

نام دلیر شاہ، عظیم آباد میں ایک درویش تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

پھر بھی یارب وہ کبھو دن رات ہو
یار ہو مے ہو گلے میں ہاتھ ہو!

۲۰۰۔ دلسوز تخلّص

نام خیراتی خان، قوم سے افغان اور قصبہ ٹپل کے باشندے تھے، شاہ نصیر جہان آبادی سے حق تلمذ تھا، نواب ظفر یاب خان کی خدمت میں زندگی بسر کرتے تھے اور ہمیشہ شراب میں مست رہتے، کہتے ہیں کہ ان کا انتقال جے پور میں ہوا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ارادہ پائے بوسی کا تھا اے بیداد گر اپنا
گرا قدموں ہی پر تیرے کٹا جس وقت سر اپنا

جگر فراق کے صدموں سے لالہ زار رہا
یہاں خزاں میں سدا موسم بہار رہا
شب فراق کے بیمار کی جو دیکھی نبض
طبیب کو بھی کئی دن تلک بخار رہا

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا
مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دل کی بے قراری سے
روز دو تین چار سے کہنا

وہ منہ زلفوں سے ڈھانکے ہیں تو ہم آنسو بہاتے ہیں
وہ دن کو رات کہتے ہیں تو ہم تارے دکھاتے ہیں

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی
پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

رات تم اس طرف جو آن پھرے
دن مرے کچھ تو مری جان پھرے

۲۰۱ ۔ دلگیر تخلّص

نام میر حمایت اللہ خان، عالم خان کے خلف الصدق تھے، باپ دادا کے زمانہ سے نعمت خانہ کی داروغائی پر سرفراز تھے، فہم و فراست میں ممتاز تھے اور فن رمل میں کافی مہارت تھی، علم ہیئت و نجوم سے بھی واقف تھے، جس زمانہ میں طرحی مشاعرہ منعقد کرتے تھے راقم الحروف کو بھی یاد کرتے تھے، آپ کی فکر کا نمونہ یہ اشعار ہیں :۔

جس طرح ناک میں دم لایا ہے میرا یہ شیخ
یاخلاص کے بھی پیچھے یوں ہی شیطان پڑے

دل گیر سے تم چپکے سے گر آن کے ملتے
رسوائی ہر کوچہ و بازار نہ ہوتی

۲۰۲۔ دولہن بیگم تخلّص

ان کا حال ان کے چہرہ کی طرح پوشیدہ ہے، اس پیکر عصمت کے یہ دو شعر ہیں:۔

بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا
تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا
جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں
مثال لالہ کے دل داغدار رکھتے ہیں

۲۰۳۔ دوست تخلّص

ان کا نام معلوم نہ ہوا، اعظم الدولہ نے ان کو فرخ آبادی لکھا ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

روش گریہ مری چشم سے سیلاب نے لی
بیقراری دل بیتاب سے سیماب نے لی

۲۰۴۔ دیوانہ تخلّص

نام مرزا احمد علی خان، بنارس کے رہنے والے تھے سرکار انگریزی کے ممتاز عہدوں پر سرفراز ہے جس وقت روشن الدولہ کو لبرک ناظم جہاں آباد کے ہمراہ جہان آباد تشریف لائے تھے بندہ کو بھی ملاقات کا شرف بخشا تھا، ان کے یہ اشعار ہیں:۔

اس کا آخر اُدھر کلام ہوا
اپنا قصہ ادھر تمام ہوا
بتاؤ تو دست جنوں کیا کرو گے
گریباں میں جس دم نہ ایک تار ہو گا

چلتے چلتے ایکدن دیوانہ بس اٹھ جائیں گے
جوں چراغ صبحدم ہم سینہ سوزاں سمیت
آیا نہ بعد مرنے کے بھی وہ مزار پہ
خاک اس کے پیچھے آپ کو ہم نے کیا عبث
میری سرگشتگی کو دیوانہ
پہنچے کب آسمان کی گردش

۲۰۵۔ دیوانہ تخلص

رائے سرب سنگھ مشہور شاعروں میں سے ہیں، بلاد مشرقیہ (پورب) کے اکثر شعرا نے ان سے اکتساب فن کیا ہے، جن میں سے جعفر علی حسرت اور میر حیدر علی حیران بھی ہیں، اکثر فارسی میں فکر سخن کرتے تھے، گاہے گاہے ریختہ (اردو) میں بھی کہہ لیتے تھے، یہ اشعار انہیں کے ہیں:۔

جان پر آ بنی ہمدم میری خاموشی سے
بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب اظہار بغیر
دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے
رستم کا کب جگر ہے جو زہرہ پگھل نہ جائے

(ذ)

۲۰۶۔ ذاکر تخلص

مرزا احمد بیگ، رستم بیگ کے شاگرد اور جہاں آباد کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

چھوڑ اسلام کو اور کھینچ کے قشقہ ذاکر
طالب کفر ہوا اس بت عیار سے مل

۲۰۷۔ ذرہ تخلص

مرزا رام ناتھ بہادر حضور والا کی پیش کاری نظارت کے عہدہ پر سرفراز تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تیرے کوچہ میں روز و شب پڑا پھرتا ہے یہ ذرہ
بجا ہے ایسے دیوانہ کے مطلب کو روانہ کرنا

۲۰۸۔ ذکا تخلص

نام ذکاء اللہ خاں لکھنوی، نواب محبت خاں ولد حافظ رحمت خاں مرحوم کی اولاد سے تھے، ان کے کارہائے پسندیدہ کی عظمتیں بہت زیادہ شہرت کے باعث محتاج بیان نہیں ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آہ کس طرح سے اس پردہ نشیں کو دیکھوں
اس کے گھر میں تو کوئی روزنِ دیوار نہیں

۲۰۹۔ ذکا تخلص

خوب چند کائستھ دہلوی، شاہ نصیر کے شاگرد تھے، ایک روز ان کی خاکسار سے ملاقات ہوئی کہتے تھے کہ میں نے ریختہ میں ایک تذکرہ لکھا ہے، مگر نظر سے نہیں گزرا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آسیا جب کہ چلے سر پہ ذکا نیند کہاں
ہاتھ سے چرخ کے ڈھونڈے ہی تو آرام کہیں
ملے ہے ابروئے دلدار دیکھئے کیا ہو
کہاں کہاں چلے تلوار دیکھئے کیا ہو

نقش پائے خلق گیتی نے بنایا ہمکو
جس کے قدموں سے لگے اس نے مٹایا ہمکو
شرم سے ہوگئی پانی تیری دولت سے جنوں
موج دریا بھی مرے پاؤں کی زنجیر کو دیکھ

۲۱۰ - ذوق تخلص

شیخ محمد ابراہیم دہلوی، المخاطب خاقانی ہند، آئینہ طوطی بلاغت اور طوطی شکرستان فصاحت ہیں، جادو بیانی کا لباس انکے اپنے جسم کو زیب دیتا ہے، اور آتش زبانی کا دامن ان کے تنفس سے شعلہ فشاں ہے، ان کی رنگینیٔ خیال نظر میں گل و لالہ کا جلوہ بڑھاتی ہے، اور ان کی شمع فکر پروانہ وار دل کو اچک لے جاتی ہے، اگر ان کے کلام میں لفظ "بہ نشین" آتا ہے تو وہ قم عیسیٰ سے زیادہ جاں فزا ہوتا ہے اور اگر لفظ "برو" کا استعمال ہے تو وہ معشوق کی تشریف آوری سے زیادہ دل کش معلوم ہوتا ہے، ان کا ہر مصرعہ کمال ابرو کے ترکش سے نکلا ہوا ایک تیر ہے اور ان کا ہر شعر ایک دل خراش اور سر توڑ شبر ہے، ان کی مشق سخن تیس سال پر مشتمل ہے، مرشد زادہ آفاق مرزا ولی عہد بہادر کی سرکار میں ممتاز شعراء میں سے ہیں، قوت مشق جیسی ان کی ہے کسی دوسرے میں دیکھنے میں نہیں آئی، رطب و یابس جو پرگو شعراء کا شیوہ ہے ان کے کلام میں بہت کم ہے، ان کو جملہ اصناف شاعری پر قدرت حاصل ہے اور مسلّم شعراء میں سے ہیں، اس قدر کلام کے باوجود ان کو کبھی اپنے دیوان کو مرتب کرنے کا خیال نہیں ہوا، کبھی کبھی ملاقات ہوتی ہے، زمانے کے چنیدہ اور مغتنم لوگوں میں سے ہیں نمونہ کلام یہ ہے:-

چاندنی نے شب تجھ بن روپ یہ دکھایا تھا
مجھ کو ماہتابی پر دھوپ میں بٹھایا تھا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچہ کی دیواروں کا
کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہ گاروں کا

مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر
مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

مذکور تیری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا
کمی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا

لبوں پر جان عبث ہے منتظر وہ شوخ کب آیا
اگر ہم حلم کو بھی آیا تو ہم جائیں گے اب آیا

تامل کیجیو ذوق تپیدن دیکھئے کیا ہو
کہ ابتک ذبح کرنے کا نہیں قاتل کو ڈھب آیا

ہاتھ تو ہلکا پڑا تھا یار کی شمشیر کا
زخم پر قسمت سے میری کارگر اچھا ہوا

لکھئے اسے خط میں کہ ستم اٹھ نہیں سکتا
پر ضعف سے ہاتھوں میں قلم اٹھ نہیں سکتا

دل تو لگتے ہی لگے گا حوریان عدن سے
باغ ہستی سے چلا ہوں ہائے پریاں چھوڑ کر

ٹھہری ہے ان کے آنیکی یہاں کل پہ جا صلاح
اے جان برلب آمدہ تیری ہے کیا صلاح

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے گا تو آن کے پاس
بدگمان وہم کی دارو نہیں لقماں کے پاس

نہیں تدبیر کچھ بنتے پری سر کو پٹکتے ہیں
نہ دل چھوڑے ہے اسکو اور نہ ہم دل چھوڑ سکتے ہیں

مر گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں
بے وفا پوچھے ہے کیا دیر ہے لے جانے میں

خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں
کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں

وہ جنازے پر میرے کس وقت آتے دیکھنا
جب کہ اذن عام میرے اقربا کہنے کو ہیں

ہاں تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں
ابھی چھاتی میری تیروں سے چھنی خوب نہیں

اس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے سوا
پر واں رقیب ہو تو جہنم سے کم نہیں

دیکھا دمِ نزع دل آرام کو
عید ہوئی ذوق دلے شام کو

عبث تم اپنا رکاوٹ سے منہ بناتے ہو
وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہیں

کھانے پینے کی قسم کھائی ہے تجھ بن ہم نے
ورنہ ہے زہر تو ہر طرح گوارا ہم کو

تو جان ہے ہماری اور جان ہے تو سب کچھ
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ

رخصت ای زندان جنون زنجیر در کھڑکائے ہی
مژدہ خار دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

کون وقت اے وائے گذرا جی کو گھبراتے ہوئے
موت پڑتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

وہ نہ جاگے رات ہم کو ضد سے بخت خفتہ کی
بج گیا آخر گجر زنجیر کھڑکاتے ہوئے

قطرہ قطرہ آنسو جیسے طوفاں شدت ہے
پارہ پارہ دل ہے جس میں تو وہ تو وہ حسرت ہے

قسمت برگشتہ دیکھو ایک نگہ کی تھی ادھر
سو بھی آکر تا سرِ مژگان حیا سے پھر گئی

زخمی میں ہوا ہوں تری دزدیدہ نظر سے
جانے کا نہیں چور مرے زخم جگر سے

وہ اپنے سینہ میں ہے آہ آتشیں لے ذوق
کہ برق دیکھے تو فی النار والسقر ہو جائے

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

الفت کا نشہ جب کوئی مرجائے تو جائے
یہ دردِ سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

کہتے ہیں لوگ موت تو سب جاتے جاتے ہیں
پر میرے پاس سے بھی کوئی کھائے جاتے ہیں

ذکر کچھ چاک جگر سینے کا سن سن اپنے
کیسے میں ضبط ہنسی دیکھوں ہوں ناخن اپنے

زخم دل پر کیوں مرے مرہم کا استعمال ہے
مشک اگر مہنگا ہے تو کیا نون کا بھی کال ہے

جوش گریہ کا میرے تم کچھ نہ پوچھو ماجرا
چادرِ آب رواں منہ پر مرے رومال ہے

زباں پیدا کروں جوں آسیا سینے میں پیکاں سے
دہن کا ذکر کیا یاں سر بھی غائب ہے گریباں سے

فلک کیا فتنہ سازی میں ہو ہمسر چشم فتاں سے
گرا تھا یہ بھی اشک سرمہ آلود اس کی مژگاں سے

یہاں تک ناتواں ہم گذر جائیں اگر جان سے
اٹھائے مور لاشہ کو ہماری دشت مژگاں سے

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے
کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخی دوراں سے

صراط عشق پر از بسکہ ہے ثابت قدم میرا
دم شمشیر قاتل پر بھی خوں جاتا ہے جم میرا

موذیوں کو حق نہ دے آنکھیں کہ تا لاویں بلا
عین حکمت تھی کہ معدوم البصر عقرب بنی

اے غم مجھے تمام شب ہجر میں نہ کھا
رہنے دے کچھ کہ صبح کا بھی ناشتا چلے

بل بے غرور حسن زمیں پر رکھے نہ پاؤں
مانند آفتاب وہ نقش پا چلے

نہ ہوا آب شہادت سے گلو تر نہ ہوا
مستعد جب وہ ہوا ہائے تو خنجر نہ ہوا

جل کے میں خاک ہوا تو بھی رہا دل مضطر
یہ وہ سیماب ہے کشتہ نہ ہوا پر نہ ہوا

ذوقؔ بیمار محبت ہے خدا خیر کرے
کہ یہ آزار ہوا جس کو وہ جاں بر نہ ہوا

اس نے مارا رخ روشن کی دکھا تاب مجھے
چاہئے جائے کفن چادر مہتاب مجھے

کل جہاں سے کہ اٹھا لائے تھے احباب مجھے
لے چلا آج وہیں پھر دل بیتاب مجھے

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں
قبلہ و کعبہ لکھا کرتا ہے القاب مجھے

بے بار روز عید شب غم سے کم نہیں
جام شراب دیدۂ پرنم سے کم نہیں

دیتا ہے دور چرخ کسے فرصت نشاط
ہو جس کے پاس جام وہ اب جم سے کم نہیں

پی بھی جا ذوق نہ کر بیش و پس جام شراب
لب پہ توبہ تیرے دل میں ہوس جام شراب

مجھ کو اس بوسہ دنداں نے پس از بوسۂ لب
دئے لعل نمکیں چند پس جام شراب

تیرے کوچہ کو وہ بیمار غم دار الشفا سمجھے
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے

نگہ کیا اور مژہ کیا ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اس کو پر تیر قضا سمجھے

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے
اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت کو خدا سمجھے

ہر ایک گردش میں سو انداز ناز فتنہ زا سمجھے
فلک کو ہم کسی کافر کی چشم سرمہ سا سمجھے

نہ دی رخصت نظر کو میری جانب کیوں تغافل سے
اسے بھی آپ کیا میرا ہی بخت نارسا سمجھے
حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا
حساب دوستان دردل اگر وہ دل ربا سمجھے
سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوقؔ اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
تصور کس طرح بھولے ترا اس چشم گریاں کو
نکلنے مینہ برستے میں کوئی کیا گھر سے مہماں کو
نکالوں کس طرح سینہ سے اپنے تیر جاناں کو
نہ پیکاں دل کو چھوڑے ہے نہ دل چھوڑے ہے پیکاں کو
دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو
آئے ہے جز میں نظر کل کا تماشا ہم کو
اس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا ہم کو
کہ فلک آیا نظر خاں سے چھوٹا ہم کو
ہم وہ مجنوں ہیں کہ دل اپنا ہے صحرا ہم کو
اور جوں خیمۂ لیلی ہے سویدا ہم کو
کس سے تدبیر درستی ہو ہماری جوں زلف
کہ شکستوں سے بنایا ہے سراپا ہم کو
جابجا نام تو جوں نقش قدم چھوڑ گیا
خاک گم ہو گئے گیا ڈھونڈنے عنقا ہم کو
اثر کفر ہے طاعت سے بھی اپنے پیدا
نقش سجدہ کا ہے پیشانی پہ ٹیکا ہم کو

اپنا ہے کعبہ مقصود فقط گوہر دل
طوف گرداب صفت چاہتے اپنا ہم کو

ایک دم عمر طبیعی ہے یاں مثل حباب
فکر امروز ہے نہ ہے غم فردا ہم کو

ایک حلاوت ہے عداوت میں بھی اس ظالم کی
کہ دیا زہر بھی جو اس نے تو میٹھا ہم کو

ذوق بازی گہہ طفلاں ہے سراسر یہ زمین
ساتھ لڑکوں کے پڑا کھیلنا گویا ہم کو

مرتے ہیں تیرے پیار سے ہم اور زیادہ
تو لطف میں کرتا ہے ستم اور زیادہ

گھبراتا جو یاد آیا ترا ہو کے ہم آغوش
گھبرانے لگا سینہ میں دم اور زیادہ

اس زلف کے مارے کی اگر خاک کو چاٹے
بیدالب افعی سے ہو سم اور زیادہ

ہیں تیرے رشک خط رخسار سے
دل میں آئینہ کے جوہر خار سے

شرح فرط حسرت دیدار سے
جو نگہ ہے کم نہیں طومار سے

بعد مردن بھی خیال چشم فتاں ہی رہا
سبزہ تربت میرا وقف غزالاں ہی رہا

میں ہمیشہ عاشق پیچیدہ مویاں ہی رہا
خاک پر روئیدہ میرے عشق پیچاں ہی رہا

پاؤں کب نکلا ر کا اب حلقۂ زنجیر سے
توسن وحشت ہمارا گرم جولاں ہی رہا

کب لباس دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامہ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز
کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

سب کو دیکھا اس نے اور اس کو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

آگے زلفیں دل میں بستی تھیں اور اب آنکھیں تری
ملک دل اپنا ہمیشہ کافرستان ہی رہا

حلقۂ گیسو میں دیکھی کس کے رخسارہ کی تاب
شب مہ ہالہ نشیں سر در گریباں ہی رہا

مجھ میں اس میں ربط ہے گویا برنگ بوئے گل
وہ رہا آغوش میں لیکن گریزاں ہی رہا

دین و ایماں ڈھونڈتا ہے ذوق کیا اس وقت میں
اب نہ کچھ دیں ہی رہا باقی نہ ایماں ہی رہا

مے ملا کر ساقیان سامری فن آب میں
کرتے ہیں جادو سے اپنی آگ روشن آب میں

زلف افعی وش کو دھووے گر وہ پرفن آب میں
ہووے جائے موج پیدا مار دہ زن آب میں

چشمۂ آئینہ میں کب تر ہوا پلتے نگاہ
اس طرح جاتے ہیں وہ بچا پاک دامن آب میں

پھرتا ہے سیلِ حوادث سے کوئی مردوں کا منہ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقت رفتن آب میں

صحبت صافی دلوں سے ہوں مکدر تیرہ دل
رنگ سے آلودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں

اب بھی گریہ سے نہیں فرصت مجھے فوارہ وار
گو کہ میں ڈوبا کھڑا ہوں تا بہ گردن آب میں

طاس قلیاں میں رکھا ہے اس نے ابر مردہ کو
ڈوب مر رو رو کے تو اے ابر بہمن آب میں

دیکھنا آبی دو پٹا منہ پہ اس کے وقت خواب
برج آبی میں ہے مہ یا مہر روشن آب میں

میں وہ ہوں تفتیدہ دل کر جائے ایک دریا کو جذب
گر پڑے گر ذرہ میرے خاک مدفن آب میں

یوں رہا میں زندگی بھر تشنۂ دیدار یار
جیسے مستسقی کا دم ہوتا ہے مر دن آب میں

سایۂ سرو چمن مجھ بن ڈراتا ہے مجھے
اژدہا بن بن کے شب اے رشک گلشن آب میں

وعدہ ہے آنیکا اس کے ابر کھل جائے تو آئے
ڈالتا ہوں دمبدم اٹھ اٹھ کے روغن آب میں

خط کو ہم لکھنے جو بیٹھے آنکھوں سے اُمڈے یہ اشک
بہہ گیا خط لکھتے لکھتے مشفق من آب میں

تیر چٹکی میں لیا اس نے پئے جان عدو
رشک میرے دل میں کیا کیا چٹکیاں لینے لگا

نام میرا سن کے مجنوں کو جنبھائی آگئی
بید مجنوں دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا

مجھ کو ہر شب ہجر کی ہونے لگی جوں روز حشر
مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا

لے کے آئینہ جو دیکھی حسن کی اپنے بہار
اپنا بوسہ آپ وہ غنچہ دہاں لینے لگا

حسن سے ہے تا دل آہن بھی گرم اختلاط
شمع کی گلگیر جب منہ میں زباں لینے لگا

موت اس کو یاد کرتی ہے خدا جانے کہ گور
یوں ترا بیمار غم جو ہچکیاں لینے لگا

رات کو اے ذوق اس کی نوک مژگاں کا خیال
تن پہ ہر مو سے میرے کار سناں لینے لگا

زندہ تو ڈوبے ہے اور تیرے مردہ آب میں
بوجھ شاید جسم کا کم ہے نفس کے بوجھ سے

مت لگا اے عشق دل کے آبلہ پر نقش غم
ٹوٹ جائے گا یہ گنبد اس کلس کے بوجھ سے

باندھ دے ناقہ کے گردن میں دل نالان قیس
بوجھ کم ہے اس کا اے لیلیٰ جرس کے بوجھ سے

کہاں تلک کہوں ساقی کہ لا شراب تو دے
نہ دے تو جام ڈبو کر کوئی کباب تو دے

کھلی ہے ناز سے گلشن میں غنچۂ نرگس
ذرا دکھا اسے تو چشم نیم خواب تو دے

بلا سے آپ نہ آئیں پر آدمی ان کا
تسلی آ کے مجھے وقت اضطراب تو دے

صبا بگولے میں ہو کشتگان زلف کی خاک
کہ بعد مرگ بھی معلوم پیچ و تاب تو دے

بلا سے کم نہ ہو گریہ سے میرا سوز جگر
بجھا پر ان کی ذرا آتش عتاب تو دے

نشہ میں ہوش کسے جو گنے حساب کرے
جو تجھ کو دینے ہیں بوسے بلا حساب تو دے

جواب نامہ نہیں گر تو رکھ دو ناشہ یار
جو پوچھیں قبر میں عاشق سے کچھ جواب تو دے

رکھے ہے حوصلہ دریا کب اہل ہمت کا
نہیں یہ اتنا کہ بھر کاسہ حباب تو دے

خنک دلوں کی اگر مشت خاک دوزخ میں
پڑے تو واقعی ایک بار آگ داب تو دے

پہنچ رہوں گا سر منزل فنا اے ذوق
مثال نقش قدم کرنے پا تراب تو دے

کب حق پرست زاہد جنت پرست ہے
حوروں پہ مر رہا ہے یہ شہوت پرست ہے

دل صاف ہو تو چاہئے معنی پرست ہو
آئینہ خاک صاف ہے صورت پرست ہے

دولت کی رکھ نہ مار سرِ گنج سے امّید
موذی وہ دے گا کیا کہ جو دولت پرست ہے

عنقائے گم نشان کیا نام کے لئے
گم گشتہ کون کہتا ہے شہرت پرست ہے

یہ ذوقِ مے پرست ہی یا ہی صنم پرست
کچھ ہے بلا سے لیک محبّت پرست ہے

شوقِ نظارہ ہے جب سے اس رخ پُر نور کا
ہے مرا مرغِ نظر پروانہ شمعِ طور کا

نزع میں بھی دھیان تھا اس نرگس مخمور کا
مجھ کو شربت میں مزہ آیا مے انگور کا

وادیٔ ظلمت میں اپنے دخل ہے کب نور کا
پھر ایک شعلہ سا ہے سو بھی چراغ دور کا

تیرے کوچہ میں تن لاغر ترے رنجور کا
ایک غبار ناتواں ہے کاروانِ مور کا

میں وہ ہوں نخچیر جس کو دیکھتا ہی وقت ذبح
دیدۂ حسرت سے حلقہ جوہرِ ساطور کا

اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رشکِ پری
بال بھی باندھے جو مسی پر تو زلفِ حور کا

دل کا یہ احوال ہے غم میں ترے اے مست ناز
جیسے مرجھایا ہوا دانہ کوئی انگور کا

حق تو یوں ہے یہ انانیت عجب غماز ہے
قصہ پہنچایا زبان دار پر منصور کا

عشق کے مکتب میں ہو فرہاد سب سے تیز ذہن
تین من چلنے اگر تعویذ میری گور کا

جھانکتے ہیں وہ ہمیں جس روزنِ دیوار سے
وائے قسمت ہو اسی روزن میں گھر زنبور کا

کھینچے مانی اس پری کی کیونکہ تصویر کفک
جمع ہو جب تک نہ رنگ سرخ رقتے حور کا

تو ہو بعد از مرگ بھی گر اے محبت دستگیر
استخواں سے ہو میری دستہ تیرے ساطور کا

عشق نے ڈالی تھی جب قصرِ محبت کی بنا
لکھ دیا تھا کوہ کن بھی نام ایک مزدور کا

بل بے وحشت اب تلک بھی شاخ آہو کی طرح
پیچ کھاتا ہے دھواں میرے چراغ گور کا

ذوق راہِ عشق وہ کوچہ ہے جس کی خاک میں
ہے درِ تاج سلیماں بیضہ بیضہ مور کا

شمع نازاں نہ ہو ایک رات بہا آنسو گرم
برسوں یاں چشم سے ٹپکا ہے میرے لہو گرم

ہر روش بل بے تیرے حسن جہاں تاب کی تاب
رخ سے گرم آئینہ ہو آئینہ سے زانو گرم

دست خورشید کے رعشہ سے سپر جا چھوٹ
کھینچ کر تیغ کو جب ہو وہ ہلال ابرو گرم

دلِ عاشق کے جلانے کا ہے سارا ساماں
بنیٔ شعلہ ہے ترے رنگ بھبو کا رو گرم

کونسا سوختہ جاں صبح سے ہے گرم فغاں
کہ ہوا آتی ہے کوچہ سے ترے گلرد گرم

ہم تو سنتے تھے سدا گل کا حموض بارد
ذوق ہوتا ہے وہ کیوں ہو کے ترش ابر و گرم

قبر میں عاشق جو تیرا مضطرب احوال ہے
لوح بالیں پر بھی لکھا سوختہ زلزال ہے

ہم نے جانا تھا کف پا میں تمہاری حال ہے
لیکن اب دیکھا سویدائے دلِ پامال ہے

ابر برسوں رو چکا پر سوزِ غم سے اب تلک
خاک میرے ڈھیر کی اڑنے میں جیسے رال ہے

میری دودِ آہ سے یاں تک زمانہ ہے سیاہ
آفتاب آسمان زنگی کے منہ کا خال ہے

دل میں شکل یار کب آئے نظر بے اضطراب
قلعی سیماب بن آئینہ بے تمثال ہے

میں وہ مجنوں ہوں کہ میرا کاغذ تصویر بھی
مثل عیدی باعثِ خوشنودی اطفال ہے

جب سے ہے دل میں کسی کی نوکِ مژگاں کی خلش
نشترِ زنبور ہے تن پر میرے جو بال ہے

دل پہ ہوں گر داغ سوزانِ عشق میں اے کوہ کن
پھر تو خسرو کا بھی گنج سوختہ کیا مال ہے

کھاؤں میں ہجر اس بن کیونکہ دل ٹکڑے نہ ہو
جو رگِ پان ہے وہ مجھ کو شیر کا سا بال ہے

ہیں جہاں مدفن تمہارے کشتگانِ زلف کا
نخل کی جا بید مجنوں ہے وہاں پیدا جہاں ہے

شوخ قاتل کو مرے کیا چاہئے ہے رنگ پان
خونِ اعجاز مسیحا سے لب اس کا لال ہے

بسکہ ہے نوروز اپنا آفتابِ بادہ سے
دورِ ساغر ہم کو ساقی گردشِ یک سال ہے

کھل گیا مضمونِ شکستِ دل کا بن خط کے پڑھے
نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے

ہے اسیرانِ محبت کی بلا سینہ میں آگ
شعلۂ جوالہ ساں طوق گلو تک لال ہے

روزِ محشر سے کئی دن دیکھنے کو چاہئیں
گر یہی اے ذوق طولِ نامۂ اعمال ہے

موتے سر مارانِ سیہ کا ایک سر اسر لشکر ہے
مانگ جو ہے ایک یار سفید اس لشکر کا سر لشکر ہے

آبلہ ہائے سینہ جو خیمہ سے دکھائی دیتے ہیں
مزرعِ دل پر میرے پڑا کیا غم کا آ کر لشکر ہے

ہووے دلِ مظلوم ہمارا کیوں نہ شہید دشت بلا
در پے اس کے شامیوں کا وہ زلفِ معنبر لشکر ہے

کعبۂ توبہ خدا ہی رکھے آج کہ جوش ابر نہیں
ایک اصحاب الفیل کا سایہ دوش ہوا پر لشکر ہے

میں وہ شاہِ کشورِ غم ہوں یارو جس کے ساتھ سدا
جوشِ اشک کی دولت سے جوں موج سمندر لشکر ہے

گاہ ہجوم یاس میں ہے دل گاہ ہجوم حسرت میں
ہے یہ مرد سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے

خال چشم جاناں کا مژگاں سے تجمل دیکھیو تو
اترا پشت پہ مچھلی کے کیا لیکے سکندر لشکر ہے

ہووے امام برحق پیدا ذوق اگر تو دیکھا بھی
ہوتا گرد اسلامیوں کا جل ہجہ گوہر لشکر ہے

میں ہجر سے مرنیکے قریں ہو ہی چکا تھا
تم وقت پہ آپہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

جینا نظر اپنا ہمیں اصلا نہیں آتا
گر آج بھی وہ رشک مسیحا نہیں آتا

مذکور تیری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

کیا قہر ہے وقفہ ہے ابھی آنے میں اس کے
اور دم میرا جانے میں توقف نہیں کرتا

کرے ہے شرع کا پاس نمک مدام شراب
حرام ہی نہیں لیکن نمک حرام شراب

یہ ایسا ماہ مبارک یہ ایسا کار سعید
شروع دیکھ کے کیجے مہ صیام شراب

بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج
کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

فرقت کی رات جی چکے ہم تازمان صبح
ہو گی اذان گور ہماری اذان صبح

پُر نور ہے ترا رخ سیمین لبسان صبح
آنکھیں ہیں تیری مست صبوحی کشان صبح

اب میکدہ میں شام کو ناقوس پھونکئے
مسجد میں مدتوں رہے ہے تسبیح خوان صبح

ریش سفید شیخ میں ہے ظلمت غریب
اس مکر چاندنی میں نہ کرنا گمان صبح

ہے زلف تیری سنبل صحن چمن کی شاخ
قطروں سے پر عرق کی بنی یاسمن کی شاخ

چمن سے بعد ہیں جیسے سین وقاف قفس
قفس میں بند ہیں ہم مثل فائے صاف قفس

پر کترنے کو جو صیاد نے چاہی مقراض
ہاتھ ملتی تھی مرے حال پہ کیا ہی مقراض

نام فریاد سے ہوتے ہیں جگر کے ٹکڑے
ہوتا ہے حق میں مرے مطلع آہی مقراض

بحر و بر میں ہے ہر ایک کو ہوس قطع و برید
ناخن شیر ہے خنجر دُم ماہی مقراض

پھر کر ادھر ادھر بھی نہ اپنا گیا قلق
لفظ قلق کی طرح سے یوں ہی رہا قلق

عنقا کی طرح خلق سے عزلت گزین ہوں میں
ہوں اس طرح جہاں میں کہ گویا نہیں ہوں میں

اس در پہ شوق سجدہ سے فرشِ زمیں ہوں میں
مانند سایہ سر سے قدم تک جبیں ہوں میں
میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں
میں ہوں تمہارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں
میں وہ شکستہ دل ہوں نہ دوزخ میں تنگ ہوں
آہن کی طرح آگ میں بھی لالہ رنگ ہوں
جو ہے سو پہلے میرے اٹھانے کی فکر میں
محفل میں اس کی میں کوئی جوہر کا رنگ ہوں
مزے جو موت کے عاشق بیان کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے
غرض تھی کیا ترے تیروں کو آب پیکان سے
مگر زیارت دل کیوں کہ بے وضو کرتے
اگر یہ جانتے چن چن کہ ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھو نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
نہ رہتی یوسف کنعان کی خوبی بازار
مقابلہ میں جو ہم تجھ کو روبرو کرتے
یقیں ہے صبح قیامت کو بھی صبوحی کش
اٹھیں گے خواب سے ساقی سبو سبو کرتے
سراغ عمر گذشتہ کا کیجئے گر ذوق
تمام عمر گذر جائے جستجو کرتے
جس ہاتھ میں خاتم لعل کی ہو گر اس ہی نے لفسر کش ہو
پھر زلف بنی وہ دست موئی جبیں اخگر آتش ہو

پوشاک آبی آپ کو گر دل پسند ہو
دریا پری حباب کے شیشہ میں بند ہو
لگے اس شعلہ خو کے کون مجھ سا زار دامن سے
الجھ سکتا ہے کوئی برق کے بھی خار دامن سے
لگے ہے اس تمنا میں سرے ہر خار دامن سے
کروں دستار میں گر ہو عطا ایک تار دامن سے

۲۱۱۔ ذوقا تخلص

نام ذوقا شاہ، بنارس کے ایک درویش تھے ننگے پیر اور ننگے سر رہتے تھے میرٹھ چلے گئے تھے نمونہ کلام یہ ہے:۔

نے بام کے ہیں زیب نہ زینت کسی در کے
ہم باٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ ادھر کے

۲۱۲۔ ذوقی تخلص

نام ذوقی رام، مراد آباد کے رہنے والے اور ذکی مہدی علی کے شاگرد تھے، عطر فروشی کر کے روزی حاصل کرتے تھے، کہتے ہیں کہ ہولی کے موسم میں جو ہندوؤں کے لئے عیش کا زمانہ ہے فقیروں کی طرح کوچہ و بازار میں شعر پڑھتے پھرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ملنے سے تصور میں کچھ کم نہ مزا دیکھا
گر وہ نہ ہوا اس کی تصویر ہے اور میں ہوں

۲۱۳۔ ذوقی تخلص

شاہ ذوقی، لکھنؤ کے ایک درویش ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اپنی یہ چاہ اس کی وہ صورت
اے عزیزو نگاہ کیجئے گا
رکھ ہاتھ وہ قبضے پہ یہ ہم ہو لگا کہنے
اب تو ہے سراسر یہ شمشیر ہے آدمیں ہوں

(ر)

۲۱۴۔ راقم تخلص

غلام محمد اکثر خطوں میں مہارت رکھتے تھے، فارسی دانی میں بھی مشہور تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بس کر چکے عاشقی مری جان
غصہ سے ترے جو ڈر گئے ہم
جب میں نے کہا تم نے ملاقات اڑا دی
تو اس نے ہنسی میں یہ مری بات اڑا دی

۲۱۵۔ راقم تخلص

نام بندرابن، بعض نے ان کو متھرا کا اور بعض نے جہاں آباد کا رہنے والا لکھا ہے ان کے نام کے قرائن سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ متھرا کے باشندے ہوں گے، ان کی شاگردی کے بارے میں بھی اختلاف ہے، ایک نے ان کو مرزا مظہر کا اور دوسرے نے مرزا رفیع سودا کا شاگرد لکھا ہے، بہرحال ان کے اشعار سنئے اور اس بحث کو فراموش کر دیجئے:۔

مری بدشرابیوں سے کریں توبہ مے گساراں
رہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات ماراں

یاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

۲۱۶۔ راغب تخلص

نام مرزا سجان قلی بیگ ایرانی الاصل تھے، جہان آباد میں پیدا ہوئے، ایک عرصہ تک انشاءاللہ خاں سے کشیدگی رہی اور بہت سی رکیک ہجویں لکھیں، سعادت یار خاں رنگین کے دوستوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

رشک چمن جو اٹھ گیا آج ہمارے پاس سے
اپنے برنگ گل یہاں اڑ گئے کچھ حواس سے
منہ دوپٹے میں چھپایا اس نے
دل کو پردے میں لبھایا اس نے

۲۱۷۔ رافت تخلص

نام رؤف احمد، ان کا سلسلہ نسب شیخ احمد قدس اللہ سرہ العزیز تک پہنچتا ہے جو مجدد الف ثانی مشہور ہیں، لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور رام پور میں رہتے تھے، قلندر بخش جرات کے شاگرد تھے، بارہا دہلی آئے اور غلام علی شاہ سے طریقہ صوفیہ سیکھا، صنائع لفظی کے شائق تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یہ کس کے مژگاں کی آہ یارب پھرے ہیں یا رب میں ہماری بر میں
کہ شکل غربال پڑ گئے ہیں ہزاروں روزن دل وجگر میں

۲۱۸۔ راسخ تخلص

نام غلام علی، درویشانہ زندگی تھی، ۱۲۳۸ھ میں انتقال کیا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دشمنی در پردہ کی اے وائے تم نے کیا کیا
آپ تو پردہ میں بیٹھے اور ہمیں رسوا کیا
اب ادھ لگا ہو نے ایجاد گلستاں میں
راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں

۲۱۹۔ راجہ تخلص

راجہ بہادر مہاراجہ شتاب رائے کے فرزند تھے، جو صوبہ بنگال کے ناظم تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔
یہ زخم دل ہمارے مرہم تلک نہ پہنچے
ہم ان تلک نہ پہنچے وہ ہم تلک نہ پہنچے

۲۲۰۔ رجا تخلص

نامعلوم شخص ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔
مہ رُو کے شب کو آنے کی یاں دھوم دھام ہے
بہتر ہزار صبح سے یہ اپنی شام ہے

۲۲۱۔ رسا تخلص

امیر تیمور کے خاندان سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔
ہم بھی ہیں رسا وقت کے یاں اپنے سلیمان
ہیں قید میں ہر ایک پری زاد ہمارے

۲۲۲۔ رسا تخلص

مولوی علیم اللہ، اضلاع شرقی (پورب) کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کب حوصلہ تھا دل کو ستمگر کی چاہ کا
خانہ خراب ہو نگہ رو سیاہ کا

۲۲۳۔ رستم تخلص

سید رستم علی خاں جالندھر کے رہنے والے تھے جو علاقہ سہارنپور کے مضافات میں سے ہے اور نواب عبداللہ خاں فرخ سیری کے پوتوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کب تلک ہجر کے دن دیکھئے ہم دیکھیں گے
آستین اشک سے ہر رات کو نم دیکھیں گے

۲۲۴۔ رسوا تخلص

نام آفتاب رائے جوہری، محمد شاہ کے عہد میں یہ رسوا لڑکا کوچہ اور بیابان میں پھرتا رہتا تھا اور تھوڑی دیر بھی بغیر شراب پئے اس کو چین نہیں پڑتا تھا، نہایت پسندیدگی کے باعث اس نے مرتے وقت حاضرین بالین کو وصیت کی تھی کہ اس کو شراب سے نہلائیں، کہتے ہیں کہ ایسا ہی کیا گیا، اس کے کپڑوں سے قطعی بو نہیں آتی تھی، اس کی صداقت کی ذمہ داری راوی پر ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کوئی جا نہیں زمین پہ کہ اشکوں سے نم نہیں
رسوا بھی اس زمانے میں مجنوں سے کم نہیں
وصل میں بے خود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

۲۲۵۔ رضا تخلص

رام پور کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اب کوئی لحظہ میں مجنوں پہ بلا آتی ہے
جرس ناقۂ لیلےٰ کی صدا آتی ہے

۲۲۶۔ رضا تخلّص

میر رضا علی طغرا نویس، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

ہدف ناز جو کل سینے کا صندوق ہوا
تیر جو دل میں لگا سو لب معشوق ہوا
مت پوچھو رضا کا کچھ حال غم تنہائی
ایک دل تھا سو کھو بیٹھا ایک سر ہے سو سودائی

۲۲۷۔ رضا تخلّص

حمید الدین، حکیم کلو ئی چاند پوری کے صاحبزادے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

آہ کیا دن تھے کہ ہم ساتھ ترے اے گل رو
دو قدم صحن خیاباں میں چلے بیٹھ گئے
اب یہ حالت ہے کہیں چھپ کے ترے کوچہ میں
ہیں گنہ گار جو دیوار تلے بیٹھ گئے

۲۲۸۔ رضا تخلّص

میر محمد رضا عظیم آباد کے رہنے والے ہیں، میر رضا سے فیض یاب ہوئے، عالم جوانی میں بہت عبادت و ریاضت کی طرف مائل ہوئے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

اس کا کچھ انجام بھی سمجھا کہ تو نے اے فلک
حسن روز افزوں وہاں یاں عشق شور افزا دیا

۲۲۹۔ رضا تخلص

مرزا جیون ولد مرجان میر نظام الدین ممنون کے شاگرد اور اسی دیار کے رہنے والے اور صاحب دیوان تھے راقم سے ان کی شناسائی تھی، کچھ سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

تمہارے وصف دندان میں یہ ہم جو شعر کہتے ہیں
کہ گویا رشتۂ مضمون میں موتی پروتے ہیں

غیر سے گرم اختلاط ہے وہ
ہم بھی سنتے ہیں اور جلتے ہیں

کون سے وحشی کی اس کو اس قدر ہے یاد آہ
سنگ سے اب تک بھرا جو دامن کہسار ہے

۲۳۰۔ رضا تخلص

سید میر مہدی، لکھنؤ کے رہنے والے اور میر ضیاء کے شاگرد ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

نقش شیریں کا مٹے پتھر سے پر اس کا خیال
یہ نہیں ممکن کہ جاوے خاطر فرہاد سے

۲۳۱۔ رضی تخلص

سیف الدولہ، سید رضی خان بہادر صلابت جنگ، شاہ جہاں آباد کے رہنے والے اور خاندانی رئیسوں میں تھے، اثنا عشریہ کے مسائل سے واقفیت کے باعث مشہور تھے۔ کچھ دن ہوئے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ فقیر سے بھی ان کی شناسائی تھی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مرے قتل کرنے میں دو فائدے ہیں
ترا نام ہو گا مرا کام ہو گا

بن عشق آدمی کی ذرا شان ہی نہیں
جس کو نہ ہووے عشق وہ انسان ہی نہیں
دیکھ ٹک شمع کو عاشق کے ستانے والے
کس طرح جلتے ہیں اوروں کے جلانیوالے

۲۳۲۔ رضی تخلص

مرزا رضی خان منجم لکھنؤ کے امرا میں سے اور نواب وزیر الممالک کے رشتہ دار ہیں، ریختہ میں مثنوی "لیلیٰ مجنوں" ان کی تصنیف ہے، لیکن نظر سے نہیں گزری، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی
یہ ہم پہ مہربانی ہے اس مہربان کی

۲۳۳۔ رغبت تخلص

میر ابو المعالی، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یاد ہیں راتوں کو چھپ چھپ کے وہ آنا اپنا
چٹکیاں میری وہ لے لے کے جگانا اپنا

۲۳۴۔ رغبت تخلص

مرادآباد کے رہنے والے ہیں، ان کا نام معلوم نہ ہو سکا، ان کا یہ شعر قلم بند کیا گیا:۔

جس کو اپنی نہیں پرواے جگر سوزی کچھ
اس کی ہر بات پہ کیوں جی کو جلاتے پھریے

۲۳۵۔ رفیق تخلص

مرزا اسد بیگ، دہلی کے رہنے والے اور ثناء اللہ خاں فراق کے شاگرد ہیں، مشاعرے منعقد

کرنے کے شائق ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :-

روشن رہے گا داغ دل عاشقاں مدام
ہوگا نہ حشر تک یہ چراغ مزا گل
ہیہات گر کے ہم نہ اٹھے پھر زمین سے
مانند نقش پا ترے کوچہ میں مر مٹے

۲۳۶۔ رفیقؔ تخلص

نام امین اللہ، نمونہ کلام یہ ہے :-

رہ عشق کے پیچ و پیچ میں جو رفیق تھے سو جدا ہوئے
مگر ایک نالۂ آہ کو مرے دم تے ہم سفری رہی

۲۳۷۔ رفاقتؔ تخلص

نام مرزا مکین، جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں، عالم جوانی میں انتقال کیا، نمونہ کلام یہ ہے :-

واں کیونکہ روئیے کہ منادی جہاں یہ ہو
زانو پہ سر کو دھر کے نہ بیٹھا کرے کوئی
برسوں کی ایک دم میں رفاقت جو چھوڑ دے
کیا ایسی زندگی کا بھروسا کرے کوئی

۲۳۸۔ رفیعؔ تخلص

رفیع الدین خاں، لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے ہیں، مراد آباد آئے اور حرمین شریف کی زیارت کو چلے گئے، نمونہ کلام یہ ہے :-

ناتوانوں کے ستانے سے حذر کر ظالم
عرش بھی آہ سے مظلوم کی ہل جاتا ہے

۲۳۹۔ رشتِ تخلص

مرزا قاسم علی، اصل میں مشہد مقدس کے رہنے والے تھے، ان کے ایک بزرگ کشمیر میں آکر سکونت پذیر ہوئے، آپ اسی شہر میں پیدا ہوئے، لکھنؤ چلے گئے تھے اور جرأت سے اکتسابِ سخن کیا نمونہ کلام یہ ہے:۔

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا
یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

ہمارے سامنے مت ابر بار بار برس
جو ہم سے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی
اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

دیوار گل رخاں کا سایہ مگر پڑا ہے
زاہد بتا تو مجھ کو طوبے میں شاخ کیا ہے

۲۴۰۔ رنگین تخلص

سعادت یار خان، محکم الدولہ طہماسپ بیگ خاں کے صاحبزادے ہیں، ان کو فنِ سپہ گری سے قدرے واقفیت ہے، انہوں نے اکثر شہروں کی سیر و سیاحت کی، عالم جوانی میں معاشقے کئے، ملنسار اور خوش مذاق انسان ہیں، معمر ہونے کے باوجود ظریف الطبع ہیں، شاہ حاتم کے شاگرد ہیں، شاعری کے مختلف اصناف میں کئی دیوان ترتیب دئے اور مجلد کرائے جو ''نورتن'' کے نام سے موسوم ہوئے، چونکہ دوسرے دواوین ہزل اور ریختی

پر مشتمل ہیں، جن کا ذکر اس تذکرہ میں نامناسب معلوم ہوتا ہے، اس وجہ سے دیوان ریختہ اور ریختہ سے بدقت تمام کچھ اشعار منتخب ہوئے، اس تذکرہ کے اختتام پر ان کا انتقال ہوا اور یہ واقعہ ماہ جمادی الثانی ۱۲۵۱ھ کا ہے، اسی سال کی عمر پائی، عجیب باتوں میں سے جو وہ کہتے تھے یہ ہے کہ اس سال میرا انتقال ہوگا، جب سبب دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ کئی برس ہوئے بلا خواہش مصرعہ تاریخ وفات میری زبان پہ آیا جو میرے انتقال کی خبر دیتا ہے اور اپنے استاد شاہ حاتم کا جو مشہور شاعر ہیں قصہ بیان کیا کہ ان کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، نمونہ کلام یہ ہے:-

بوسہ تو ہم کو دے کر ثابت گناہ کرلے
گر قتل تجھ کو قاتل منظور ہے ہمارا

غرض مند اپنے مطلب سے لکھے ہے کام اے رنگین
وہ آئے یا نہ آئے میں بلائے بن نہیں رہتا

کھینچ لائی ہے اسے اے کشش دل یاں تک
بارے صد شکر کہ تجھ کو بھی یہ مقدور ہوا

اسے ہے شوق کہانی کا ان دنوں میں بہت
یہ طور خوب ہے احوال دل سنانے کا

کیا کرتے ہو ناصح تم نصیحت رات دن مجھکو
اسے بھی ایک دن کچھ جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

پرندے کا نہیں مقدور جو واں جا کے پر مارے
کبوتر گر ہمارا نامہ بر ہوگا تو کیا ہوگا

کر اپنے دل میں تو انصاف میں روٹھا ہوں کیونکر
گلے میں ڈال کر باہیں منانا تیرا یاد آیا

قسم ہے ایک عالم کو رلا دیتا ہے اے رنگین
وہ اس کی جھڑکیاں کھا کر ترا مجبور ہو جانا

زاہد بتا تو کعبہ میں کیا دیکھتا ہے تُو
جاتے ہیں دیر میں تو صنم دیکھتے ہیں ہم

تو نہ گزرے گا جفا سے تو یار
جان سے اپنے گذر جائیں گے ہم

گھر سے تیرے روٹھ کے میں جاتا ہوں روتا اس طرح
جیسے تو مکتب کو جاتا تھا کسی ہنگام میں

جو پوچھتا ہوں تغافل سے کیوں جلاتے ہو
تو وہ کہے ہے تجھے جان کر جلاتا ہوں

دیکھتے ہی ان کو ہو جاتے ہیں شادی مرگ ہم
ان کو پاتے ہیں تو پھر ہم آپ کو پاتے نہیں

مسجد میں رہے کعبہ گئے دیر میں بیٹھے
یک چند سے اب سیر خرابات کو جی ہے

حوروں کے عوض مجھے الٰہی
دنیا میں تو ایک نازنین دے

کب مجھ کو بہشت کی ہے خواہش
دیتا ہے جو کچھ سو لاہیں دے

یہی رونا جو ہے تو تم رنگین
اس کے کوچہ سے آج کل نکلے

صلح کو تب آئے اپنے ہم نشین
مجھ میں اس میں جب صفائی ہو چکی

اے میں چھپ کے دیکھوں برملا وہ غیر کو دیکھے
بھلا یوں دیکھنا دیکھے تو دیکھا جائے ہے مجھ سے

وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگینؔ
اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

یہ میرا جی ہی جانے ہے تری لکنت کے عالم کو
خدا شاہد ہے کچھ تقریر مجھ سے ہو نہیں سکتی

اس اپنے ہاتھ کے گل کی کہوں کیا ایک کہانی ہے
نشانی ان کی چھلا تھا سو اس کی یہ نشانی ہے

دم بدم بسکہ ترا حسن فزوں ہے ظالم
روز جی میں ہے کہ کھنچوائیے تصویر نئی

قیامت پر رہا موقوف پھر تو دیکھنا اس کا
اگر ایکدم کے دم آنے میں وہ تاخیر کرتا ہے

بنے گی اس سے صحبت کس طرح کچھ کہہ نہیں سکتے
وہ ہرجائی ہے اور بن شغل ہم بھی رہ نہیں سکتے

۲۴۱۔ رنگینؔ تخلص

پورن لعل کائستھ، دہلی کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

رنگیں نہیں ہیں قطرۂ شبنم یہ باغ میں
باد صبا نے مے سے بھرا ہے ایاغ گل

۲۴۲۔ رندؔ تخلص

گنگا پرشاد لکھنوی کشمیری، جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

مل چکا ہیں خاک میں اور دل میں ہے تیرے غبار
جان مجھ سے اس قدر کس نے مکدر کر دیا

روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم
وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا چرا کر
مانتے ہو گر بُرا معشوق کہنے سے تو جان
ہم تمہیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں
دیکھیں جو کسی طرف تو رک جائے
کیا کہیئے اب ایسے بدگماں کو
وہی فغاں ہے وہی آہ ہے وہی نالہ ہے
خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہے سو ہے
نکلا کبھی نہ گھر سے وہ بے رحم تا تلک
چوکھٹ سے اس کی مر گئے سر مار مار کے

۲۴۴- رِند تخلص

نام مہربان خان، نواب احمد خان بنگش ناظم فرخ آباد کے متوسلین میں سے ہیں، اور نواب ذوالفقار الدولہ مرحوم کے زمانہ میں افراسیاب خاں کی ہمراہی میں گذارتے تھے، مرزا رفیع سودا ان کے مدح گویوں میں سے ہیں، ان کو فن موسیقی سے بھی قدرے واقفیت تھی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جس کا تجھ سا حبیب ہووے گا
اس کا عالم رقیب ہووے گا
دل کا گھبرانا کہوں یا کہ نفس کی تنگی
دیکھیئے کیا کرے صیاد قفس کی تنگی
ہے مری جان کا یہی دشمن
رند اس دل کو خوار ہونے دے

دیتے ہیں عقد حُسن میں عاشق عروس جان
آتا نہیں تو آپ تو تلوار بھیج دے

۲۴۴۔ رنجؔ تخلّص

نام میر محمد نصیر۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے سجادہ نشین کے پوتے ہیں، اکثر صفات سے متصف اور موسیقی کے نکات سمجھنے والوں میں مشہور ہیں، تسلیم و رضا کے مالک ہیں، ان کی صحبت منبسط اور دلکش ہے، راقم نے بھی ان کی صحبت سے برکت حاصل کی ہے اور دوران گفتگو میں شعر و شاعری کا ذکر بھی آیا ہے، شعر کی پرکھ میں اچھا سلیقہ رکھتے ہیں، اس وقت شاعری نہیں کرتے، اس تذکرہ کی ترتیب کے وقت ان کا کلام منگوایا اور انتخاب کے بعد قلم بند کیا گیا:۔

خط دیکھ کر ادھر تو مرا دم الٹ گیا
قاصد ادھر بدیدۂ پرنم الٹ گیا

یقین ہو گیا دیکھ کر اس کا قامت
کہ بےشک قیامت میں دیدار ہوگا

کھڑکی نکال جانب دشمن نہ بام پر
کوٹھے چڑھی جو بات کُھلی خاص و عام پر

یاد دلوا کے جو ہم بستری یار رلائے
سو وہ تصویر نہالی ہے بغل کا دشمن

دل یہ جس کے لئے پہلو میں تپاں رہتا ہے
یوں سنا ہے کہ اسے بھی خفقان رہتا ہے

دیکھی نہیں حالت یہ خدائی میں کسی کی
ہے طور جدا اپنا جدائی میں کسی کی

۲۴۵۔ رونق تخلص

میر غلام حیدر خان عظیم آباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

رحم کر اے دوست گاہے خاکساری پر میری
نقش پا کی طرح تیری راہ میں افتادہ ہوں

۲۴۶۔ روشن تخلص

ان کا حال روشن نہ ہوا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جی میں یہ تھا کہ جان کیجے نثار
ایک دم بھی وہ بے وفا نہ رہا

۲۴۷۔ روشن تخلص

نام روشن شاہ، اپنے وطن بریلی سے انتقال سکونت کر کے میرٹھ چلے بیوی بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر تجرد کی زندگی اختیار کی اور سکون و اطمینان کی زندگی گزارنے لگے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دیکھ کے مجھ کو منہ کو چھپایا اور حیا کا نام کیا
واہ رے تیری دانش مندی اس میں بھی ایک کام کیا

غیر سے ہوویں یار کی باتیں
ہیں یہ پروردگار کی باتیں

آپ کرتے ہیں بار بار نہیں
ہم کو ہاں کا بھی اعتبار نہیں

کون سی جا ہے کہ جس جا نہ گزر اس کا ہے
مثل خورشید جہاں دیکھئے گھر اس کا ہے

دل کی تپش سے گرمی خورشید سرد ہے
سینہ اگر یہی ہے تو دوزخ بھی گرد ہے

کوچہ میں تیرے بیٹھ گئے جبکہ ہم اے یار
جوں نقش قدم پھر نہیں اٹھنے کے زمیں سے
آنکھوں میں ذرا ٹھہر تو تا دیکھ لیں اس کو
اقرار یہ ٹھیرا ہے دم باز پسیں سے
تیرے کوچے کے اشتیاق میں یار
گھر سے ویراں ہوئے وطن سے گئے

(ز)

۲۴۸۔ زار تخلص

نام برہان الدین خان، شاہی سرکار کے خادموں میں سے ہیں، خط شکستہ میں مناسب مہارت رکھتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

کیونکہ اس بت کو یہ حال دل ناکام لکھوں
کب وہ دیکھے ہے خدا کا بھی اگر نام لکھوں
چرخ کے کیسے انقلاب ہوئے
پر کبھی ہم نہ کامیاب ہوئے

۲۴۹۔ زار تخلص

میر مظہر علی، نواب احمد علی خان شوکت جنگ کی خدمت میں نہایت عزت کی زندگی بسر کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

اگر کچھ بس چلے اپنا تو کاہے کو یہ خواری ہو
نہ چاہیں اس کو اے ناصح جو الفت اختیاری ہو

اب رہائی نے کیا اور پریشاں مجھ کو
خوب تھا اس سے وہی گوشۂ زنداں مجھ کو

۲۵۰۔ زار تخلص

میر جنون، کشمیری الاصل ہیں، اسی جنت نظیر شہر میں پیدا ہوئے، کہتے ہیں شروع میں ان کو جنون تھا جو آخر میں ان پر غالب آیا پھر کم ہوگیا، مگر یہ عشق کا جنون نہ تھا جس کا ازالہ محال تھا بالجملہ یہ اشعار ان کی فکر کا نمونہ ہیں:۔

ایک دن پہلے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو
یاالٰہی شب فرقت نہ دکھانا ہم کو
لے جاؤ گے تم اس کی گلی سے جہاں مجھے
آرام جو یہاں ہے نہ ہوگا وہاں مجھے

۲۵۱۔ زکی تخلص

شیخ مہدی علی مرادآباد کے رہنے والے ہیں، مدت تک لکھنؤ رہے، مشہور شعرائے مستفید ہوئے، کچھ عرصہ بہارنپور کے مضافات میں تحصیل کے پیش کار رہے، ایک مرتبہ مجھ سے ملنے کے شوق میں نہ ملی آئے، مگر اتفاق ایسا ہوا کہ نہایت اشتیاق کے باوجود قیام نہ کر سکے اور واپس چلے گئے، دوبارہ پھر آئے اور کچھ روز رہے اور جب تک شاہجہاں آباد میں قیام کیا ہر روز ساتھ کھانا کھایا، زکی تخلص ہیں، کہتے تھے کہ میں نے فرنگی محل کے علماء سے پڑھا ہے فرنگی محل لکھنؤ کے محلات میں سے ایک محلہ ہے، فن تاریخ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ آصف جاہ نواب حیدرآباد کی مدح میں ایک قصیدہ صنعت میں لکھا چونکہ اس عجالہ میں اُس کے ذکر کی گنجائش نہیں لہٰذا نظرانداز کیا گیا، صاحب دیوان ہیں، مگر ان کا دیوان نظر سے نہیں گزرا، ان کے یہ اشعار منتخب کئے گئے:۔

وحشت ہے آشکار زلیخا کے حال سے
آنکھیں بیان کرتی ہیں افسانہ خواب کا

آفتیں اتنی اٹھائیں عبث اے جان حزیں
ہجر کا نام ہی سنکر تجھے مر جانا تھا

شعلۂ حُسن کبھی برقِ جہاں سوز نہ ہو
آفتِ جان زکیؔ دل ہی کا آجانا تھا

ترکِ ملاقات کی پوچھو نہ بات
ہم سے ملنا اُسے منظور نہ تھا

جمالِ یار پہ ہم نے یہ ٹکٹکی باندھی
کہ اپنی آنکھ کا تل اس کے منہ کا خال ہوا

آتشِ عشق کہیں پھر بھڑک اٹھے نہ زکیؔ
اختلاط اس سے بہت گرم تمہارا دیکھا

سب لے چکا وہ جان و دل و طاقت و تواں
کیوں آئے اب یہاں اسے کیا کام رہ گیا

ہوئی ساقی سے خجل واہ رے کم ظرفیِ دل
بوسہ لب کی طلب پہلے ہی پیمانہ پر

دھوم دیوانے اڑاتے ہیں پری زادوں کی
شمعِ محفل کو لگا دیتے ہیں پروانے پر

یہ جگر دل کا ہے اے سوزِ محبت ورنہ
پھینک دیتے ہیں شرر سینہ سے پتھر باہر

کب ہے یقیں کہ عمرِ دو روزہ کرے وفا
کیا کیجئے زکیؔ کسی دیر آشنا سے ربط

شب آنے میں قاتل کے جو دیر گذری
تجھے اے اجل یاد کرتے رہے ہم

اٹھائے بہت سے مزے زندگی کے
بہت تجھ پہ اے شوخ مرتے رہے ہم

ایک دن اور چاہتے ہیں زندگی
عاشق طرۂ دوتا ہیں ہم

ہم گرفتار ہیں بے بال و پری کے پابند
ہے نصیبوں کا گلہ شکوۂ صیاد نہیں

یوسف کا اپنے دھیان ہی تحریر خط کے وقت
ڈر ہو کہ انگلیاں نہ قلم ہوں قلم کے ساتھ

ماہتابی پر جو وہ خورشید رو ہے بے حجاب
اپنے جامے سے ہوئی جاتی ہے باہر چاندنی

دل ہم سے رہا جدا ہمیشہ
گویا وہ ضمیر منفصل ہے

جب یہ سنا کہ پاؤں کو مہندی لگی وہاں
شعلہ بھڑک اٹھا نگہ انتظار سے

حسرت اے تازہ اسیران قفس آتی ہے
دھوم سے فصل بہار اب کے برس آتی ہے

گاہے غم فراق گہے آرزوئے وصل
کیا کیا ہو دل لگی جو کہیں دل لگا رہے

حشر ہو جاوے گا بیتابی دل سے لیکن
راہ پھر بھی تیری اے عہد شکن دیکھیں گے

۲۵۲۔ زکی تخلص

نام جعفر علی خان، بادشاہ "شاہ عالم" کے امیروں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

عشق میں نسبت نہیں بلبل کو پروانہ کے ساتھ
وصل میں وہ جان دے یہ ہجر میں جیتی رہے

۲۵۳۔ زمان تخلص

سید محمد زمان نام کے ایک شخص امروہہ میں تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

عارض ہے گل کا صاف و لیکن جھلک نہیں
نرگس کی چشم ہے یہ نکیلی پلک نہیں

۲۵۴۔ زینت تخلص

اس شہر کی حسین رنڈی تھی، مرزا ابراہیم بیگ مقتول کی ہمراہ جو اس کے عاشق تھے، ازپاس وفا ترکِ وطن و اہلِ وطن گوارا کر کے لکھنؤ چلی گئی۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

شب مہتاب میں تا صبح زینت
خیالِ ماہ رُو ہے اور ہم ہیں

(س)

۲۵۵۔ ساقی تخلص

مرزا محمد جان بیگ، دشت قبچاق اصل وطن تھا، ان کے والد نے کشمیر میں سکونت اختیار کی اور یہ دہلی آ کر خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے حلقہ ارادت میں منسلک ہو گئے، کہتے ہیں کہ زبان فارسی میں ان کا کلام اچھا ہے، تاریخ اچھی کہتے تھے، خرم خان صوبیدار کشمیر کی طرح

میں ایک قصیدہ اس صنعت کے ساتھ لکھا کہ ہر مصرعہ سے دو تاریخیں نکلتی تھیں بادشاہ شاہ عالم کے دربار میں خلافت کے زمانے کے واقعات پر مشتمل شاہ نامہ منظوم کرنے کی خدمت پر مامور ہوئے، یہ کام مکمل نہیں ہوا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور وہ قصیدہ اور مثنوی ملاحظہ سے نہیں گزرے۔ اپنے دوست احباب کی خواہش پر دو تین غزل ریختہ میں لکھی تھیں، ایک غزل کے دو شعر قلم بند کئے گئے ہیں، کیونکہ ان سے اس زمانے میں یہ بھی غنیمت ہے:۔

ہم گھر میں تمہارے کہو کس راہ سے پہنچیں
دشمن ہیں ہمارے در و دیوار تمہارے
مرغان قفس دن کو پھڑکتے ہیں ولیکن
دن رات تڑپتے ہیں گرفتار تمہارے

۲۵۶۔ مسائل تخلّص

مرزا محمد یار بیگ قوم سے اوزبک تھے، جہاں آباد میں پیدا ہوئے، شروع میں شاہ حاتم کے بعد میں سودا کے شاگرد ہوئے ـــــ !! نمونہ کلام یہ ہے:۔

وہ حمائل ہو گیا دست شکستہ کی طرح
آہ اپنا جس کو میں نے قوت بازو کیا

۲۵۷۔ سامان تخلّص

میر محمد ناصر، جونپور کے باشندے ہیں، محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں دہلی میں وارد ہوئے نمونہ کلام یہ ہے:۔

رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ
مگر رشتہ میں ہیں اس شمع رو کے

۲۵۸۔ سبحان تخلص

عبد السبحان۔ آبرو کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جان و دل ہے قبول سب جانا
پر گلی میں ترے ہمیں آنا

۲۵۹۔ سبقت تخلص

نام مرزا مغل۔ مرزا علی اکبر اخوند کے صاحبزادے، جرأت کے شاگرد ہیں، ایرانی النسل ہیں، اسی جنت نشان جہان آباد میں پیدا ہوئے، درسی کتابیں پڑھیں، فی الجملہ ان کی طبیعت ہموار معلوم ہوتی ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تا بجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا
جان لبوں پہ آگئی تو بھی قلق نہ کم ہوا
میں ہی کچھ تنہا نہ اس کو دیکھ مفتوں ہو گیا
ہر کوئی اس غیرت لیلیٰ کا مجنون ہو گیا
ناقہ لیلیٰ جو ٹھہرا وادیٔ مجنوں میں آہ
بولے کیا تیرا بھی یاں اے ساربان دل لگ گیا
کچھ فائدہ کی بات دلا اختیار کر
کیا فائدہ ہے گریۂ بے اختیار کا
سبقت سناؤں کیونکہ خبر دل کو یاس کی
احوال جانتا ہوں میں امیدوار کا
کس کس طرح سے اپنے تئیں کرتے پائمال
افسوس اس کو ذوق نہیں ترک تاز کا
قصد مجھ بیگنہ کے قتل کا جب دل میں ہو
کیوں نہ پھر خنجر ترا قاتل بہ ادھر ٹوٹ جائے

۲۶۰۔ سجاد تخلص

میر سجاد۔ اکبر آباد کے رہنے والے ہیں ورود دہلی کے ایام قیام میں مشاعرہ منعقد کرتے "آبرو کے شاگردوں میں سے ہیں" استاد کے رنگ میں شعر کہتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

شتابی سے دے لے کہ جاتا ہے ابر
جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب
ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگان خواہ چشم
جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
سب مزے در کنار ہوتے ہیں
لب شیریں پہ اس کے مرتا ہوں کہ
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں کہ
ہرگز آنے نہ دیں گے غیر کو جان
ہوں گے کیسے ہی ہم گئے گذرے

۲۶۱۔ سخن تخلص

حکیم مرزا محمد حسین۔ کشمیری الاصل ہیں، جہان آباد میں پیدا ہوئے، فن طب سے واقفیت رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ ان کا کلام فارسی میں بھی ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جونہیں جان نکلی وہیں آن نکلا
بھلا مرتے مرتے تو ارمان نکلا

۲۶۲۔ سخنور تخلص

نام دلواتی سنگھ، قوم کائستھ، دفتر شاہی کے میر منشی تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گریاں رکھے ہے بن ترے یہ چشم تر مجھے
طوفان نوح آئے ہے اب پھر نظر مجھے

۲۶۳۔ سر سبز تخلص

مرزا زین العابدین خاں، نواب سالار جنگ کے فرزند رشید تھے، کتب بینی اور علم یقینی سے مزاولت تھی، اپنے خاندان کے لحاظ سے ممنوعات اور لہو لعب سے بالکل محترز تھے، ان کے بزرگ فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آئے تھے اور دربار شاہی کے بہت مقربین میں سے تھے، ان کا ایک ضخیم دیوان ہے، مصحفی کو چار سال تک ان کی خدمت میں حاضری کا شرف رہا ہے:۔

ہماری آہ پر ہنستا ہے کیا تو
دکھا دیں گے تجھے اس کا اثر ہم
کب خوش آتی ہے ہمیں سیر گلستان تجھ بن
باغ آتا ہے نظر خانۂ زندان تجھ بن
میں روتا ہوں سر سبز آتی ہے جب یاد
وہ صورت مجھے پیاری پیاری کسی کی
اس کے کوچہ کی طرف میں تو نہ جاؤں سر سبز
کشش دل ہے کہ کھینچے۔ لئے جاتی ہے مجھے

۲۶۴۔ سراج تخلص

سراج الدین علی، علم و دانش کے سراج ہیں، کہتے ہیں کہ ایک روز راہ چلتے ایک شمع رو ہندو لڑکی کے پروانہ ہو گئے، چونکہ اختلاف مذہب درمیان حائل تھا، ایک مدت تک ان کا خرمن اس چنگاری سے جلتا رہا، بالآخر یک رنگی پسند اور دوئی سوز تاثیر عشق نے اس ہوش

کے والد کے مرشد کے دل میں رحم پیدا کیا کہ انہوں نے ان ہر دو سوختگانِ عاشق ہجر کے وصال کے لئے اس لڑکی کے والد کو ہدایت کی، فرطِ اعتقاد کی بنا پر وہ حکم نہیں ٹال سکتا تھا فوراً شمع پروانہ کو دیدی یعنی اپنی لڑکی سراج دیوانہ کو سپرد کردی، چونکہ معشوق کے وصال سے پروانہ کا مقصد سوائے جان دینے کے اور کچھ نہیں ہوتا، سراج پروانہ وار، چراغِ محفل حسن کے گرداگرد گھوما اور اپنی جان، جان آفرین کو سپرد کردی، وہ (معشوقہ) بھی مثل شمع اپنے سوختہ کی نعش پر کچھ دیر رو کر جاں بحق ہو گئی ؎

تو ہم شب را بسر کے می بری اے شمع کم فرصت
گرفتم سوختی پروانہ را آتش بجانے را

بالجملہ ان کی غزل کا ایک شعر بہت مشہور ہے، اس کے علاوہ ان کا اور کوئی کلام سننے میں نہیں آیا:۔

چلی دشتِ عشق میں وہ ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

۲۶۵۔ سراج تخلص

ان کا نام معلوم نہیں ہوا، اورنگ آباد کے باشندے اور آبرو کے ہم عصر تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہیں ہے تاب مجھے تیرے کر سامنے جانان
کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب
نہ پوچھو خود بخود کرتا ہوں تعریف اس کے قامت کی
کہ یہ مضموں مجھ کو عالم بالا سے آتے ہیں

۲۶۶۔ سرور تخلص

اعظم الدولہ نواب میر محمد خان، نواب ابوالقاسم خاں کے خلف الصدق ہیں، محمد جان بیگ

ساکی کے شاگرد ہیں جو جہان آباد (دہلی) کے بڑے اراکین میں سے ہیں اور عالی خاندان کے ایک بڑے امیر ہیں، فنِ شعر میں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے اور ہر بزم مشاعرہ میں شرکت فرماتے ہیں، ہر طرحی غزل پر طبع آزمائی کرتے ہیں، قدیم شاعر اور صاحب کلام مستقیم ہیں۔ متقدمین اور متاخرین اردو شعراء کا ایک مبسوط تذکرہ کے مصنف ہیں، جو ملاحظہ ہوا، صاحب دیوان ہیں، کبھی کبھی راقم کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے، حق تو یہ ہے کہ اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں، اس سے پیشتر کہ یہ تذکرہ اتمام کو پہنچا، ان کی عمر تمام ہو گئی۔ اور یہ واقعہ ماہ شوال ۱۲۵۰ھ کا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو خلد بریں میں جگہ دے:۔

ہم جانتے زمین سے تھے دورِ چرخ کو
دیکھا تو ایک عرصۂ جولانِ نالہ تھا

بے وصل نکل جان حزیں آج ہی تن سے
صدمہ سے جدائی کے نکل جائے تو اچھا

نامہ کس سوختہ جان کا یہ لئے جاتا ہے
بازوں سے جو ہلاتا ہے کبوتر پنکھا

باقی اپنے رہے زیر بغل بعد فنا بھی
تھی بسکہ ہم آغوشی دلدار کی حسرت

میری آہ سرد کی تاثیر یہ محفل میں ہے
جل نہیں سکتا ہے اصلاً شمع سے پروانہ آج

میں رہوں محروم وہ دے بوسہ چشم یار پر
دیکھ کر یہ رشک آیا روزن دیوار پر

کوچۂ یار میں خوابیدہ اس آرام سے ہوں
شور محشر کو بھی ہووے گا جگانا مشکل

مجھ کو دکھاؤ آئینہ کوئی نہ وقت نزع
بالیں پہ لا دگر وہ رخ سادہ ہے کہیں

دیدۂ تر سے لگا خط کو نہ اس کے سرور
یار کے ہاتھ کا لکھا ہے مبادا مٹ جائے
گھبرا کے نہ لے یار کی سرور تو بلائیں
آسیب کہیں اس رخ روشن پہ نہ آئے
غیر لایا اسے یاں بہر تماشا دم نزع
دوستوں سے نہ ہوا وہ جو ہوا دشمن سے
عبث ہے نامہ و پیغام کی امید مجھے
ہزار مرتبہ قاصد جواب لایا ہے

۲۶۷۔ سرور تخلص

مرزا رجب علی بیگ، آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگرد تھے، خوش نویسی اور موسیقی سے بہرہ مند تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہے شوق سرور ایسا غالب کہ جو قاصد سے
کوسوں ہی تلک حالت کہتے چلے جاتے ہیں
ذرا دست جنوں کی دیکھو جودت
کیا ہے قبر میں ٹکڑے کفن کو

۲۶۸۔ سعادت تخلص

سعادت علی امروہہ کے رہنے والے تھے، محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں
یہ بھی اپنے نصیب لڑتے ہیں

۲۶۹۔ سعید تخلص

قاضی سعید الدین خاں۔ قاضی القضاۃ نجم الدین علی خاں کے صاحبزادے اور لکھنؤ کے قصبہ کاکوری کے باشندے تھے، صاحب ثروت، ذی جاہ اور بااخلاق و بامروت شخص تھے، مدت تک عہدۂ قضا پر سرفراز رہے، نہایت عیش و نشاط اور عزت و وقار کے ساتھ بسر کی، ایک انگریز کے ساتھ دورہ کے سلسلہ میں یہاں تشریف لائے، راقم سے ان کی ملاقات ہوئی، کہتے ہیں کہ اب نور بصر سے عاری ہو گئے ہیں، اس لئے آنکھ کی پتلیوں کی طرح خانہ نشین ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بے دماغی را سے ملنے سے نہ ہو کیونکہ مری
کہ پری کو نہیں خوش آتی ہے انسان کی بو

۲۷۰۔ سکندر تخلص

خلیفہ محمد علی مشہور مرثیہ گو، پنجاب کے رہنے والے تھے ان کی طبیعت میں مزاح تھا، محمد شاکر ناجی کے شاگرد سمجھے جاتے ہیں، شراب بہت پیتے تھے، کہتے ہیں وطن سے دہلی آئے اور یہاں سے حیدرآباد چلے گئے وہیں انتقال کیا، وہاں کے لوگوں نے ان کی ہڈیوں کو کربلائے معلٰی بھیجدیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

قیس صحرا میں رہا کوہ میں فرہاد رہا
میں بگولے کی طرح دشت میں برباد رہا

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب دریا میں
وہ دیکھ لے مری چشم پر آب دریا میں

سحر گذرا چمن میں کونسا خورشید رو یارب
کہ شبنم گل کے منہ پر اب تلک پانی چھڑکتی ہے

۲۷۱۔ سلطان تخلص

آفاق مرزا ایزد بخش بہادر المشہور مرزا نیلی کے مرشدزادے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دور رکھ دوران سر سے گردش دوراں مجھے
مت رکھ اے دیر خراب آباد سرگرداں مجھے

۲۷۲۔ سلطان تخلص

نواب نصر اللہ خاں مرحوم، قوم سے افغان اور نواب فیض اللہ خاں مرحوم والی رام پور کے خسر تھے، ان کے خیالات کا نمونہ یہ ہے:۔

اس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر
دیکھا تو نہیں اس کے یہ پاسنگ برابر

۲۷۳۔ سلیمان تخلص

مرزا سلیمان شکوہ بہادر حضرت شاہ عالم بادشاہ کے فرزند تھے، ایک مدت تک لکھنؤ میں جلوہ افروز رہے، وہاں اکثر شعرا ان کے خوان نعمت سے بہرہ اندوز تھے، چند سال ہوئے دہلی تشریف لائے تھے، اب دار السلطنت اکبر آباد میں زینت افروز ہیں، ان کا نمونہ کلام یہ ہے:۔

جنازہ تیرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا
کہ شورِ نالہ ہر ایک خانۂ زنجیر سے اٹھا
گالیاں سیکڑوں ہر بات میں اب دینے لگے
دیکھیو جھڑتے ہیں کیا منہ سے مرے یار کے پھول
کس طرح لوں میں بلائیں کروں کیوں کر تعظیم
دست و پا اینٹھ گئے دیکھتے ہی یار کے پھول

رقم گر ایک شمہ اس کو اپنا درد و غم کیجے
تو پھر یہ چاہئے سارے نیستاں کو قلم کیجے
بمسح نہ اٹھا بزم میں تو منہ سے وگرنہ
حالت ابھی ہو جائے گی تغیر کسو کی

۲۷۴۔ سلیمان تخلص

ایک گمنام شخص ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھو طراری دل
کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بلبے جگرداری دل

۲۷۵۔ سلام تخلص

نجم الدین علی خاں شرف الدین علی خان پیام کے صاحبزادے اور ساکبر آباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

۲۷۶۔ سودا تخلص

مرزا محمد رفیع، عالی مقام شعراء کے سرگروہ ہیں، اصلی وطن کابل ہے، جہان آباد (دہلی) میں پیدا ہوئے، عالم جوانی میں لکھنو گئے اور وہیں وفات پائی، ان کی وفات کو بہت زمانہ ہو گیا، وزیر الملک نواب آصف الدولہ بہادر کے دربار کے مقربین اور مسلم استاد ہیں، فن شاعری میں تمام سے آگے آگے ہیں، ان کی طبیعت کی نطافت سراپا ناز معشوق کی شوخی کی طرح ہر رگ و پے سے شاعری برساتی ہے اور ان کے کلام کی شیرینی حسین

معشوقوں کے لب شیریں کا مٹھاس رکھتی ہے، ان کا تخیل گلزار جنت ہے کہ جس کے پھول بجز ان کے کسی نے نہیں چنے، ان کی فکر سخن چشمۂ بہشت ہے کہ جس سے جوئے شعر جاری اور ساری ہے، ان کے کلام کا ذوق شراب کا سا اثر رکھتا ہے، مگر وہ شراب نہیں کہ جو انگور سے دستیاب ہوتی ہے اور ان کے دل کی روشنی سورج کی روشنی کے ہم پلہ ہے مگر وہ سورج نہیں کہ جس کو گہن لگ جاتا ہے، ان کے خیال کا اثر نسر طائر (ستارۂ عقاب) کا ہم پرواز ہے اور ان کی فکر کا ہما ایوان کیوان (ستارۂ عطارد) پہ سایہ گستر اور جلوہ فگن ہے، فن شاعری میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، اصناف سخن میں ان کو قدرت کاملہ حاصل ہے، جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ ان کا قصیدہ ان کی غزل سے بہتر ہے. فقیر کی رائے میں ایک بے معنی چیز ہے، ان کی غزل قصیدہ سے بہتر اور قصیدہ غزل سے بہتر ہے، اگر آپ کہیں کہ ان کی غزل بھرتی کے اشعار سے مملو ہے اور ان کا قصیدہ اس سے برا ہے تو اس بارے میں اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ ناظرین کی اس برائی تحقیق کی قباحت سے ان کا دیوان خالی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ قدما کے نزدیک متاخرین فصیح گویوں کے مانند یہ ملحوظ خاطر نہ تھا کہ ہر شعر دل پذیر اور خاطر نشین ہو، لہذا ان کے کلام میں قص الجل واقع ہو گیا ہے، کیا قصیدہ میں اور کیا غزل میں، با این ہمہ یہ لوگ اولین و موجدین میں سے ہیں اور تمام فنون میں متقدمین کے مقلد ہیں، و للہ در من قال العلم للمتاخرین۔ ان مقدمات کی بنا پر ان بزرگوں پر داروگیر ہرگز مناسب نہیں اور طعن و تعرض اور اس قسم کی کوئی چیز لازم نہیں ہے، ان کے اشعار منتخبہ اور ان کا چیدہ کلام دیکھنا چاہئے کہ کس مرتبہ کا ہے اور کس قدر بلیغ واقع ہوا ہے، شریف النسل، ہم عصر محققین کے پیش رو مولانا محمد صدرالدین المتخلص آزردہ (اللہ ان کے سایہ کو مستفیض ہونے والوں کے سر پہ ہمیشہ قائم رکھے اور ان کو یوم حشر کی آفات سے محفوظ رکھے) نے اپنے تذکرہ میں جو کہ ریختہ گویوں کے باب میں نہایت ایجاز و اختیار کے ساتھ لکھا گیا ہے، میر تقی المتخلص میر کے ترجمہ کے تحت لکھا ہے کہ ان کا پست کلام اگرچہ بقول اساتذہ پست ہے مگر ان کا بلند کلام نہایت بلند ہے

اس نظریہ کے خلاف میرے کم مایہ قلم کے سفینہ نے اس میدان میں جولانی دکھلائی ہے بہتر یہ ہے کہ میں حرفِ مطلب بیان کروں، مرزا رفیع سودا مثنوی میں فکر معقول نہیں رکھتے تھے، انہوں نے بہت سی رکیک ہجویں ایک خاص انداز میں لکھی ہیں اور بہت سے دلآویز مضامین باندھے ہیں، ان کا دیوان نظر سے گذرا اور یہ اشعار منتخب کئے:۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہنچے کب اس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

دکھلائیں لے جا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہیں خواہان کوئی واں جنسِ گراں کا

ٹوٹے تری نگاہ سے گر دل حباب کا
پانی بھی پھر پئیں تو مزا ہے شراب کا

کیا کروں گا ہاتھ سے حوروں کی واعظ لیکے جام
ہوں میں ساغر کش کسی کی نرگس مخمور کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کی تو
کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

چھیڑ مت بادِ بہاری کہ میں جوں نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

بڑی رہ برق خار آشیاں سے میرے کہتا ہوں
اڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یاں آ لگا

بہنا کچھ اپنے چشم کا دستور ہو گیا
دی تھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہو گیا

کھٹکے ہے سب کے کب سے خدایا مری دعا
دروازہ کیا قبول کا معمور ہو گیا

محبت
سودا کو کہتے ہیں کہ ہے اس سے صفا
کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا

اوروں کی نسبت ان دنوں کچھ اگ چلا تھا وہ
دو چار جھڑکیوں میں بدستور ہو گیا

کر قطع ہاتھ پہلے تب فکر کر رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تو نے سیا تو پھر کیا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی ان دنوں
تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گذار
لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اس میں بھی پائے تو بہر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس
پر جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریبان گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

صحبتوں کا نہ کرو غیر کے مجھ سے اخفا
کون سی شب تھی کہ میں واں پس دیوار نہ تھا

اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے
پردہ میں چھپا اس کے تئیں تجھکو نکالا

سودا جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

یہاں پھر اس شرم سے عیسی نے گذارا نہ کیا
چشم خوباں کے جو بیمار کا چارا نہ کیا

اس قدر شیفتہ ہے شکل کا اپنی کہ سدا
آئینہ ہاتھ میں مشرق کو نظر آخر شب

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس

دل عشق کے شعلے سے جو بھڑکا تو رہا کیا
اے جان نکل جا کہ لگی متصل آتش

اے لالہ گو فلک نے دیئے تجھ کو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

سننے بھی پائے دل نہ ترے دشنام تمام
جنبش لب ہی نے اپنا تو کیا کام تمام

یک دست اگر زمانہ جہاں کے لٹائے گل
سر کو ہمارے خاک نہ دیوے چہ جائے گل

ہے شرط درد یوں کہ بجز حکم عندلیب
کوئی کسی مزار پہ ہرگز نہ لائے گل

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
دم بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

بھری ہے دل میں ترے یاں تلک محبت غیر
کہ جا نہیں مرے کینہ کو مہر تو معلوم

نہ زر نہ زور نہ طالع نہ تیرے دل میں رحم
جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم

عاشق تو نامراد ہے پر اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

کیا چاہئے تجھے سر انگشت پر حنا
جس بے گناہ کے خون میں چاہیں ڈبو لیا

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

کام ہے چشم کا نظارہ نہ بہنا شب و روز
آنکھ خالق نے رقیبوں کو دی ناسور ہمیں

بوسہ ہنس کر دیا اس نے سوائے دشنام
سو بھی یہ جب نہ ملا کوئی تو مجبور ہمیں

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

سودا خدا کے واسطے کر قصّہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ میں

کیا گلہ صیاد سے ہم کو یوں ہی گذری ہے عمر
اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن

کہے ہے توبہ پہ زاہد کہ تجھ کو دیں تو نہیں
بھڑ اوے خم ہے مرے منہ سی چل نہیں تو نہیں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آئے مگر وہ خواب میں سو خواب ہی نہیں

جی تنگ تو دے کے لوں کہ تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجھکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

ساقی ہے یک تبسم گل فرصت بہار
ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

کوئی جو پوچھتا ہو تو کس پر ہے داد خواہ
جوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنایہ سمجھو
ہے زباں میری بھی گفتار کروں یا نہ کروں

لخت جگر آنکھوں سے ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہیں

سو نپوں ہوں جس کو منصفی رکھے ہے جرم میرے سر
لبسکہ ہوئی ہے تجھ کو راہ خانہ بہ خانہ کو بکو

سن کے یہ کہتا ہے میرے نالۂ جاں کاہ کو
کیوں مجھے ایسا بنایا کیا کہوں اللہ کو

اس کشمکش سے نام کے کیا کام تھا ہمیں
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

احوال مرا کہہ کہہ مغرور کیا اس کو
اغیار تو تھے ہی تھے پہ یار بہت تحفہ

مقتل پہ مرے آکے انصاف لگا کرنے
تقصیر سے یاں آگے تعذیر نظر آئی

جو طبیب اپنا تھا دل اس کا کسی پر زار ہے
مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

اب تو میں چھوڑنے کا نہیں اس کو ناصحا
ہونے جو کچھ تھے قبلہ حاجات ہو گئے

پیغام بر نے دیر لگائی تو ہے ولے
دھڑکے ہی دل کہ یہ نہ کہے رات ہو گئی

مستی سے اس نگاہ کی لے محتسب خبر
دنیا تمام بزم خرابات ہو گئی

سودا کسی کو وہ تو ستاتے نہ بے سبب
کیا جانئے کہ تجھ سے ہی کیا بات ہو گئی

مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ مجھ بغیر
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دل پُر آرزو لئے

یوسف تجھے کہہ بیٹھی زلیخا تو کہوں کیا
عاشق وہ ہوئی واں کہ جہاں جاتے ادب ہے

انصاف کس کو سونپئے اپنا بجز خدا
منصف جو بولتے ہیں سو تجھ سی ڈرے ہوئے

ایک غمازہ نے اس ترک پسر سے یہ کہا
ہے جو سودا کوئی شاعر وہ ترا مفتون ہے

سُن کے بولا یہ کہو میری طرف سے اس کو
باندھنا خوں پہ کمر اپنی نیا مضمون ہے

دل لیکے ہمارا جو کوئی طالب جاں ہے
ہم بھی تو سمجھتے ہیں کہ جی ہے تو جہاں ہے

عجب بیداد حسرت پر یہ میری صیاد کرتا ہے
دکھاتا ہی مجھے اس کو جسے آزاد کرتا ہے

عیاں ہے شوق ملنے کا میر نامہ کے کاغذ سے
کہ جب کھولے ہے تو اس کو تو وہ لپٹا ہی جاتا ہی

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ میں دوں بجا ہے
جتنا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہی

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

گذرا ہے کس کی نعش پہ ظالم تو بے خبر
دامن کے ساتھ ساتھ تری گرد ہے سو ہے

سود جوں شمع نہیں گرمی بازار مجھے
ہوں میں وہ جنس کہ آتش دے خریدار مجھے

ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوۂ حسن اسے حسرت دیدار مجھے

نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصاں مجھ سے
باعث دشمنی اے گبر و مسلماں مجھ سے

تصوّر میں ترے کہیو صبا اس لاؤ بالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویر نہالی سے

ہزاروں نیش زن پاتا ہوں میں یہاں کام میں آئے
ترے گھر سے تو ظالم خانۂ زنبور بہتر ہے

کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے وگر
کافی ہے تسلّی کو میری ایک نظر بھی

بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں سودا
اب کہنے کو افسانہ کوئی نوحہ گر آئے

میں بھی ہوں ضعیف اس قدر اے مور کہ وہ آ
گنتے مرے سر سے جو تری تا کمر آئے

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

قاتل ہمارے نقش کی تشہیر ہے ضرور
آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

کم بولنا ادا ہے ہر چند پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ کھولے

پیش از ظہور مرغ چمن خادمان عشق
بٹتے تھے رشتۂ رگِ گل دام کے لئے

۲۷۷۔ سوز تخلص

نام محمد میر، لکھنو کے رہنے والے تھے، تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، خط شکست اور نستعلیق اچھا لکھتے تھے، ان کے اشعار پڑھنے کا طریقہ مقبول عام اور ان کا کلام جادۂ مستقیم پر ہے نمونہ کلام یہ ہے:۔

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا
تڑپتی کیوں ہے ای بلبل یکایک اتنا تو سید کر
کہ تیرا اشک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا
قاصد سے تو پوچھا تھا کہ بھیجا ہے تو کس کا
دہشت سے اسے یاد میرا نام نہ آیا
غیر سے مل کیونکہ ہم چشموں سے پھر ہوگے دو چار
آئینہ تک منہ دکھانا تم کو مشکل ہوئے گا
قتل سے یہ بے گنہ راضی ہے اپنے اسلئے
ہاتھ میں ایک روز تو داماں قاتل ہوئے گا
کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے بنو ہوگا سو اللہ کرے گا
ہم اس سے شب جو بگڑ گئی تو خفا ہو مجھ کو رلا دیا تو
ولے میں ہی کیا ہوں کہ رونے میں یہ بنایا منہ کہ ہنسا دیا
جن کے نامے پہنچتے ہیں تجھ تک
کاش ہاں ان کا نامہ بر ہوتا

سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو
واں بجھے کیا تھی کمی یاں تجھ کو کیا درکار تھا
یہ سب باتیں ہیں قاصد یار میرے گھر نہیں آتا
نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھ باور نہیں آتا
رخصت جو دے تو مجھ کو تو میں تیرے پاؤں کا
بوسہ لوں اس طرح کہ حنا کو نہ ہو خبر
میں اگر قید حیا سے چھوٹوں
ناصحا تیری بلا سے چھوٹوں
الٰہی دل میں کسی دوست کے صفا نہ رہی
ہمارے عکس کے آئینہ میں بھی جا نہ رہی
کھینچ کر تیر مار بیٹھے بس نہ
سوز ہے یا شکار ہے کیا ہے
لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص ہے عاشق کہیں
عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے
اشک خوں آنکھوں میں آ کر جم گئے
دور سے بھی دیکھنے سے ہم گئے
سر زانو پہ ہو اس کے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلّم ہے ارمان نکل جائے
منہ دیکھو آئینہ کا تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے
دامن تلک تو تیرے کہاں دست رس ہے مجھے
تیری گلی کی خاک بھی ہوں تو ہے بس مجھے

۲۷۸۔ سوزاں تخلص

مرزا احمد علی خان شوکت جنگ، مرزا علی خاں کے صاحبزادے اور لکھنؤ کے بزرگ زادے ہیں نمونہ کلام یہ ہے:۔

فرقت میں اس کی سوزاں ناحق تو جان دے ہے
اس بے وفا کو غم ہے مرنے سے کیا کسو کے

۲۷۹۔ سہراب تخلص

نام سہراب بیگ، شاہ آباد کے رہنے والے تھے اور فن رمل میں مہارت تامہ رکھتے تھے کچھ عرصہ شاہ نصیر سے اصلاح سخن کی۔ کبھی کبھی فکر سخن کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہ ہوتی کوئی شب وصل میسر ورنہ
دیکھتے شوق محبت سے میں کیا کیا کرتا
ہم آئے تنگ زیست سے پر
اے خانہ خراب تو نہ آیا
تا عمر ہم ہی تری چھوڑیں گے ہم نہیں
بیں سایہ وار ساتھ ترے گو ہم نہیں
کس دن نہیں خیال دہان و کمر مجھے
وہ روز کونسا ہے جو سیر عدم نہیں
یہ عجب ہے کہ نہ تو بہر تماشا نکلے
ایک عالم تیرے شیدا کا تماشائی ہے

۲۸۰۔ سیادت تخلص

مجاہد الدین میر نظام الدین ممنون کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مثل نسیم صبح پھرا میں تو ہر کہیں
پر وہ گل شگفتہ نہ آیا نظر کہیں

۲۸۱- سیّد تخلص

میر غلام رسول، مراد آباد کے مشائخ میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

خوب رویوں کے تو ملنے سے نہ باز آئیں گے
یہ تو بدخو نہیں جائیں گے مگر جان کے ساتھ

۲۸۲- سیّد تخلص

میر قطب علی، المشہور قطب عالم، سکندر آباد کے رہنے والے ہیں، طب کی کتابیں پڑھ کر وہاں پر طبابت کرتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جادو کرے ہے شہر میں سیّد کا ریختہ
دیکھو سکندرہ سبھی بنگالہ بن گیا

۲۸۳- سیّار تخلص

میر غالب علی خان، المشہور سیّد الشعراء جلیل النسب سیّد اور دفتر شاہی کے میر منشیوں میں سے تھے، خوش مذاق کے لئے مشہور تھے، ان کو اس جہان فانی کو خیرباد کہے ہوئے عرصہ ہوا حضور والا کے نقیبوں میں سے اکرام نامی ایک شخص نے لاہوری دروازہ کے باہر ایک مان سرائے تعمیر کرائی تھی، لیکن اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے، اس سرائے کی تاریخ سیّد صاحب نے نہایت لطافت و پاکیزگی کے ساتھ کہی ہے ع

"شب گرمے کن بسرائے اکرام"

نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہ غازہ نہ گلگونہ ہے نہ رنگ حنا تو
اے خون شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

سبب کیا پوچھتے ہو مجھ سے میرے زار رونے کا
کسی کو کچھ مرض ہے مجھ کو ہے آزار رونے کا

سید سے یہ عداوت اللہ رے کفر اے بت
پڑھنے جنازہ اس کا سب آئے تو نہ آیا

زلف و کاکل خط و خال ابرو و چشم و گیسو
اس دل زار کو کس کس نے بلانے چاہا

نہیں گردوں نہ سنگ آسیا ہم
و لے رہتے ہیں گردش میں سدا ہم

جب نہ بت شکل بتاں اس میں نظر آتی ہے
دل کو اللہ کا کس منہ سے مکان کہتے ہیں

یہ دھڑک دل کی جو ہے عشق میں کچھ اور ہی ہے
وہ مرض اور ہے جس کو خفقان کہتے ہیں

میں اور ترک عشق یہ امکان ہی نہیں
ناصح کی پند سننے کو یاں کان ہی نہیں

جو آنکھ در سے وہ لڑا جانتے ہیں
تو ہم بھی کہیں دل لگا جانتے ہیں

یارو میری بالیں سے نہ اٹھو نہ جدا ہو
حالت مری اچھی نہیں کیا جانئے کیا ہو

بنائے کفر و دیں ایک تار سی ہے
کہ سبحہ منعقد زنار سی ہے

تیغ قاتل کی مرے تن ہی نے لذت جانی
کہ بھر آتا ہے ہر زخم کے منہ میں پانی
ابرو کے اشارے ترے لڑتے ہیں سبھی سے
تلوار ابھی بزم میں چلتی ہے کسی سے

(ش)

۲۸۴۔ شاد تخلص

نام اللہ یار بیگ، کیانی النسب اور غلام ہمدانی مصحفی کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اگر چاک سینے کا ہم وا کریں
تو ہنگامۂ حشر برپا کریں
گلعذاروں کی بے وفائی کا
داغ دل پر مرے نشانی ہے

۲۸۵۔ شاد تخلص

سکندر آباد کے برہمنوں میں سے ایک شخص ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اس رنگ چنپئی کا پڑا جس زمیں پہ عکس
چنپا کے پھول اگتے ہیں وہاں سے بہار میں

۲۸٦۔ شاد تخلص

بڈھانا کے رہنے والے تھے، ان کا نام معلوم نہیں، وہ دکن بھی گئے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

پاوے جو کہیں دل کی مرے ٹک خبر آتش
پھر رشک سے لوٹا کرے انگاروں پہ آتش
خون ٹپکے تھا آنکھوں سے لگے جھڑنے شرر بھی
کامل ہوتے فن اپنے میں یہ دیدۂ تر بھی

۲۸۷۔ شاؔد تخلص

نام میر احمد حسین، ان کے بزرگ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں حجاز سے ہندوستان آئے تھے، اس وقت وہ شکوہ آباد میں رہتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

لب ہلاؤ کبھی بس ایسی ہے رعنائی کیا
کام آئے گی قیامت کو مسیحائی کیا

۲۸۸۔ شاداؔب تخلص

نام خوش وقت رائے، چاندپور کے رہنے والے اور قائم کے شاگردوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جب تلک ہو کام مژگاں سے تو ابرو مت چڑھا
تیر کے ہوتے کوئی کھینچے بھی ہے تلوار کو؟

۲۸۹۔ شاداؔں تخلص

نام میر رجب علی، بھورے خاں آشفتہ کے شاگردوں میں سے ایک درویش شخص ہیں نمونہ کلام یہ ہے:۔

دل نہ دیجے آہ شاداں طفل ابتر کو کبھی؟
یاد ہے نکتہ مجھے یہ حضرت استاد سے

۲۹۰۔ شاکر تخلص

شاہ شاکر علی دہلی کے رہنے والے ایک متوکل اور صاحب دل فقیر ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اس کی آنکھوں نے ایک خلق کو بیمار کیا
زلف نے بھی دل عالم کو گرفتار کیا

۲۹۱۔ شاکر تخلص

نام محمد شاکر، اس کے سوائے کہ یہ محمد علی حشمتؔ کے شاگردوں میں سے ہیں ان کا زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا، نمونہ یہ ہے:۔

کیا پوچھے ہے حال بلبلوں کا
جو ان پہ گذرنی ہے گذر لے
گلچیں تجھے کیا تری بلا سے
گل توڑ کے تو تو گود بھر لے

۲۹۲۔ شاہ تخلص

شاہ سعد اللہ ایک صاحب دل درویش ہیں اور دل درد مند رکھتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے

وابستہ ہے تجھ سے اپنی یہاں زیست
جب تو ہی نہیں تو پھر کہاں زیست
کبھی ہے اس قدر آنکھوں میں خوبصورت یار
کہ رہ گیا نظر آنے سے خوب وحشت مجھے

۲۹۳۔ شائق تخلص

نام محمد ہاشم، میر عزت اللہ عشقؔ کے شاگرد تھے، درزی کے پیشہ سے روزی کماتے تھے

نمونہ کلام یہ ہے:-

سراپا اس پری رو میں لطافت ہے صفائی ہے
تصدق ہیں ہم اس کے جس نے یہ صورت بنائی ہے
موسم گل کی خبر سنتے ہی بس آئیں گے
ہو گئی اور ہی صورت ترے دیوانے کی

۲۹۰۔ شائقؔ تخلص

نام میر حاجی، میر ہدایت علی، المتخلص کیفیؔ کے شاگرد اور اوصاف حمیدہ و محاسن پسندیدہ سے متصف تھے جھوسی میں کافی ہوشیار تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

نہ پوچھو یہاں کی آسائش کہ ہم اس بحر ہستی میں
حباب آسا کوئی دم کے یہاں مہمان بیٹھے ہیں
اس سنگ دل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی
تاثیر ہم نے دیکھ لی بس اپنی آہ کی

۲۹۰۔ شائقؔ تخلص

نام میر محمد، پہلے ہاشمی نام کے ایک شاعر کے شاگرد ہوئے، بعد میں جرأت کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، نمونہ کلام یہ ہے:-

تماشا دیکھ کر جراح کے مرہم لگانے کا
ہمارے زخم ٹانکے توڑ کر کھل کھل کے ہنستے ہیں

۲۹۰۔ شائقؔ تخلص

محمد نذیر الدین حسن، شاہ غلام محی الدین رومی سرہندی کے صاحبزادے ہیں جو بریلی کے شیخ

زادوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

چین اس دل کو نہ ایک آن تجھ سے بن آیا
دن گیا رات گئی رات گئی دن آیا

۲۹۷۔ شرفؔ تخلص

نام مرزا شرف الدین بیگ لکھنو کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

مژگاں اس کے برچھی ہیں یا خنجر ہیں یا بھالے ہیں
سینہ سپریاں ہم بھی ہیں سب اپنے دیکھے بھالے ہیں

۲۹۸۔ شرفؔ تخلص

شیخ شرف الدین، اس مقام کے رہنے والے تھے جو قدم شریف کی وجہ سے مشہور ہے۔ کروڑ کی داروغائی پر مامور تھے، اکثر مرثیے اور نعت و منقبتیں کہی ہیں نمونہ کلام یہ ہے :۔

اب دن پھرے ہمارے یہ ہم پر عیاں ہوا
وہ مہ جبین جو رات کو پھر مہرباں ہوا

۲۹۹۔ شرفؔ تخلص

میر مہدی، سید جعفر خان کے صاحبزادے تھے جو مرشد آباد کے صوبہ دار تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

یک صفائی قلب بس ہے بہر تسخیر جہاں
خاتم دست سلیماں ہے نگین آئینہ

۳۰۰۔ شریفؔ تخلص

مرزا شریف بیگ، شریف خاندان سے اور ظریف الطبع شخص ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

شریف رونے پر آجائیں گر یہ دیدۂ تر
تو آبرو نہ رہے کچھ گھٹا برسنے کی

۳۰۱۔ شرافتؔ تخلص

مرزا اشرف علی، میر مشرف کے پوتے ہیں، جو لکھنؤ کے مشہور رؤسا میں سے ہیں اور ممنونؔ کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

چمک کے برق نے کی دل پہ شعلہ بازی رات
نظر میں بھر گئی دامن کے وہ کناری رات
ضد تجھے صید افگنی کی جب صنم چڑھ جائے ہے
سیل خونِ صید تا بام حرم چڑھ جائے ہے

۳۰۲۔ شررؔ تخلص

مرزا جعفر، حکیم مرزا محمد عشق کے چھوٹے بھائی اور دہلی کے رہنے والے ہیں، حیدرآباد جاکر اور آگے چلے گئے، یعنی اس دنیا سے کوچ کر گئے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اے عشق جگر سوز شرر کی تجھے سوگند
ایک شعلۂ جان سوز کہ مشتاق فنا ہوں

۳۰۳۔ شررؔ تخلص

مرزا صادق، ایک تارک الدنیا شخص تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

۳۰۴۔ شرر تخلص

مرزا ابراہیم بیگ، نوازش حسین خان نوازش کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جھوٹی ہے محبت تم یاں کس کو جتاتے ہو
تقریر میں لکنت ہے کیوں باتیں بناتے ہو
شربت کے سے گھونٹ اب تو پیتے ہو شرر ہر دم
یوں اس شکریں لب کی اب گالیاں کھاتے ہو
سامعین کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہے
سرگذشت اپنی جو لکھیں تو قلم رکتا ہے

۳۰۵۔ شوری تخلص

جلالپور کے رہنے والے اور متقدمین میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

پھرتا ہے چار پہر مضطر آفتاب
روشن ہے یہ کہ محو ہوا تجھ پر آفتاب

۳۰۶۔ شعلہ تخلص

نام امرناتھ، کشمیری النسل تھے، لکھنؤ میں پیدا ہوئے، اچھا مذاق رکھتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جان دی شعلہ نے حسن سبز سے پرہیز کر
حق میں اس بیمار کے پرہیز کرنا سم ہوا
تھے نہ سیماب ہوس ہم نہ طلائے زرگر
کیا سمجھ کر چرخ نے ہم کو ملایا خاک میں
جلوہ گلزار ابراہیم آتا ہے نظر
اے بہار حسن تیرے روئے آتش ناک میں

غم اسیروں کے بھی کچھ ہے اندمال زخم کا
باغباں پھول اکیدو رکھ دے قفس کے چاک میں
رخ محبوب کو وہ دیکھتے ہیں عین زینت میں
کوئی خدمت نہیں دنیا میں خوب آئینہ داری سے
غبار راہ ہیں پر اے ہوائے عالم بالا
فلک پر ایک دن پہنچیں گے ہم اس خاکساری سے

۳۰۷۔ شفاؔ تخلص

حکیم یار علی، بنی اسرائیل تھے، ان کے خیالات کا نمونہ یہ ہے :۔
جوں ڈانک کے دینے سے دو نا لگے ہے یاقوت
چمکا ہے رنگ پان سے جوہر تیرے لبوں کا

۳۰۸۔ شفیعؔ تخلص

نام محمد شفیع، قدما میں سے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔
شام کو جب یاد تیری بات آتی ہے ہمیں
نیند کا فرہوں جو ساری رات آتی ہے ہمیں

۳۰۹۔ شفیقؔ تخلص

نام مظہر علی خاں، ثناء اللہ خاں فراقؔ کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔
آتا نہیں چمن میں مرا گلعذار حیف
جاتی چلی بہار ہے یوں ہی ہزار حیف

۳۱۰۔ شکوہ تخلص

محمد رضا خاں لکھنوی، مرزا قتیل کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گرچہ کہتے ہو پھر بھی آؤں گا
ہے یہ انکار میں سمجھتا ہوں لو
نہ اس کا وصل ہے ممکن نہ تاب ہے دلکو
عجب طرح کا الٰہی عذاب ہے دل کو
تھوڑی بھی نیک و بد کی گروہ تمیز رکھے
کافر ہو پھر جو اس سے دل کو عزیز رکھے

۳۱۱۔ شکوہ تخلص

میر شکوہ علی "رادھا" کے رہنے والے تھے، ان کا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہ دم میں دم ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روتے تھے خون جم رہا ہے آنکھوں میں

۳۱۲۔ شکیبا تخلص

شیخ غلام حسین دہلوی، میر تقی کے شاگرد اور حضور والا کے پایہ تخت کے شعراء میں شمار ہوتے تھے، ان کا پہلا شعر فقیر کو بہت پسند ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا شکیبا غم نہیں
پر یہ غم ہے اعتبار دست قاتل اٹھ گیا
چکا ہوں میں طبیب یہ امکان ہی نہیں
تو نبض دیکھتا ہے یہاں جان ہی نہیں
تیری چین جبیں ہے موج طوفاں
اسی سے ہم کنارے ہو رہے ہیں

نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے
مہ تاباں بھی میرے سر پہ خورشید قیامت ہے

۳۱۳۔ شُکر تخلص

رادھا کشن کا تستھ، مرادآباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دیکھ تو اے چشم سیل اشک طغیانی میں ہے
گھر سنبھال اپنا کہ دیوار مژہ پانی میں ہے

۳۱۴۔ شگفتہ تخلص

مرزا بیدار بخش بہادر عرف مرزا جی، آفاق مرزا جواں بخت جہاندار شاہ مرحوم کے مرشد زادے کے صاحبزادے ہیں، اپنے والد بزرگوار کے ساتھ بلاد مشرق (پورب) کی طرف چلے، بنارس کی ہوا ان کی طبعیت کو ایسی موافق آئی کہ لوٹنے کا ارادہ نہ کیا، نمونہ یہ ہے:۔

مشکل ہے میری اس کی ہو صحبت برآہ
میں جلد باز ہوں وہ تغافل شعار ہے

۳۱۵۔ شگفتہ تخلص

مرزا سیف علی اشجاع الدولہ بہادر مغفور کے صاحبزادے ہیں، کاظم بیگ جواں نے ان کے کلام کی اصلاح کی، جواں ایک با مروّت اور با اخلاق انسان تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آنکھیں چرا کے شب وہ بہانے سے اٹھ گیا
حرفِ مروّت آہ زمانے سے اٹھ گیا
خرام ناز ترا بس میری نظر میں رہا
تمام عمر ہی بیٹھا میں رہ گذر میں رہا

بوسہ لیتے ہوئے ہم دیکھو ادب کرتے ہیں
گالیاں دیتے ہیں یہ آپ غضب کرتے ہیں
غم نہ کھا اے دل اگر شب زلف کی تاریک ہے
پاس ہے رخ اس کا یعنی صبح بھی نزدیک ہے

۳۱۶۔ شگفتہ تخلص

بدھو سنگھ، خداداں کے رہنے والے تھے، شاعری میں کھورے خان آشفتہ سے مشورہ کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

پروانہ وار جل کر گو خاک ہو گئے ہم
پر شمع رو نہ چوکا اپنی شرارتوں سے

۳۱۷۔ شوق تخلص

شیخ الٰہی بخش اکبر آبادی۔ مرزا مظفر بخت بہادر ولد جواں بخت نے ان کو منصب نامہ نگاری پر مقرر کیا تھا، کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اردو اور فارسی دو دواوین مرتب کئے ایک کتاب بھی قوانین السلطنت کے نام سے تصنیف کی جبکہ اسی کشمکش شوق میں پائے تخت جہاں آباد (دہلی) میں پہنچے۔ برسم راہ بادشاہ کی خدمت میں پیش گیر نیکو تھے ان کا انتقال ۱۲۴۱ھ میں ہو گیا، ان کی تراوش قلم کا نتیجہ یہ ہے :۔

دیکھے جو رنگ اس مژۂ اشک بار کا
دل خجلتوں سے آب ہو ابر بہار کا
اس خاکسار کو کوئی کیوں کر اٹھا سکے
جوں نقش پا جہاں کہ یہ بیٹھا وہیں رہا

۳۱۸۔ شوقؔ تخلص

جواہر بیگ لکھنوی، مصحفی کے شاگردوں میں سے ہیں، فنِ لغز و معمہ سے واقف تھے مشہد مقدس بھی تشریف لے گئے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تجھ بن قلق ہے بسترِ غم پر تمام رات
تڑپا کیا مرا دلِ مضطر تمام رات
ہمارا حال زار اے شوقؔ وہ آکر اگر دیکھے
یہ کیا ممکن ہے جو آنسو نہ چشمِ یار سے ٹپکے

۳۱۹۔ شوقؔ تخلص

نام مولوی قدرت اللہ، فضلاء کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں، قصبہ موئی کے رہنے والے تھے ان کا یہ شعر نظر سے گذرا جو قلم بند کیا گیا:۔

اے خدا یوں بھی کبھی تیری خدائی ہوگی
کہ مجھے اس کی جدائی سے جدائی ہوگی

۳۲۰۔ شوقؔ تخلص

جہان آباد کے رہنے والے اور سوداؔ کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دامن کو تیرے خون نہ رہے بن بھرے ہوئے
چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مرے ہوئے

۳۲۱۔ شوقؔ تخلص

نام حسن خان افغانی، سراج الدین علی خان آرزوؔ کے شاگردوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دکھا دیدار اے پیا سے کہ میں فرقت سے مر گذرا
مرا فردائے محشر آج ہی میں کل سے در گذرا
مدت سے یہ بحث درمیان ہے
پر علم نہیں کمر کہاں ہے

۳۲۲۔ شوقؔ تخلّص

نام بھوگی لعل، نمونہ کلام یہ ہے :۔

کہیں مرقد پہ آنکلا بت ایماں شکن میرا
گلے میں ہو گیا زنار ہر تار کفن میرا
کہیں وہ شوخ بھی آجائے لڑکوں میں تماشہ کو
مبارک جب مجھے اے شوقؔ ہو دیوانہ پن میرا

۳۲۳۔ شوقؔ تخلّص

روشن لعل، علم موسیقی اور ستار نوازی میں استاد تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

گردش چشم دکھانا نہ گل اندام کہیں
ورنہ ٹوٹے گی صراحی کہیں اور جام کہیں
عقدۂ دل نہ کھلا ناخن تدبیر کے ساتھ
آخرش کام پڑا پنجۂ تقدیر کے ساتھ

۳۲۴۔ شوقؔ تخلّص

نام محمد بخش، ان کا حال معلوم نہیں ہوا، نمونہ کلام یہ ہے :۔

اے شوقؔ اچھالے ہے وہ شیشہ کو نشہ میں
منظور کسی کی تو اسے دل شکنی ہے

۳۲۵۔ شوق تخلص

غلام رسول، جہان آباد کے رہنے والے اور حافظ قرآن ہیں، ولی عہد بہادر نے عزیز آباد کی چوک والی مسجد کی امامت پر ان کو مامور کر رکھا تھا، بچوں کو تعلیم دیتے ہیں، شاہ نصیر سے حق تلمذ ہے، ان کا اکثر کلام استاد کے رنگ میں ہے، ان کا ایک شعر نہایت رد و کد کے بعد دستیاب ہوا جو قلم بند کیا گیا :۔

لکھا ہوا تھا اس مہ جبین کے پردہ پر
نہیں ہے کوئی اب الیا زمین کے پردہ پر

۳۲۶۔ شوکت تخلص

منیف علی، میر رستم علی بجنوری کے صاحبزادے ہیں، فن شعر گوئی علی عشرت بریلوی سے سیکھا، کہتے ہیں کہ بنارس میں ایک انگریز سے ان کا اتنا اختلاط بڑھا کہ طمع اور حرص پر (اللہ بچائے) ترک اسلام کر کے عیسائی ہو گئے، اب میرٹھ میں عیسائی بچوں کی تعلیم کر کے گذر اوقات کرتے ہیں اور اپنا نام منیف مسیح رکھ چھوڑا ہے، یہ کلام اسی مقلد مسیح دجال کا ہے :۔

کاٹ ہے جو ابروئے خم دار میں
ہے یہ برش کب کسی تلوار میں
مجھ میں اور ابر میں ہے معرکہ آرائی آج
سرخ رکھیو تو اے دیدۂ خونبار مجھے

۳۲۷۔ شور تخلص

مرزا محمود بیگ عرف ملھو بیگ ایرانی النسل تھے، اسی جنت نشان شہر میں پیدا ہوئے اور معرکۂ جنگ میں کام آئے سپاہی پیشہ اور صحیح الفکر انسان تھے نمونہ یہ ہے :۔

ایک آہ سرد بھرنا اور دل کو تھام لینا
ہوتا ہے گاہے گاہے یوں تیرا نام لینا
وہ قتل کو ہمارے ارشاد کر رہے ہیں
یاں کلمۂ شہادت ہم یاد کر رہے ہیں
غضب آنکھیں ستم ابرو عجب منہ کی صفائی ہے
خدا نے اپنے ہاتھوں سے تری صورت بنائی ہے

۳۲۸۔ شورشؔ تخلص

نام غلام احمد، محمد اکبر قبالہ نویس کے لڑکے ہیں، عاشق مزاج شخص ہیں اور کبھی کبھی شعر بھی کہتے ہیں، یہ مومن خاں کے دوستوں میں سے ہیں اور اپنا کلام ان کو دکھاتے ہیں، یہ اشعار ان کے لکھے ہوتے ہیں:۔

نامہ جو نیا لائے ہے قاصد تو صنم کا
ایمان نہ کھونا کسی مایوس کرم کا
کیا جانے عدو خون جگر پینے کی لذت
شورشؔ سے مزا پوچھئے تلخ آب الم کا
کھو رکھے گا مجھ کو میرا دیدۂ تر ایک دن
شمع ساں گھل جائے گا یہ جسم لاغر ایک دن
کیا قیامت ہے کہ روز حشر ہے ہر روز ہجر
تھا قیامت کے لئے یارب مقرر ایک دن
جب وہ بیخواب غم دوری اغیار سے ہو
شکوہ پھر کیوں نہ مجھے طالع بیدار سے ہو
چشم عاشق سے جو دریا کو کوئی دے تشبیہ
بس وہیں رونے کا ہو جائے بہانا مجھکو

ہمدم شب ہجر میں اجل بھی تو نہیں ہے
حال اپنا کہیں کیا در و دیوار کے آگے
تا خواب میں بھی جلوہ فروز اُنکے نہ ہو تو
ہم کوچۂ اغیار میں فریاد کریں گے

۳۲۹۔ شورشؔ تخلّص

میر غلام حسین نام، عظیم آباد کے رہنے والے تھے، میر باقر حزیںؔ سے شاعری میں اصلاح لیتے تھے، کہتے ہیں کہ انہوں نے اردو شعراء کا ایک تذکرہ لکھا ہے، ان کا سنِ وفات ۱۱۹۰ھ لکھا گیا ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

رقیب گرچہ بہت بر خلاف ہے شورشؔ
ہوا کرے ہمیں ہے یار اپنے کام سے کام

۳۳۰۔ شہرتؔ تخلّص

نام امیر بخش، عیسٰی خان کے لڑکے تھے، اپنے والد کے ساتھ دکن گئے، شاعری کی وساطت سے دیوان چندو لال کی سرکار میں ملازم ہو گئے اور بہت سے انعامات حاصل کئے جوانی میں انتقال کیا، انہوں نے فنِ نظم کا اکتساب ثناء اللہ خاں فراقؔ سے کیا تھا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

حسرت بڑی ٹپکتی ہے شمع مزار سے
آئینہ کو جلا دو ہمارے غبار سے

۳۳۱۔ شہرتؔ تخلّص

جرأتؔ کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دل ڈھونڈتے ہو پاس مرے دل تو کہاں ہے
ایک شعلۂ آتش ہے کہ پہلو میں نہاں ہے

۳۳۲۔ شہامت تخلص

نام شہامت علی، بلاد شرقیہ (پورب) کے درویشوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یادِ حق گر ہو نہ دل میں تو ہو قالب نفس شوم
بوم ہو جاتا ہے وارث خانۂ ویران کا

۳۳۳۔ شہید تخلص

میر اور سودا کے معاصرین میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گئے برباد اپنے نالہ فریاد یا قسمت
بہار آخر ہوئی تب ہم ہوئے آزاد یا قسمت
شہید آخر مقدر تھا ہمیں حسرت میں جی دینا
ہمارے سر پہ آ کر پھر گیا جلاد یا قسمت

۳۳۴۔ شہیدی تخلص

نام کرامت علی، لکھنؤ کے باشندے اور اچھا مذاق رکھنے والے تھے، عروض میں اچھی خاصی مہارت تھی اور علم ریاضی سے کافی بہرہ ور تھے، پنجاب اور گجرات کے اکثر شہروں میں بشتر زندگی گذارتے تھے، اور کبھی کبھی دہلی بھی آتے تھے، دہلی تشریف آوری کے وقت راقم سے بارہا ملاقات ہوئی، ایک بے تکلف آزاد اور وسیع المشرب شخص تھے اور آزاد زندگی بسر کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

قدر سب چاہنے والوں کی تری دیکھ چکے
خوار رہتا ہے پرانا تو پشیمان نیا

گر کچھ مزا ملا تو شہیدی اسی کے ہاتھ
خنجر تو یوں گلے پہ مرے بار ہا پھرا

کانوں سے سنا کرتے تھے ہم جادو ہر ایک شے
آنکھوں سے تری نرگس فتاں نے دکھایا

عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ہم نہ پہنچے اپنے مطلب کو نہ پہنچے پر خدا
یہ نہ سنوائے کہ مطلب غیر کا حاصل ہوا

جلد انصاف چکا خلق کا اے داور حشر
پھر قیامت ہے جو وہ شوخ ستمگر آیا

نام مرنے کا سنے سے جسے غش آتا ہو
وہ شہیدی کے جنازہ پہ مقرر آیا

وعدۂ شام پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح
وہ اسی وقت نہ آتے اگر آنا ہوتا

ظالم کبھی تو بام پہ آ جا کہاں تلک
بہلائے جی کوئی در و دیوار دیکھ کر

شہیدی ہیں تو کیا ہوں لیکے بوسہ سنگِ اسود کا
کیا خوشنود اس بت نے خدا کو ایک بوسے میں

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

۳۳۵۔ شیدا تخلص

بجز اس کے کہ یہ مرادآباد کے رہنے والے تھے ان کا مزید حال معلوم نہیں ہوا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گرتے ہو کیوں سُبک تم در سے مجھے اٹھا کے
کیا میرے بیٹھنے کا خاطر پہ بار گذرا

۳۳۶۔ شیدا تخلص

نام خواجہ ہینگا، کشمیری الاصل تھے، فن علاقہ بندی میں مہارت تھی اور میر محمدی بیدار کے شاگردوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں
بلبے ظالم تیری بے پرواہیاں
جا کان میں باتوں کے بہانے لیا بوسہ
دیوانہ ہوں شیدا میں بڑا کام کیا ہے

۳۳۷۔ شیدا تخلص

نام نواب معین الدین خاں، نواب غازی الدین خاں مرحوم نظام کے پوتے تھے کہ جن کی فضیلت زبان زد ہر خاص و عام ہے، کالپی میں رہتے تھے، کبھی کبھی جہاں آباد بھی آتے تھے، ان کے کچھ اشعار دستیاب ہوئے جن میں سے یہ اشعار تحریر کئے گئے:۔

اتنا نازک ہے مزاج اے بت قاتل تیرا
کہ تڑپتا نہیں دل کھول کے بسمل تیرا
بیٹھا رہتا ہے جو زانو پہ جھکائے شیدا
پاؤں سے کس کے سر ایسا ہی رہا مل تیرا
جواب زبانی بھی اس کا نہ آیا
دئے میرے ہی خط مجھے سب نے لا کر

شمع تک ٹھنڈی اٹھی بزم سے اس کے پر ہم
اٹھے تو جل کے اٹھے بیٹھے تو جل کر بیٹھے

۳۳۸۔ سیفتہ تخلص

قدماء میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

عید کے دن بھی نہ دیکھا اس ہلال ابرو کو آہ
چاند دیکھا ہم نے لیکن منہ نہ دیکھا چاند سا

۳۳۹۔ شیفتہ تخلص

نام حافظ عبدالصمد، اہل علم خاندان سے اور سپاہی قسم کے آدمی تھے، اور بھورے خاں آشفتہ کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بے سبب کاکل مشکیں کو یہ شانہ کیا تھا
منہ چھپانا تھا اگر تو یہ بہانا کیا تھا

۳۴۰۔ شیفتہ تخلص

راقم عاصم ہے، کم مائگی کی بنا پر نہیں چاہتا ہوں کہ شعراء کے زمرہ میں شمار کیا جاؤں، لیکن ارباب کرم کی امید کرم پر کہ عیب کو بھی ہنر سمجھیں اور غلط کو بھی درست تصور کریں اپنے کلام میں سے تھوڑا سا جو میرے کردار کے مانند زیادہ اچھا نہیں ہے پیش کر رہا ہوں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بدان را بہ نیکان بہ بخشد کریم
تو ہم ار بدی بینی اندر سخن
بہ خلق جہان آفرین، کار کن

اور اپنے افکار عرض کرنے سے پیشتر اپنا حال گذارش کر رہا ہوں وہ یہ کہ فقیر کو بچپن ہی سے اس شغل کا شوق تھا، عمر کا بڑا حصہ اس میں ضائع کیا، چونکہ اس فن میں انہماک، دوسرے اشغال عالیہ اور شریفہ سے باز رکھتا ہے، اس لئے اب مدت ہوئی کہ اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں، مگر اہل محفل کی تحریک پر کبھی کبھی واردات جدیدہ سے اتفاق پڑتا ہے اور وہ بھی مہینوں میں نہیں برسوں میں کبھی مشتاقان ریختہ کے ہجوم عشق کی خاطر اردو میں فکر سخن کرنے کے لئے مضطر ہوتا ہوں اور کبھی اسی طرح آرزومندان فارسی کے شوق کے جوش میں فارسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور مراتب سخن میں اگرچہ میرا ایک خاص انداز ہے لیکن طبیعت ہر انداز میں کچھ ایسی مناسب واقع ہوئی ہے کہ ہر اسلوب میں شعر کہہ لیتا ہوں ایسا کہ گویا کہ وہ ہی میری طرز خاص ہے اور اگر میرے نظم و نثر کا مجموعہ دیکھا جائے تو میرے اس دعوے کی تصدیق ہوگی اور جو کچھ میرے جام سخن میں ہے وہ میخانۂ سخن کے ساقی مومن خان کے ہاتھ سے ڈالا ہوا ہے یہ چند اشعار اپنے خیالات پریشان میں سے جو میں نے اپنے دیوان سے منتخب کئے ہیں عرض کرتا ہوں:-

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے رنجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا

تم نے کیا جانئے کس ذوق سے دی جان دم قتل
کہ بہت اس نے ستمگر کو پشیماں دیکھا

ایک نالہ میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے
جس کو دشوار سمجھتے تھے سو آساں دیکھا

کیا ہوئے شام روز جزا ڈھب نجات کا
باقی ہے انتقام ابھی عشرت کی رات کا

کہتے ہیں جان جانتے ہیں بے وفا مجھے
کیا اعتبار ہے انہیں دشمن کی بات کا

اے مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو
رکھا ہے اس نے سوگ عدو کی وفات کا

اس سے میں شکوہ کی جا شکر ستم کر آیا
کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا

قبر سے اٹھ کے یہی دھیان مکرر آیا
وہ تو آتے نہیں میں آپ میں کیونکر آیا

اے اجل نیم نگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہل ماتم میں یہ چرچا ہے کہ دلبر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذت آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

شوق مردن تو ہے پر جینے سے بن آئے گی
شیفتہ ضد یہ جو وہ اپنے ستم گر آیا

ہے خراش ناخن خم میں بھی کیا بالیدگی
جو ہلال غرہ تھا سو ماہ کامل ہو گیا

ہاتھ اٹھایا اس نے قتل ہیگنہ سے میرے بعد
طالع اغیار سے جلاد عادل ہو گیا

شعلہ رو یار شعلہ رنگ شراب
کام یہاں کیا ہے دامن تر کا

نقش تسخیر غیر کو اس نے
غول لیا تو میرے کبوتر کا

میری ناکامی سے فلک کو حصول
کام ہے یہ اسی ستم گر کا

کیا دوں جواب داور روز شمار کا
ہے اب تلک خیال اسی غفلت شعار کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

کب طالع خفتہ نے دیا خواب میں آنے
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

ایسے جفائے یار میں پائے مزے کہ بس
منکر ہی ہو گیا میں عذاب الیم کا

بسکہ آغاز محبت میں ہوا کام اپنا
پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا

ذکر عشاق سے اتنی ہے جو نفرت اس کو
آپ عاشق ہے مگر وہ بت خود کام اپنا

کیوں نہ ہووے تپش دل سے مجھے خواہش مرگ
سب کو دنیا میں پسند آئے ہے آرام اپنا

تاب بوسہ کی کسے دیں بھی وہ اب شیفتہ گر
کر چکی کام یہاں لذت دشنام اپنا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں رویا کیا

غیر ہی چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی
صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

شبِ ہجران نے کہا قصۂ گیسوئے دراز
شیفتہ کو بھی دلِ زار نے سونے نہ دیا

کب ہمیں حاجت پرہیز پڑے
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

خوبیِ بخت کہ پیمانِ عدو
اس کو ہنگام قسم یاد آیا

کس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

پروانہ بنا میرے جلانے کو وفادار
محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا

یاں سبک حرفِ ملامت داں گراں عرضِ نیاز
سخت جاں ہم کب نہ تھے اور نازنیں تو کب نہ تھا

پروانہ وار جلنا دستور ہے ہمارا
اس شمع رو پہ مرنا مشہور ہے ہمارا

ہائے اس برقِ جہاں سوز پہ آنا دل کا
تجھے جو گرمیِ ہنگامہ جلانا دل کا

ہے ترا سلسلۂ زلف بھی کتنا دل بند
پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹانا دل کا

دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیونکر
نہ سنا تم نے کبھی ہائے فسانا دل کا

معجزِ حسن سے سب جن و بشر ہیں تسخیر
میری بلقیس کو دعویٰ ہے سلیمانی کا

کسی بیتاب کو دیکھا کہ ہوا گرم عناں
کچھ نیا ڈھب ہے ترے رخش کی جولانی کا

نہ لکھنا تھا غمِ ناکامیِ عشق
جواب نامہ بے مدعا کیا

بے پردہ وہ آئے مجھے کس طرح نہ ہووے
اے شیفتہ ہنگامۂ محشر کی شکایت

سونگھ گل ہوش آگیا تھا دیکھ گل پھر غش ہوا
یاد آئی مجھ کو اس چاک گریباں کی بہار

کیا کہیں گے گر ستم دیکھے کہ اک بہدید تر
شیفتہ عاشق ہوئے وہ شوق میرا دیکھ کر

میرے آنے سے تم اٹھ جاتے ہو
بزم دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

کیا بن گیا ہوں صورت دیوار دیکھنا
صورت کسی کی میں سر دیوار دیکھ کر

کہنا تھا وقت نزع کے ہر اک سے شیفتہ
دینا کسی کو دل تو وفادار دیکھ کر

یہ ناخن و خراش میں بگڑے کہ کیا کہوں
ایک دم ہوا جو عقدۂ بند قبا سے ربط

صبح شب فراق کیا لطف مرگ نے
کیا دیر میں ہوا ہمیں زود آشنا سے ربط

بے رحم ہیں جرم وفا قابل بخشش
محروم ہیں کس واسطے تعزیر کے مشتاق

لکھتا ہوں زبس آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی تیرے تیر کے مشتاق

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آ کے لب تلک
ہے آرزوئے بوسہ یہ پیغام اب تلک

کہتے ہیں بیوفا مجھے میں نے جو یہ کہا
مرتے رہیں گے تم ہی پہ جیتے ہیں جب تلک

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
پہنچا دو یہ پیام اجل جاں طلب تلک

یاں عجز بے ریا ہے نہ واں ناز دلفریب
شکر بجا رہا گلۂ بے سبب تلک

صبر پروانہ کا مجھ پہ نہ پڑے ڈرتا ہوں
ماہرو شمع کو ہرگز نہ جلانا شب وصل

تنگ اتنا نہ کرے شوق ہم آغوش کہ وہ
ڈھونڈتے ہیں چلے جانے کو بہانا شب وصل

ہنگام غش جو غیر کو اس نے سنگھائے گل
جنت میں لے چلی مری جاں کو ہوائے گل

ازبسکہ دیکھ جلوہ ترا جل گئی بہار
شعلے اٹھے زمین چمن سے بجائے گل

خوش ہوں نہ کھلنے لائے گا اس کو کہ غیر نے
بستر پہ میرے کانٹوں کے بدلے بچھائے گل

کب ہوئے خار راہ غیر بھلا
کیوں کھٹکتے ہیں چشم یار میں ہم

نعش پر تو خدا کے واسطے آ
مر گئے تیرے انتظار میں ہم

افغان چرخ رس کی لپٹ نے جلا دیا
نامہ کو ڈھونڈتی ہے صبا اور صبا کو ہم

ہیں جاں بلب کسی کے اشارت کی دیر ہے
دیکھے ہے اس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

میں زندہ اور غیر پہ بیداد جلد آ
اے مرگ داد چاہیں گے چل کر خدا سے ہم

کیا جانتے تھے صبح وہ محشر قد آئے گا
شام شب فراق نہ مرتے بلا سے ہم

اے جوش رشک قرب عدو واتو مت اٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ بزم میں کس التجا سے ہم

کم التفاتیوں کا ہے وہم اہل بزم کو
شرمندہ ہو گئے ترے شرم و حیا سے ہم

آنکھوں سے یوں اشارۂ دشمن نہ دیکھتے
ہوتے نہ اس قدر جو نگہبانیوں میں ہم

تزئین میرے گور کی لازم ہے خوب سی
تقریب سیر ہی سے وہ شاید گذر کریں

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

دشمن نواز یار نہ فلک بو الہوس پرست
کس سے جفائے غیر کا یارب گلہ کروں

میں جل گیا وہ غیر کے گھر جو چلا گیا
شعلہ سے استعارۂ آواز پا کروں

کب ہاتھ کو خیال جزائے رفو نہیں
کب پارہ پارہ پیرہن چارہ جو کروں

کیا جانے درد زخم کو گو ہو شہید ناز
جو نیم کشت خنجر رشک عدو نہیں

کچھ اور بے دلی کے سوا آرزو نہیں
اے دل یہ یاد رکھیو کہ ہم ہیں تو تو نہیں

بے اشک لالہ گوں ہیں بھی بے آبرو نہیں
گریہ میں رنگ کیا ہو کہ دل میں لہو نہیں

پھر بھی کہو گے چھیڑنے کی اپنی خو نہیں
عطر سہاگ ملتے ہو وہ جس میں بو نہیں

کیا جوشش انتظار میں ہر سمت دوڑتے
بدنامیوں سے ہائے گذر ایک سو نہیں

شکر ستم ہے راس نہ آیا ہمیں کہ اب
کہتے ہیں وہ کہ لائق الطاف تو نہیں

ہرجائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو
کیا آپ کا نشان قدم کو بکو نہیں

نیرنگیوں نے تیری یہ حالت تغیر کی
امید زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ
اس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں

چراغ وقف محبت نے کر دیا افسوس
کہ مجھ کو دوست و دشمن سبھی جلاتے ہیں

تنگ تھی جا گہ دل ناشاد میں
آپ کو بھولے ہم اس کی یاد میں

کیونکر اٹھتا ہے خدا رنج قفس
مر گئے ہم تو کف صیاد میں

یہاں امید قتل ہی نے خوں کیا
رہ گئی حسرت دل جلاد میں

لیلیٰ کہے سے بگڑ گئے تھے
دیوانہ میں جان کر بنا ہوں

گر کہئے کہ غیر سے نہ ملئے
کہتا ہے کہ کیا میں بے وفا ہوں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے بے شگفتہ
اس کی گلی میں آج نشان قدم نہیں

الفت چھپا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا
اظہار عشق غیر سے وہ منفعل نہیں

جو حال پوچھنا ہے تم اس سے ہی پوچھ لو
مجھ کو دماغ قصۂ غمہائے دل نہیں

جلے کیا کیا نہ عرض سوزش داغ نہانی میں
عجب آرام تھا جوں شمع ہم کو بے زبانی میں

عدو سے بات کی اور حرف آیا بے دہانی میں
غرورِ حسن کم ہوتا ہے الطافِ زبانی میں

دعوے ہیں بوالہوس کو عبث مال و جاہ میں
الماس ریزے فرش ہیں یاں خوابگاہ میں

رقیب پیتے ہیں کس کس مزہ سے جام شراب
ہمارے دہر میں افسوس اجتناب نہیں

موئے پہ بھی مجھے کس طرح اضطراب نہ ہو
یہ جور ہیں کہ قیامت کے دن حساب نہ ہو

ہے دل کو شکر وفائے عدو سے بیتابی
کروں میں کچھ گلہ لطف گر عتاب نہ ہو

ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں
عشق سے مجھ کو ڈراتے کیوں ہو

بوسۂ لب نہ مانگتا دشمن
منہ لگاتا ہے کون سائل کو

دیکھ کر چشم غضب کو اس کی میں نے رو دیا
چاہئے پانی ملا لینا شراب تیز کو

کب ہوئیں گستاخیاں آداب دان عشق سے
دیکھئے تعزیر اپنی تمکین ہوس انگیز کو

کیوں نہ شادی مرگ ہو نا کام مجھ سا دیکھ کر
زخم کے منہ میں زبان خنجر خوں ریز کو

خط آزادی تھا نامہ غیر کا اے جوش رشک
پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسی دستاویز کو

آہ و زاری نارسا شوق اسیری بے اثر
کون لائے آشیانے تک مرے صیاد کو

اک دمِ شمشیر سے آزار سب جاتے رہے
ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلاد کو

اجل سنے کی ہے کس دم مہربانی
کہ جب پہلو میں وہ نامہربان ہے

سحر ان کو ارادہ ہے سفر کا
قیامت آنے میں شب درمیان ہے

دیت اہلِ فلک کی درہم داغ
کہ تیر نالہ اپنا خون چکاں ہے

انصاف اے خدائے دو عالم کہاں تلک
وصلِ صنم عدو کو ہو رشکِ عدو مجھے

تشبیہہ تیرے زلف سے دی ہو نہ غیر نے
سنبل سے عطرِ فتنہ کی آتی ہے بو مجھے

تابِ وصال اس سمن اندام کو کہاں
بس بس نہ چھیڑ اے خلشِ آرزو مجھے

جاتا ہوں کوئے غیر میں صحرا کے بدلے میں
دیوانگی میں بھی ہے تیری جستجو مجھے

اگلے رشک ان کو یاد آنے لگے
ہم جو غیروں کے گھر جانے لگے

پھر محرک ستم شعاری ہے
پھر انہیں جستجو ہماری ہے

بھر وہی بے قراریٔ تسکیں
وہی تسکین بے قراری ہے

کہتے ہے مجھ سے کہ اس جور پہ تو چھوڑ اسے
ستم تو دیکھو کہ طعن علو وفا پہ ہے

خیال تھا اثر جذب دل سے کیا کیا آج
ہزار خون ہوس گردن حنا پہ ہے

کہاں تلک ستم یار کا فاک سے گلہ
تو آپ شیفتہ اے شیفتہ جفا پہ ہے

غیر بھی کیوں تم سے بنا بیں گے گر
جرم وفا قابل تعزیر ہے

کرتا ہوں میں تعریف زبس اس کے دہن کی
لیتے ہیں مرے لب مری تقریر کے بوسے

جس لب کے بوسے غیر لے اس لب سے شیفتہ
کم بخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

شکر ستم نے اور بھی مایوس کر دیا
اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کیے

آؤ مل جائیں لڑائی ہو چکی
ایکدم صبر آزمائی ہو چکی

کیا ارادہ اگر سیر باغ کا تونے
قیامت آئے گی ابر بہار کے بدلے

دیکھ تغیر مرے رنگ کو شوخی سے کہا
تجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہے

بھیجکر کس کو بلاؤں شب غم میں کہ کوئی
لاکھ خاطر ہو پر کب سوئے اجل جاتا ہے

بزم دنیا میں ہے دو شخص کو کب عیش نصیب
سو تجھی کو رہے مجھ کو تو یہ غم بھی بس ہے

دولتِ وصل سے کیا کام ہوس ناکوں کو
نازِ خسرو کے لئے خیل و حشم بھی بس ہے

خود چاک کروں جامۂ اعدا کہ نہیں چاک
جی میں ہے کہ دوں دھجیاں ارباب ہوس کی

اے عدو کس لئے نازاں ہے سمجھ تو آخر
جسے ہم خوار ہوئے ہیں یہ وہی عزت ہے

لے چلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں
آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے

کھول جلد اے شیفتہ آغوش شوق
یہ صدا آئی لب سوفار سے

اس نے خوش کرنے کو پڑھوایا عدو سے خط میرا
بسکہ تھا آگاہ حرفِ شکوہ کی تحریر سے

ننگ جہانی دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

ناصح تری زباں ترے بس میں نہ ہو تو پھر
انصاف کر کہ دل پہ مرا دار کیا چلے

کیا شوقِ جستجو ہے کہ گر پاؤں ٹوٹ جائیں
تیری گلی کے سمت مرا نقش پا چلے

یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بے وفا
روتے مرے جنازہ پہ کیوں اقربا چلے

تھی کب سے مرگ و حسرت دیدار میں نزاع
وہ ایک دم میں آن کے جھگڑا مٹا چلے

اے جان لب پہ آ کے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہوا چلے

تذکرہ صلح غیر کا نہ کرو
بات اچھی نہیں لڑائی کی

تم کو اندیشۂ گرفتاری
یاں توقع نہیں رہائی کی

ایک دن تیرے گھر میں آنا ہے
بخت و طالع نے گر رسائی کی

ایسی رغبت سے کرے قتل گماں کا ہکو تھا
شیفتہ اس کو تو لو تم سے محبت نکلی

(ص)

۳۴۱۔ صاحب تخلص

مظفر الدولہ ممتاز الملک نواب ظفریاب خاں بہادر، شمرو فرانسیس کے بیٹے تھے، خیراتی خاں دلسوز سے اصلاح لیتے تھے، جب جہاں آباد آتے مشاعرہ منعقد کرتے، عالم جوانی میں انتقال کیا، نمونہ کلام یہ ہے:-

نظر آیا مجھے شب بام پہ پیارا اپنا
بارے اب کچھ ہے بلندی پہ ستارا اپنا

ہے زلف حلقہ زن خطِ دلبر کے آس پاس
یا اژدہا ہے فوجِ سکندر کے آس پاس

۴۴۲۔ صاحبؔ تخلص

متقدمین میں سے تھے اور صاحب دیوان تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

زور کیفیت مے ہے کہ سبھی جھکتے ہیں
جام پر شیشہ جھکا شیشہ پہ میخوار جھکا

۴۴۳۔ صاحبؔ تخلص

ان کا نام امت الفاطمہ بیگم تھا، صاحب جی کے نام سے مشہور تھیں، حسن وصفات میں مثل آفتاب تھیں، اپنے معالجہ کے سلسلہ میں مومن خاں سے سابقہ پڑا، کچھ مہینے زیر علاج رہیں، مدت ہوئی کہ لکھنؤ چلی گئیں، خان موصوف کی "مثنوی قول غمین" انہیں کے حسن وجمال کی شرح ہے، المختصر ان کی فیضان صحبت سے ان کی طبعیت شعروشاعری کی طرف مائل ہوئی اور موزونی قد موزونیٔ طبع کی طرف راغب ہوئی اور ان کی زلف پریشان کی زینت اشعار گوئی میں متبدل ہوئی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

رقیبوں کا جلنا کہاں دیکھتا تو
سماں یہ مرے گھر میں آیا تو دیکھا
گنہ کیا صنم کے نظارہ میں زاہد
یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھا
کھولے ہیں اس نے پیرہن یوسفی کے بند
تہہ کر رکھے نسیم سے کہدو قبائے گل

نظر ہے جانب اغیار دیکھئے کیا ہو
پھرے ہے کچھ نگہ یار دیکھئے کیا ہو

جو خط جبیں کا مرے کاتب ہے اسی کو
دکھلا تو مرا نامۂ اعمال الٰہی

صاحب جو بنایا ہے تو مانند زلیخا
یوسف سا غلام ایک مجھے دیدال الٰہی

۳۴۴- صاحبقران تخلص

نام امام علی، سادات رضویہ میں سے اور بلگرام کے رہنے والے ہیں، شرم و حجاب ان کے دل سے کوسوں دور، اور ان کی طبیعت آداب و اخلاق سے عاری ہے، ہر چند اس تذکرہ کو زیب نہیں دیتا، کہ عیاذاً باللہ کسی کو بدی کے ساتھ یاد کیا جاوے، لیکن بالخصوص اس شخص کے بارے میں ہزلیات اور فواحشات پر خلاف عنوان کچھ تھوڑا سا اس تذکرہ میں درج کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس نامۂ سیاہ کو نامۂ اعمال سے محو کرے الحاصل! اس کے تمام اشعار قسم قسم کی ہزلیات پر مشتمل ہیں اگرچہ دل پسند مضامین بھی ہیں، لیکن حیا ان کی تحریر سے مانع ہے، مگر ایک شعر کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مرتبہ میں بہت بلند واقع ہوا ہے، اور شاید نوجوانان بے باک معتبر ہوس ناک لوگوں کو ان اشعار کے نہ لکھنے پر گلہ اور شکوہ ہوگا، لیکن مجبوراً یہ ماننا پڑا الانسان اذا ابتلی بلبتین فاختار اھونھما۔ اس شعر کا خلاصہ یہ ہے:۔

مجھ کو شہوت ہوئی تیمم سے
تھی مقرر کسی چھنال کی خاک

۳۴۵- صادق تخلص

صادق علی خان، عظیم آباد کے امرا میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

وہ ہے عرق سے یار کے چاہ ذقن میں آب
دیکھے تو خضر کے بھی بھر آئے دہن میں آب

۳۴۶ - صادقؔ تخلّص

میر جعفر علی خاں، اکابر دہلی میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

شرم سے نام وہ نہیں لیتا
پھر ہمارا خطاب ہے کوئی

۳۴۷ - صادقؔ تخلّص

صادق علی خان، فوجدار خاں کے رشتہ داروں میں سے تھے، جو بادشاہ کے فیل بان خاص کے لقب سے ملقب تھے، انشاءاللہ خاں انشاء سے حق تلمذ تھا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

صادقؔ اب اور سروکار نہیں اس سے مگر
ایک بوسہ کی نہ کچھ ہے دل غمناک ہوس

۳۴۸ - صابرؔ تخلّص

نام صابر شاہ دہلوی، محمد شاہ کے شعراء میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جو ہم بستر نہ ہو ہم سے تو اس کی کیا شکایت ہے
نظر بھر کے ہمیں ایک دیکھنا اس کا کفایت ہے

۳۴۹ - صانعؔ تخلّص

نام نظام الدین احمد بلگرامی، اور یہی نام ان کی تاریخ ولادت ہے، ایک باادب اور با اخلاق

اور مہذب شخص تھے اور زبان فارسی میں ان کی فکر سخن آفرین طلب ہے، ہم عصر ممتاز شعراء مثلاً شیخ علی حزیں لاہجی اصفہانی اور والہ داغستانی سے ان کی صحبتیں رہتی تھیں، کبھی کبھی اردو میں فکر سخن کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:

صنم کی اس محبت پر دیا تھا جان و دل صانع
نہ تھا معلوم ہو جائے گا یوں نا مہربان اپنا

۳۵۰۔ صبا تخلص

نام کانجی مل، فیروز آباد کے رہنے والے تھے اور لکھنؤ میں پیدا ہوتے، مصحفی کے شاگردوں میں سے تھے، ایک مختصر سا دیوان اپنی یادگار چھوڑا، عالم شباب میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے، نمونہ کلام یہ ہے۔

ابھی تسکیں ہوئی تھی ایک ذرا فریاد و زاری سے
لگا دل مضطرب ہونے کہ پھر درد جگر اٹھا
افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ پایا
جس کے لئے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا
چلے دامن اٹھا کے یہ کہو اس شوخ قاتل سے
کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگیں خون بسمل سے

۳۵۱۔ صبا تخلص

میر ضیا کے شاگردوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جمع کر کے درد سارے تو نے دل پیدا کیا
کہہ تو اے دست قضا پھر اس سے کیا حاصل کیا

نہ رکھ محروم بوسے سے ہمیں قاتل کہ مرتے ہیں
جو مانگے سو اسے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں
تربت صبا کی دیکھی کل رات دور سے جو
آئے نظر مجھے وہاں شمع و چراغ کتنے
جا کر جو آج دن کو دیکھا کیا تفحص
ایک دل جلے ہے اس میں حسرت کے داغ کتنے

۳۵۲۔ صبا تخلص

نام مرزا راجہ شنکر ناتھ بہادر، راجہ رام ناتھ بہادر کے بیٹے تھے، نظارت کی پیش کاری کے عہدے پر ممتاز تھے اور محفل مشاعرہ منعقد کرتے تھے، نمونہ یہ ہے :۔

کیا پوچھتے ہو جور و ستم مجھ سے یار کا
دیکھو نہ حال میرے دل بے قرار کا
دل جب اس کی نگہ مست کا مخمور ہوا
سرخوش کیفیت بادۂ انگور ہوا

۳۵۳۔ صبر تخلص

مرزا غلام حسین خان حکیم بو علی خان کے بیٹے اور کشمیری الاصل تھے ان کی نیز ان کے بعض بزرگوں کی جائے پیدائش یہی (جہان آباد) شہر ہے، اپنے اشعار میر عزت اللہ خان عشق کو دکھلاتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے ۔

گہے قصد حرم گاہی سیر میخانہ رکھتے ہیں
غرض ہم بھی عجب ہی مشرب رندانہ رکھتے ہیں

۳۵۴۔ صدق تخلص

حیدرآباد کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

بدقت اشک اب نکلے ہے شاید
ہوا آنکھوں میں اب لخت جگر بند
کہاں نکلے ہے تار زلف سے دل
کرے پرواز کیوں کر مرغ پربند

۳۵۵۔ صفا تخلص

متوطن کاتستھ، لکھنؤ کے رہنے والے مصحفی کے شاگرد تھے، بجز ایک شعر کے ان کے اشعار نظر سے نہیں گزرے، لیکن یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اس ایک شعر کا کہنے والا اس فن میں ایک اچھے مذاق کا مالک ہوگا:

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

۳۵۶۔ صفا تخلص

ان کے نام اور حالات سے واقفیت نہ ہو سکی، نمونہ یہ ہے:۔

محتسب جھوٹ ہے مے کس نے بھری شیشہ میں
رہ گئی ہے میرے آنسو کی تری شیشہ میں

۳۵۷۔ صفدر تخلص

میر صفدر علی، سونی پت کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

برقع کو اٹھا منہ سے جو تم کرتے ہو باتیں
اب میں ہمہ تن گوش ہوں یا ہمہ تن چشم
شجر سوختۂ شمع سے جب گل نکلے
چاہئے بیضۂ فانوس سے بلبل نکلے
کھول دیتے گرۂ زلف صبا کیوں نہ ہوئے
پاؤں سے ترے لگے رہتے حنا کیوں نہ ہوئے

۳۵۸۔ صفدری تخلّص

میر صادق علی، میر نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی تھے، اپنے بڑے بھائی سے تربیت حاصل کی تھی، عالم شباب میں ایک کافر کے ہاتھ سے مارے گئے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہیں معلوم ٹپکا پائے نگاریں کس کا
چھاپ ہے حنا کی سی گل قالین پر
صفدری قد کو کہیں اس کے کہا تھا گل سرو
سیدھی اس شوخ نے کیا کیا نہ سنائی مجھکو
آنکھ اپنی یہ کس کے در دنداں پہ پڑی ہے
جو اشک مسلسل ہے سو موتی کی لڑی ہے
ہے شکایت یہی کہ غیروں نے
کی آشکایت ہماری آپ سے ہے

۳۵۹۔ صنعت تخلّص

نام کریم الدین، مراد آباد کے رہنے والے اور صنعت زرگری میں ماہر تھے، آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے، اپنے اوقات عزیز عبادت میں گذارتے تھے، بارہا دہلی تشریف لائے لیکن

فقیر سے ملاقات نہ ہو سکی، نمونہ کلام یہ ہے :-

یہ مانا کہ ہیں آپ دلبر و لیکن
ہمارا ہی دل لے کے دلدار ٹھہرے

(ض)

۳۶۰۔ ضبط تخلّص

نام میر حسن شاہ، بجز اس کے کہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے، ان کا مزید حال معلوم نہ ہو سکا، جو احاطہ تحریر میں لایا جاتا، نمونہ کلام یہ ہے :-

نقد دل وحشت میں کھو کر ایک جنوں پیدا کیا
ہم نے بازار محبت میں یہ کیا سودا کیا

۳۶۱۔ ضمیر تخلّص

شیخ مداری، اکبر آبادی نے ولی محمد نظیر سے تربیت پائی تھی، نمونہ کلام یہ ہے :-

وہ ابھی ہے نو گل آرزو وہ ہنوز تازہ بہار ہے
نہ بجھا آئینہ سے اسے خبر نہ حیا سے کچھ سروکار ہے

۳۶۲۔ ضمیر تخلّص

گنگا داس، شاہ نصیر کے شاگرد تھے، رمل سے بھی واقف تھے، نمونہ یہ ہے :-

میں بتاتا ہوں ضمیر اب کچھ تجھے بھی ہے خیال
چشم خواب آلودہ اس کی فتنۂ بیدار ہے

۳۶۳۔ ضیاء تخلص

مرزا ضیاء بخت، آفاق مرزا فرخندہ بخت کے مرشد زادے کے صاحبزادے تھے، ان کی دوسری صفات محتاج بیان نہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

چھڑا کے کون گیا ہاتھ سے ضیاء دامن
بندھا جو اشک کا تا جیب تار رہتا ہے

۳۶۴۔ ضیاء تخلص

نام ضیاء الدین، عاشق مزاج شخص تھے، شراب بہت پیتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

جوں چنار اس جا نہ پھولیں ہیں نہ پھل لاتے ہیں ہم
جب مراد اپنی کو پہنچیں ہیں تو جل جاتے ہیں ہم

۳۶۵۔ ضیا تخلص

میر ضیاء الدین، جہان آباد کے قدیم باشندے ہیں، یہاں سے منتقل ہو کر عظیم آباد میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں فوت ہوئے، مشہور شعراء میں سے ہیں، ان کے بہت سے شاگرد تھے۔ نمونہ فکر یہ ہے:-

صاف تھا جب تک تو ہم کو بھی جواب صاف تھا
اب تو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا

راز دل ہیں پوچھتے اور بولنے دیتے نہیں
بات منہ پہ آرہی اور لب ہلانا منع ہے

(ط)

۳۶۶- طالب تخلّص

نام طالب حسین، عسکری المتخلّص نالاں کے بیٹے اور انشاء اللہ خاں انشاء کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

دشت میں آہ شرر بار جو طالب نے بھری
ایک شعلہ گیا خاشاک بیاباں سے لپٹ

۳۶۷- طالب تخلّص

دکن کے رہنے والے اور ولی کے ہم عصر تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

طالب کے خون چشم سے آلودہ کیا کرے
وہ پاؤں جو حنا سے رہے سرگراں سدا

۳۶۸- طالب تخلّص

نام میر طالب، سید الشعراء میر غالب علی خان المتخلّص سیّد کے بیٹے تھے، یہ مطلع ان کا ہے :-

مضطر ہو کب میں شب اٹھ لے ماہ رو نہ آیا
گھر سے تری گلی میں تا بام تو نہ آیا

۳۶۹- طالب تخلّص

نام حافظ طالب، رامپور کے رہنے والے اور مولوی قدر اللہ شوق کے شاگرد تھے نمونہ کلام یہ ہے :-

چیرئے سینہ کو شق کیجے دل دلگیر کو
یہ ہی دو جا گہ ہے اور کیا کھا گیا میں تیر کو

۳۷۰۔ طَرَب تخلّص

نام جھنّو لعل کا تستھ، لکھنؤ کے رہنے والے اور نوازش حسین نوازش کے شاگرد تھے مرثیہ گوئی میں فکر سخن کرتے تھے، اسی نسبت سے دلگیر تخلّص تھا، ان کے عزائی زبان زد عام ہیں ائمۃ علیہم السلام سے کافی معتقد ہونے کے باعث تبدیل مذہب کیا اور آبائی مذہب چھوڑ کر مشرف باسلام ہوتے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

معطّر اس کے نہانے سے لسبکہ آب ہوا
حباب بحر ہر اک شیشہ گلاب ہوا
گئے جان سے گذر ہم جو نہ وعدہ پر تب آیا
بہانا اس کا گویا موت کا اپنی بہانا تھا

۳۷۱۔ طرّہ تخلّص

طرہ باز خان، بنارس کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

مصوّر کھینچے گر اس شوخ کی تصویر کا غذ پر
مری صورت بھی ہو زیر قدم تحریر کا غذ پر

۳۷۲۔ طفل تخلّص

مرزا عبد المقتدر بہادر عرف مرزا طفل کو حضرت شاہ عالم کی ہم نشینی کا شرف حاصل تھا، زاہد و عابد شخص تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

رات دن مونس جاں وحشت تنہائی ہے
دل ہے میرا کہ کوئی وحشی صحرائی ہے

۳۷۳۔ طور تخلّص

لکھنؤ کے رہنے والے اور محمد رضا برق کے شاگرد تھے جو اس زمانے میں ناسخ کے شاگرد تھے

رشید میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا باقی حال معلوم نہ ہو سکا حتیٰ کہ ان کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہ لیتا عمر بھر نام رہائی تو
تو اپنے دام میں لایا تو ہوتا تو

۳۷۴۔ طوماس تخلص

فرنگی النسل اور خان صاحب کے نام سے مشہور تھے، شاہ نصیر کے شاگردوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سودا ہے زلف یوسف ثانی کا اس قدر
روتے ہیں ہم کھڑے سر بازار زار زار

(ظ)

۳۷۵۔ ظاہر تخلص

نام میر مہدی، جہان آباد (دہلی) کے رہنے والے تھے اور اکبر آباد میں سکونت پذیر تھے، نمونہ یہ ہے:۔

یہ تو سب جور و جفا ہو گئی خوگر ہم کو
چاہیے اب ستم نو کوئی ایجاد کرو

۳۷۶۔ ظفر تخلص

مرشد زادہ آفاق مرزا ابو ظفر بہادر ولی عہد سلطان زماں حضرت محمد اکبر شاہ دام قدر مقامہ بہت سی خوبیوں کے مالک اور بہت سی صفات سے متصف ہیں، اکثر خطوط

میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں اور اس فن میں مشہور ہیں، شیخ ابراہیم ذوقؔ ان کے دستر خوان نعمت کے پروردہ و وظیفہ خوار ہیں اور ان کے کلام کی اصلاح کرتے ہیں، ان کے گوہر آبدار یہ ہیں:۔

ضبط فریاد کروں گریہ کو روکوں لیکن
دل بیتاب کو تھاموں یہ نہیں ہو سکتا

چار ٹکڑے کروں دل کے یہ نہیں ہو سکتا
رخ کو دوں لب کو نہ دوں زلف کو دوں تل کو نہ دوں

ہمارے آگے ہے ذکر اگلے دوست داروں کا
پرانے مُردوں کی وہ ہڈیاں اکھاڑتے ہیں

اب بھی وہ آنکھ تری آئینہ رو ہے کہ نہیں
اگلے طوروں پہ خدا جانئے تو ہے کہ نہیں

دل دے کے ان کو ایسی اذیت ہوئی ہمیں
اب دل کبھی نہ دیں گے نصیحت ہوئی ہمیں

پی لاکھ بار صہبا کی لاکھ بار توبہ
اب کر چکا میں توبہ توبہ ہزار توبہ

تیس دن وعدے پہ غرّہ کے پھراتا ہے مجھے
جب ہوا چاند تو غرّہ ہی بتاتا ہے مجھے

جنوں میں کیا مرے پیوند پیرہن کو لگے
کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن کو لگے

قاصدِ اشک چلا لے کے جو دل کا پیغام
کیا ظفر اس سے ملاقات کی پھر ٹھہرائی

نعل شکلِ مہ نو جب ترے توسن کو لگے
چار چاند اور فلک پر مہ روشن کو لگے
پڑھ لیتے ہیں صفحہ سے مضمون ترے خط کا
کاغذ میں سیاہی دم تحریر نہ بھوٹی
جفا کی آپ کے باعث وفا ہماری ہے
خطا تمہاری نہیں ہے خطا ہماری ہے

۳۷۷۔ ظہور تخلّص

ظہور اللہ بیگ، تورانی النسل ہیں، اسی دیار جنت آثار میں پیدا ہوئے اور قرآن مجید کی کتابت کرتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

الہیٰ نہ ہو قاصد کہ مرا کام نہ ہووے
گم نامہ حالِ دلِ گمنام نہ ہووے

(ع)

۳۷۸۔ عالی تخلّص

امیر تیمور کے خاندان سے اور شیخ ابراہیم ذوق کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

صریح اس کو اگر حال دل جتا نہ سکے
تو کیا غزل میں بھی پڑھ پڑھ کے ہم سنا نہ سکے

۳۷۹۔ عالیجاہ تخلّص

نواب نظام الملک بہادر المتخلّص نظر کے خلف الرشید ہیں، ان کا پورا حال لکھنے کی چندان

ضرورت نہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

رات دن اشک سے آنکھوں میں تری رہتی ہے
شاخ نرگس اسی پانی سے ہری رہتی ہے

۳۸۰۔ عارفؔ تخلص

نام محمد عارف کشمیری الاصل ہیں، جہاں آباد (دہلی) میں پیدا ہوئے، پیشہ رفوگری ہے میرؔ اور مرزاؔ کے ہم عصر تھے، طبیعت کی موزونیت کے باعث شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

اس ابر میں بے ساقی و مے جی پہ بنی ہے
ہر بوند کا کھانا مجھے ہیرے کی کنی ہے
دختِ رز سے کہو کہ آن ملے
ورنہ عارفؔ افیم کھاتا ہے

۳۸۱۔ عارفؔ تخلص

میر عارف علی امروہہ کے سید ہیں، کچھ عرصہ سے مرادآباد میں قیام پذیر ہیں، ایک عاقل اللسان اور عروض و قافیہ سے کافی واقف ہیں ، ان کو مصحفیؔ کی شاگردی کا دعویٰ ہے، اب شعر ترک کر کے وعظ گوئی کرتے ہیں، خلق خدا کو راہِ خدا پر لگاتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

رات ساری مجھے دونوں کی تسلّی میں کٹی
ہاتھ دل پر سے اٹھایا تو جگر پر رکھا
ہاتھوں کو چاک جیب تلک دسترس نہیں
میں کس کے بس میں ہوں کہ مرا کچھ ہی بس نہیں

وہ ہوا گرد سے جب وقت شکار آلودہ
تیر خاکی بنی مژگان غبار آلودہ

۳۸۲۔ عاجز تخلص

الفت خاں خورجہ کے افغانوں میں سے ہیں، ان کا یہ شعر نظر سے گذرا جو درج کیا گیا:۔

کیا ہوا گر چشم تر سے خون ٹپک کر رہ گیا
بادۂ گلگوں کا ساغر تھا چھلک کر رہ گیا

۳۸۳۔ عاجز تخلص

زور آور سنگھ کھتری، اندرام مخلص کے پوتے اور شیخ نصیر الدین عزت کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

شب مہتاب کس کم بخت کو ہجراں میں بھاتی ہے
کہ اس سے گرمی روز قیامت یاد آتی ہے

۳۸۴۔ عاصی تخلص

نام منشی امداد حسین، ان کا مزید حال معلوم نہ ہو سکا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

میں کس کس شعلہ رو کو سینۂ صد چاک دکھلاؤں
رہا تھا ایک دل سو جل گیا کیا خاک دکھلاؤں

۳۸۵۔ عاصی تخلص

رام پور کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کھلائے ہے گرمی سے نگہ کی وہ گل اندام
اللہ یہ کیا لطف کی نازک بدنی ہے

۳۸۶۔ عاصمی تخلص

خواجہ برہان الدین، خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد سے تھے اور قدماء کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ یہاں گل تھا

۳۸۷۔ عاقل تخلص

عاقل شاہ، ایک عاشق مزاج اور آزاد منش انسان تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

قید بھی یہاں کچھ نہیں اور چھوٹ بھی سکتے نہیں
واہ واہ اس دام کو اور آفریں صیاد کو

۳۸۸۔ عاشق تخلص

نرودر کے رہنے والے تھے، یہ مطلع ان کا ہے :۔

فقط تو ہی نہ میرا اے بتِ خونخوار دشمن ہے
ترے کوچہ میں اپنا ہر در و دیوار دشمن ہے

۳۸۹۔ عاشق تخلص

بخشی بھولاناتھ پنڈت کے والد راجہ گوپی ناتھ، سرکار مجدالدولہ کے دیوان تھے، نمونہ یہ ہے :۔

قیس ناداں سراسر نظر آیا ہم کو
جائیے دشت میں کیوں کوچۂ دلدار کو چھوڑ

۳۹۰۔ عاشق تخلص

رام سکھ کھتری، پہلے غلام حسن تجلّی کے شاگرد ہوئے بعد میں شاہ نصیر کے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

حیرت زدہ میں دیکھوں ہوں یوں اسکو بزم میں
تصویر جیسے دیکھے ہے تصویر کی طرف

۳۹۱۔ عاشق تخلص

مہدی علی خان، نواب علی مردان خاں مرحوم کے پوتے تھے، ان کے اخلاق و مکارمِ حمیدہ شہرۂ آفاق ہیں، دس سال تک ان کے محل میں بروز جمعہ محفلِ مشاعرہ منعقد ہوتی رہی، عازم الدولہ کہتے ہیں کہ ان کی تصنیف سے دو ہزار شعر ان کی نظر سے گذرے جو تین دیوان، ایک ریختہ اور دو دیوان فارسی پر مشتمل تھے، اس کے علاوہ حملۂ حیدری اور دوسری متعدد مثنویاں ان کی تصنیف سے ہیں، جو کچھ لائق انتخاب بقاعدہ یہ شعر ہے جو تحریر کیا جاتا ہے:۔

ابر آتا ہے آفتاب چھپا
ساقیا مت شراب ناب چھپا

۳۹۲۔ عاشق تخلص

شیخ نبی بخش، اکبرآبادی، شیخ محمد صلاح کے بیٹے اور نظیر اکبرآبادی کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دام میں لے کر ہمیں صیاد پچھتایا بہت
استخواں آئی نظر جب بال اور پر کے تلے
اب یاد کرکے سے چبھتے ہیں سو خار ندامت سینہ میں
اس گل کو جو وقتِ رخصت ہم چھاتی سے لگانا بھول گئے

۳۹۳۔ عاشقؔ تخلص

مولوی جلال الدین، قدیم شعرا میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔
یہ کس کی نوک مژگاں سی پڑا ناسور سینہ میں
کہ بندھنے بھی نہ پایا زخم پر انگور سینہ میں

۳۹۴۔ عاشقیؔ تخلص

آغا حسین قلی خان، آغا علی خان کے صاحبزادے، مغل نسل سے ہیں، خراسان وطن ہے عظیم آباد میں پیدا ہوئے، ان کے بزرگوں کی سلطنت تیموریہ میں خاطر خواہ عزت تھی یہ سرکار انگریزی میں منصب جلیلہ پر ممتاز ہیں، اور عیش و کامیابی ان کو حاصل رہی ہے، جس وقت ان کو سکندر آباد کی مال گذاری وصول کرنے کا اختیار تھا، راقم نے دیکھا ہے، ہر چند اس زمانہ میں مجھ کو نیک و بد کی تمیز نہ تھی، لیکن اس قدر اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایک متین اور خلیق شخص تھے، کہتے ہیں کہ اب لکھنؤ میں بسر اوقات کرتے ہیں، ان کا تصنیف کردہ ایک تذکرہ جو نشتر عشق کے نام سے موسوم ہے اور فارسی اشعار پر مشتمل ہے میری نظر سے گذرا ہے، چونکہ یہ عربی سے بہرہ ور نہ تھے اس لئے ظاہر ہے کہ خطا سے مجبور تھے، ماحصل کلام یہ اشعار ان کے ہیں:۔
جس سے کہ میں پوچھوں ہوں مزا عشق کا کیا ہے
رو رو کے یہ کہتا ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

بدحواسی ہے یہاں تک پوچھنے کو اشک کے
چشم کو میں بھول کر رکھتا ہوں سر پر آستیں

۳۹۵۔ عبرت تخلّص

میر ضیاء الدین نے نواب محبت خاں سے شاعری اکتساب کی تھی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بیتاب نہیں شے کوئی سیماب کی مانند
پر وہ بھی نہیں اس دلِ بیتاب کی مانند

۳۹۶۔ عبدالواسع تخلص

ان کا حال پردہ اخفا میں ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا
سوائے بیکسی اب کوئی آشنا نہ رہا

۳۹۷۔ عزلت تخلّص

نام سیّد عبدالولی، شاہ سعداللہ سورتی کے بیٹے تھے، اور لکھنؤ کے قصبات میں سے ایک قصبہ کے رہنے والے تھے، چونکہ عزلت تخلص تھا اس لئے جہاں گرد تھے، جہاں آباد پہنچے، حیدرآباد گئے، فضائل سے خالی نہ تھے، نمونہ یہ کلام یہ ہے:۔

جلایا مصحف دل تونے کیوں برق تغافل سے
جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھلانے کے کام آتا
شانہ اس زلف میں پھرتے یہ بجا کہتا تھا
بات کہتے ہی شب وصل چلی جاتی ہے

شکستہ گر ہوا دل اب نظر نہ کر مجھ پر
یہ ٹوٹے آئینہ میں منہ تری بلا دیکھے

۳۹۸۔ عزیزؔ تخلّص

بکھاری لعل، ایک خوش معاش اور فارغ البال شخص تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بات اب امتحان پہ آئی تو تو
قصّہ کوتاہ جان پہ آئی تو تو

ملیں کیونکر بھلا اس شوخ طفلِ لاابالی سے
کہ سوتے سوتے جو چونکے ہے تصویر نہالی سے

آرام وصل و ہجر میں ممکن نہیں ہمیں
یوں ہی ہمیشہ مضطرب اے رشک ماہ تھے

اب ہجر ہے تو حسرت دیدار لے ہے جی
جب وصل تھا تو کشتہ تیغ نگاہ تھی تو

۳۹۹۔ عزیزؔ تخلّص

عزیز اللہ اہل دکن سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ایسے بے درد سے کیوں دل کو لگایا ہم نے
عشق میں جس کے کبھو چین نہ پایا ہم نے

۴۰۰۔ عزیزؔ تخلّص

نام مہاراج سنگھ، ان کے نام کے سوا مزید حال معلوم نہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے:۔

ضعف سے ہر رگ تن جس کے ہو تار بستر
کیونکہ بستر سے وہ بیمار اٹھے اور بیٹھے

۴۰۱۔ عزیز تخلص

شیو ناتھ، دہلی کے سود خواروں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

لیا دل ایک نگہ میں دلربائی اس کو کہتے ہیں
کیا بیگانہ سب سے آشنائی اس کو کہتے ہیں

۴۰۲۔ عسکری تخلص

مرزا عسکری، شاہ قدرت اللہ مرشد آباد کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کہنے کو ادھر ادھر گئے ہم
تھے تیری طرف جدھر گئے ہم

۴۰۳۔ عشاق تخلص

ہنود ہیں، قدماء میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سرسبز اور ہوا حسن یار کا
آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

۴۰۴۔ عشقی تخلص

بجز اس کے کہ مراد آباد کے رہنے والے تھے، ان کا مزید حال معلوم نہ ہو سکا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کوئی تو ہے گل چہرہ کوئی سرو رواں ہے
دیکھا تو یہاں ایک نہ ایک آفت جاں ہے

۴۰۵۔ عشق تخلص

شاہ رکن الدین المعروف شاہ گھسیٹا، عظیم آباد کے مشہور شاعروں میں سے تھے، عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، نمونہ یہ ہے:-

تیر کے نام پہ تڑپتا ہے
اس طرح کا کہیں جگر دیکھا
اس کے دامن تلک نہ پہنچے ہم
خاک میں آپ کو ملا دیکھا
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
وہ آیا نظر بارہا پر کسی نے
یہ حسرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا
تری چین ابرو مرا غنچۂ دل
یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتا نہ دیکھا
خانماں کر چکا ہوں میں برباد
تو بھی وہ میرے گھر نہیں آتا
کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہی ہیں
لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

۴۰۶۔ عشق تخلص

حکیم میر عزت اللہ خان، حکیم قدرت اللہ خان قاسم کے خلف الصدق اور دہلی کے با عزت لوگوں میں سے ہیں ان کا راقم کے ساتھ بہت ربط و ضبط ہے، حکیم ثناء اللہ فراق سے اصلاح سخن کی نیز اپنے والد ماجد سے استفادہ کیا، فن طب کے ماہر ہیں

ایک متین اور سنجیدہ انسان اور صاحب دیوان ہیں، باوجود خواہش کے ان کا دیوان دوبارہ نظر سے نہ گذرا، اس لئے محض چند اشعار منتخب کر کے ثبت کئے گئے ورنہ نفقیر راقم کی رائے میں ان کے اکثر اشعار قابل تحریر ہیں:۔

ترا اے صانع تقدیر ہم نے کیا بگاڑا تھا
کہ اس نازک بدن کا دل بنایا سنگ خارا سا
سبزہ خط کی دل سے الفت ہم اٹھا سکتے نہیں
جو خدا نے لکھ دیا اس کو مٹا سکتے نہیں
بلبل تو عبث پھولے ہے اس گل پہ کہ جس کے
کچھ دل میں مروت ہو نہ آنکھوں میں حیا ہو
چل ساتھ میرے تجھ کو دکھاؤں وہ طرحدار
آنکھوں سے نہ دیکھا ہو نہ کانوں سے سنا ہو
تم غیر کے گھر بیٹھ کے دل شاد کرو گے
ہم کون ہیں صاحب ہمیں کیوں یاد کرو گے
کل رونے کی آمد سے گھٹا جاتے تھا دم ہائے
ہوتی ہے بلا موسم برسات کی گرمی

۴۰۷۔ عشق تخلص

شیخ غلام محی الدین، جن کا تخلص مبتلا بھی ہے، میرٹھ کے رہنے والے ہیں، بہت سی تصانیف کے مالک ہیں، مگر ان کا ایک دیوان نظر سے گذرا چند اشعار منتخب ہوتے شاید وہ تمام قابل ملاحظہ نہ ہوں:۔

کہے ہے سن کے وہ یوں مبتلا کے قصہ کو
کہ خواب ناز کو تازہ یہ ایک فسانہ ہوا

پتھرا گئی ہیں (اپنی) تو آئینہ وار چشم
قسمت میں کس کے ہے ترا دیدار دیکھنا
شام کو عشق مجھے پھر بھی ہے ملنے کی امید
صبح پہلو سے مرے اٹھ گے وہ مسرور گیا
واں بر سر فساد ہیں رندان بادہ نوش
اے محتسب نہ جائیو مے خانہ کی طرف
تجھے اے کافر بدکیش ظالم کچھ نہ رحم آیا
ستمگر نا مسلمان سنگدل سب کچھ کہا ہم نے
دل کا تختہ ہے مرا جوں گل کاغذ کا چمن
یہاں بہار ایک ہی چھلکے میں خزاں ہوتی ہے

۴۰۸۔ عشرت تخلص

میر غلام علی، باشندگان بریلی میں سے ہیں، مرزا علی لطف سے جو مرزا رفیع سودا کے شاگردوں میں سے ہیں، فن شعر سیکھا، صاحب دیوان ہیں، لیکن دیوان ملاحظہ سے نہیں گذرا، ان کے اشعار جو نظر سے گذرے کوئی خاص نہیں ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے :-

بسان جام خالی پھوڑ ڈالوں چشم پرجوں کو
نہ دیکھوں گر صراحی دار اس مخمور کی گردن
شب وصال میں دل پر قلق ابھی سے ہے
سحر ہے دور مرا رنگ فق ابھی سے ہے
میں لکھ چکا ہی نہیں حال دل کہ اس کی طرف
ہوائے شوق میں اڑتا ورق ابھی سے ہے

ہنوز دفن ہوا بھی نہیں ترا بسمل
کہ زلزلہ میں زمیں کا طبق ابھی سے ہے
کسی نے شام کے آنے کو کیا کہا عشرتؔ
کہ پھوٹی آپ کے منہ پر شفق ابھی سے ہے
غیروں سے ہنسا وہ جو مرے سامنے عشرتؔ
کچھ بس نہ چلا دیکھ کے آنسو نکل آئے

۴۰۹۔ عظیمؔ تخلص

مرزا عظیم بیگ، تورانی النسل ہیں، اس دیار خلد آثار میں پیدا ہوئے، شاہ حاتمؔ کے شاگرد وہ بھی سپاہی ہیں ان کو شاعری میں غرور بہت ہے، لیکن طبع موزوں کم رکھتے ہیں انشاء اللہ خان کے اعتراض کے جواب میں جو مرزا سینڈھو ولد نواب شجاع الدولہ مرحوم کے مشاعرہ میں بحر ہجز کو بحر رمل میں منتقل کرنے کے سلسلہ میں کیا تھا ایک موزون مخمس ان کی تصنیف سے ہے، ان کے اشعار کا خلاصہ یہ ہے :-

تقریر سرگذشت نہ پوچھو کہ خانہ دار
آتا ہے گریہ ہر سر حرف بیان پر
سوزش سے مرے بسکہ ہوئی منفعل آتش
شیشہ میں نہیں ہے یہ ہوئی مضمحل آتش
بھڑکا ہی دیا آہ نے دامان شفق کو
اے چرخ سنبھلنا کہ لگی متصل آتش
چھپتا ہے کوئی شمع صفت سوز دل اپنا
سر کاٹو اگر تو ہو نمودار گلے سے ، ،

کس نگاہ مست کا زخمی ہوں یارب میں کہ اب
جائے خوں ہر زخم سے جاری شراب ناب ہے
آگر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے
خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے
بالیں پہ میری آکے دم نزع کل عظیم
رو کر لگا وہ کہنے یہ کیا یار کر چلے
جلتی ہے شرح سوز سے میری زبان کلک
ہر دم مٹے ہے لے جو سیاہی دوات سے

۴۱۰ - عظیم تخلص

ان کا نام اور حال معلوم نہیں ہے، نمونہ کلام یہ ہے :-

کچھ نگہ میں نہیں آتا ہے بجز جلوۂ یار
جبکہ ہم دل میں عظیم اپنے نظر کرتے ہیں

۴۱۱ - عظمت تخلص

میر عظمت اللہ خان، میر عزت اللہ خاں مرحوم المتخلّص جذب کے خلف الصدق تھے بریلی میں پیدا ہوئے، اپنے والد بزرگوار کے ساتھ بہت سے شہروں مثلاً بلخ، بخارا اور کشمیر وغیرہ کی سیر کی اب جہاں آباد میں عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں صاحب طبع موزون ہیں، شعر کم کہتے ہیں، کبھی کبھی مشاعرہ میں شریک ہوتے ہیں راقم کے ساتھ شناسائی ہے، اکتساب فن حضرت خان عظیم الشان مومن خان سے کیا، نمونہ کلام یہ ہے :-

نام عظمت ہے نہ شوکت نہ شکوہ
کیا ہی اس نام سے گھبراتا ہوں

۴۱۲۔ علی تخلص

مرزا علی قلی، اہل دہلی سے ہیں اور صاحب دیوان بھی ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جدائی میں تیری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

۴۱۳۔ علی تخلص

نام علی محمد خان، عازم الدولہ کہتے ہیں کہ یہ قوم سے افغانی تھے اور مرادآباد کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دھیان میں لاتے ہیں جب ابھرے کسی کے گات ہم
مارتے ہیں تب وہیں چھاتی پہ دونوں ہاتھ ہم

۴۱۴۔ عنایت تخلص

عنایت علی خان، نواب عبد العلی خاں کے بیٹے تھے، جو عباس علی خاں کے چھوٹے بھائی تھے، ریختہ اور فارسی دونوں میں فکر سخن کرتے تھے، فارسی غزلیں شیخ امام بخش صہبائی کو اور ریختہ امیر حسن تسکین کو دکھلاتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

میں اس کے دوش سے محفل میں لگ کے بیٹھ گیا
تب ہی یہ دیکھ کر اغیار بے حیا نہ اٹھے

۴۱۵۔ عیش تخلص

مرزا حسین رضا۔ لکھنوی، سوز کے شاگردوں میں سے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

وہ اگر آوے پشت بام کہیں
میں بھی کر لوں اسے سلام کہیں

۴۱۶۔ عیشی تخلّص

طالب علی خان لکھنوی، ریختہ اور فارسی کے پختہ گو شاعر ہیں، ان کا تخیل شائستہ اور ان کا کلام دلآویز اور دل نشین ہے، فارسی میں قتیل سے اور ریختہ میں مصحفی سے استفادہ کرتے تھے، اس خطہ کے معززین میں شمار تھا اور ہر دو زبان یعنی اردو، اور فارسی کے صاحب دیوان ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دل گرفتہ ہوں کروں گا ہوکے میں آزاد کیا
مجھ کو یکساں ہے چمن کیا خانہ صیاد کیا
زخم کاری جسم پر کشتوں کے جانِ تازہ ہے
آبِ حیواں میں بجھا تھا خنجر جلاد کیا
کون پابند جنوں فصل بہاراں میں نہ تھا
اس برس ننگ جوانی تھا جو زنداں میں نہ تھا
لے چلے ہم یہ کفِ آبلہ دار آخر کار
خار بھی اپنے نصیبوں کا بیاباں میں نہ تھا
میں نے عیشی سے جو پوچھا دل پر خوں کا حال
اک صراحی مئے گلگوں کی بھری دکھلائی

۴۱۷۔ عیاش تخلّص

میر یعقوب، لکھنؤ کے باشندے اور مرثیہ گو ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

خنجر بیداد کو سنگ فسان پر تیز کر
وقت قتل اتنا تو رحم مجھ پر لے خونریز کر
پیر میخانہ یہی کہتا ہے ہر ایک رند کو
صحبت زاہد سے جتنا ہوسکے پرہیز کر

۴۱۸۔ عیاش تخلّص

خیالی رام، دہلی کے کایستھوں میں سے اور شاہ نصیر کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جام ہے ہاتھ میں اور شیشہ ہے زیر بغل
نہیں عیاش کو اب بزم خرابات سے چھوٹ

(غ)

۴۱۹۔ غالب تخلّص

مکرم الدولہ بہادر بیگ خان، نیاز بیگ خان کے بیٹے تھے جو ذوالفقار الدولہ بہادر کے زمانہ کے اکابرین میں شمار ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ والد کے انتقال کے بعد دل کھول کر عیش و عشرت کی اور کثیر رقم صرف کی غلام قادر خاں کے فتنہ سے پہلے محفل مشاعرہ آراستہ کرتے تھے، مہمانوں کو بلاتے اور رات کے وقت بعد اختتام مجلس مشاعرہ حسینوں اور مہجبینوں کا رقص کراتے، فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

رہتے ہیں آئینہ سے ہمیشہ دوچار آپ
تنہا ہی لوٹتے ہیں یہ ساری بہار آپ

بجلی کے چمکنے سے ہے احسان
شب چھاتی سے لگ گیا وہ ڈر کر
قصّہ دردو غم اپنا جو سنایا ہم نے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلایا ہم نے

۴۲۰۔ غالب تخلّص

غالب علی خاں، دوندے خاں کے پوتے ہیں، جو شجاعت اور تہوّر میں رستم زماں تھے، بلکہ اکثر اوصاف میں مشہور رؤسا میں نیز صاحب بصیرت لوگوں کی نظر میں یگانہ و یکتا تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جاں بلب ہیں ترے اس چشم کے بیمار بہت
تیر مژگاں سے ہوئے ہیں جگر افگار بہت

۴۲۱۔ غالب تخلّص

اسم شریف اسداللہ خاں، مرزا نوشہ کے نام سے مشہور اور ایک بزرگ خاندان سے ہیں، سابقہ دارالخلافت اکبرآباد کے قدیم رؤسا میں سے ہیں، اور دارالخلافہ کو ان کی سکونت پر افتخار تھا، اب دارالسلطنت شاہجہاں آباد اس اعتبار سے غیرت دہ اصفہان و شیراز ہے، یہ گلشن معنی کے بلند پرواز طوطی اور چمن شیوہ بیانی کے نغمہ سرا بلبل ہیں، ان کی بلندئی خیال کے سامنے اوج سما پستی زمین ہے اور تہہ نشینی (نکتہ رسی) کے باب میں ان کی غور و فکر قارونِ کرسی نشین کے لئے باعث سرفرازی ہے، ان کی فکر کا ہُما شاہین بجز عنقا شکار نہیں کرتا، اور ان کی طبیعت کا گھوڑا میدانِ فلک کے سوا کہیں نہیں دوڑتا، اگر آج آپ کو نفیس چیز کی تلاش ہے تو وہ ان کی دکان کے علاوہ کہیں نہیں ملتی، دائرۂ شاعری میں قدم رکھے ان کو برس گذر گئے، ابتدائی زمانہ

میں تقاضائے فطرت سے مرزا عبد القادر بیدل کی طرز پر مشکل پسند تھے اور دقت آفرینی کے شائق تھے، آخر میں اس طریقہ سے منہ موڑ کر عام پسند انداز اختیار کیا اپنے دیوان پر ترتیب و تکمیل کے بعد نظر ثانی کی اور بہت سے اشعار اس میں سے حذف اور ساقط کر کے مختصر سا انتخاب کیا، مدت ہوئی کہ اردو میں فکر سخن نہیں کرتے فارسی زبان میں بھی کافی دست گاہ اور سرمایہ بہم پہنچایا ہے، جس کا مرتبہ استادوں سے کم نہیں ہے، ان کی غزل نظیری کی غزل کی طرح اور ان کا قصیدہ عرفی کے قصیدہ کی طرح دل پذیر ہے، مضامینِ شعر کی فہم ان کو جیسی ہونی چاہیے حاصل ہے، اور جملہ نکات اور لطائف سے واقف ہیں، یہ ایک فضیلت ہے کہ جو صرف بعض اہل سخن کے ساتھ مختص ہے، اگر آپ کی طبیعت سخن شناس ہے تو اس نکتہ کو سمجھ جائیں گے کہ خوش فکر اگرچہ کم ہیں۔ لیکن خوش فہم اس سے بھی کم، وہ شخص کس قدر قابل مبارک باد ہے کہ جوہر دو صفات سے مستفید ہے، مختصر یہ کہ ایسا نکتہ سنج، نغز گو کم دیکھنے میں آیا ہے، ان سے (غالب سے) گاہے گاہے ملاقات ہوتی ہے، پھر بھی رابطہ مستحکم ہے، ان کا دیوان راقم کی نظر سے گذرا ہے، اس میں سے یہ اشعار منتخب کئے گئے ہیں: ۔

گاہ گاہِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

جاتی ہے کشمکش کوئی اندوہ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاں نورد تھا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

تو اور سوئے غیر نگہ ہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائیں گے کیا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانہ کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پہ
رہا مانندِ خونِ بیگنہ حق آشنائی کا

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ گل مت دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

واتے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا
غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

کافی ہے نشانی ترے چھلے کی نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی میں صلا میرے بعد

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے
کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

نظر میں کھٹکے ہے بن ترے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

وہ آرہا مرے ہمسایہ میں تو سایہ سے
فدا ہوئے در و دیوار پر در و دیوار

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا تھا
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلف برطرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

مر گیا پھوڑ کے سر غالبؔ وحشی ہی ہے
بیٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو مرے دعوئ وارستگی کی شرم

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

دھول دھپہ اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایک دن

لوں دام بخت خفتہ سے ایک خواب خوش ولے
غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ترے سرو قامت سے ایک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل میں کسی طرح سے معذور نہیں

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبال دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

ملنا ترا اگر نہیں آسان تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھکو اٹھا دیا کہ یوں

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانہ میں

ہوگئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

اہلِ تدبیر کی وا ماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
ایک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

رہے ہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالبؔ شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے

غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب ترے یاد آنے کی

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

ہے یاری اعتماد وفاداری اس قدر
غالبؔ ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالبؔ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

نہ مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال
مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلّی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

کب وہ سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

اچھا ہے سرِ انگشتِ حنائی کا تصوّر
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یہاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

کبھی نیکی بھی اس کی جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کر کے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے
گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با این ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
زندگی اپنی جب اس رنگ سے گذرے غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

۴۲۲۔ غازیؔ تخلص

شعرائے اہل دکن سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تمہیں مژدہ ہے دیوانوں مکرر پھر بہار آئی
کہ بوئے گل سحر دوش ہوا پہ ہو سوار آئی

۴۲۳۔ غافلؔ تخلص

رائے سکھ، فن حساب میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

وصف کرتا ہے ان لبوں کا جب
غافلؔ اس وقت لعل اگلتا ہے

۴۲۴۔ غافلؔ تخلص

بختاور سنگھ، مراد آباد کے ایک شاعر ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بیمار عشق کی نہ دوا ہو طبیب سے
مرجائے یا جیے کوئی اپنے نصیب سے

۴۲۵۔ غریب تخلص

مراد آباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گھر چھٹا شہر چھٹا لیک نہ چھوٹا غم عشق
ہم تو غربت کی اسی بات کے دیوانے ہیں

۴۲۶۔ غریب تخلص

شیخ نصیر الدین احمد کشمیری الاصل ہیں، دہلی میں پیدا ہوئے، کہتے ہیں کہ فارسی میں صاحب دیوان ہیں، کبھی کبھی ریختہ میں بھی فکر سخن کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

حال دل شوریدہ کہوں کس سے غریب آہ
وہ درد نہیں جس کی طبیبوں سے دوا ہو

۴۲۷۔ غضنفر تخلص

غضنفر علی خان، غلام حسین کرڑہ کے پوتے، لکھنؤ کے رہنے والے اور جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں اور ارباب تذکرہ کے نزدیک ان کے تمام شاگردوں میں ممتاز ہیں، راقم نے ان کا کوئی شعر نہیں دیکھا، جو اس رائے کی تائید کرے البتہ ان کا پہلا شعر استاد کے رنگ میں ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کہتا تھا اس مریض کو وہ کل سنا سنا
کردے کوئی معاف کسی کا کہا سنا

تصور میں ہو اس سے دوبدو ہم
کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم
کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں
تو گویا بیٹھے ہیں بس ہو بہو ہم

لایا یوسف کا مصوّر جو دکھلانے نقشہ
لگے اس نقشہ سے وہ اپنا ملانے نقشہ

۴۲۸۔ غلام تخلّص

راجہ گوپال ناتھ، راجہ رام ناتھ کے بیٹے ہیں جو کہ بادشاہ شاہ عالم کے مقرّبین میں سے تھے اور اسی نسبت سے غلام تخلّص اختیار کیا، نمونہ کلام یہ ہے :-

جو ہم بستر کبھو ہم ہوں غلام اس خوبصورت کے
نہ لیں واللہ تا روز قیامت دوسری کروٹ
خط دے تو نہ دے گوش بر آواز ہیں قاصد
مژدہ تو ہمیں یار کے آنے کا سنا دے

۴۲۹۔ غلامی تخلّص

شاہ غلام محمد حاتم کے معاصرین میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :-

کل جس کی نظر تیر سی گذری میرے دل سے
پھر آج وہی دور سے قاتل نظر آ دے

۴۳۰۔ غمگین تخلّص

میر سید علی۔ میر سید محمد مغفور کے خلف الصدق ہیں، جو کہ شاہ نظام الدین احمد قادری کے بھائی ہیں، جو مرہٹوں کے زمانہ میں صوبہ جہاں آباد کے عہدۂ نظامت پر مامور تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

تو نے صیاد نیا ظلم یہ ایجاد کیا
بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

مہرباں کوئی مرا جز غم دلدار نہیں
خس کا شعلے کے سوا اور خریدار نہیں

۴۳۱۔ غنیؔ تخلص

شکوہ آباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اگر کچھ زندگانی میں مزا ہے
تو ایام جوانی میں مزا ہے

۴۳۲۔ غنیؔ تخلص

شیخ عبد الغنی، مضافات سہارنپور میں "تھانہ" کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

پڑتی ہے نظر جس پہ دم چشم بریدن
یہاں ہم نے پر کاہ بھی بے کار نہ پایا

۴۳۳۔ غواصؔ تخلص

دکن کے رہنے والے اور شعرائے سلف میں شمار ہوتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ترا منہ دیکھ بلبل پھول سے بیزار ہو جاوے
اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے

(ف)

۴۳۴۔ فارغؔ تخلص

میر احمد خاں، اعظم الدولہ میر محمد خان المتخلص سرور کے چھوٹے بیٹے ہیں اور انہیں سے

تربیت پائی تھی، نیک اطوار اور ستودہ خصال شخص ہیں، جودت طبع اور حسن اخلاق کے لئے مشہور ہیں، ان کی راقم سے شناسائی ہے، ان کے یہ دو تین اشعار تحریر کئے گئے:۔

اپنے دیوانہ کا تو شوق گرفتاری تو دیکھ
پاؤں مر کر بھی نہ نکلے حلقۂ زنجیر سے
خط لے کے نہ اس سے جو مرے نامہ بر آئے
یہاں شرم سے آتے نہیں اور اپنے گھر آئے
کیا چین سے جا قبر میں آرام کروں گا
دم بھر بھی اگر موت سے وہ پیشتر آئے

۴۳۵۔ فارغ تخلص

ان کا حال معلوم نہ ہو سکا، ان کا مطلع تحریر کیا گیا:۔

قطرۂ اشک جو نکلا سو وہ گوہر نکلا
بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

۴۳۶۔ فارغ تخلص

نام فارغ شاہ، بریلی کے رہنے والے ہیں، جوانی کے عالم میں ارباب دنیا سے خلا ملا ہو کر خورجہ میں بے نیازانہ زندگی گذارتے تھے معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ صاحب دل لوگوں میں سے اور سالک راہ طریقت ہیں یہ شعر انکا ہے:۔

ممکن نہیں جو حرف قضا ہو جبیں سے دور
جب نقش ہو چکا نہیں ہوتا نگیں سے دور

۴۳۷۔ فارغ تخلص

مکند سنگھ، بریلی کے رہنے والے اور حاتم کے شاگرد ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

دور سے دیکھ مجھے چیں بجبیں ہوتا ہے
تاکہ کچھ کہہ نہ سکوں بلبے رکھائی تیری

۴۳۸۔ فائز تخلص

آنکھ کو ان کے جمال کا اور کان کو ان کے حال کا پتہ نہیں، یعنی ان کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کل ملے گا وہ گلے غیروں کے یہ آیا جو دھیان
بس ہلال عید ہم کو نیش عقرب ہو گیا

۴۳۹۔ فدا تخلص

نام سید محمد علی، فدا شاہ کے نام سے مشہور ہیں، سہارنپور کے مضافات میں سے لوہاری کے رہنے والے ہیں، ابتدا میں روزی کا دارومدار پیشہ سپہ گری پر تھا بعد میں عقبیٰ کا خیال غالب آیا، دنیا کو دنیا والوں پر چھوڑ کر تن تنہا سیر و سیاحت میں گذاری، ایک عزیز سے معلوم ہوا کہ سیر و سیاحت کے سلسلہ میں اس شہر میں بھی آئے تھے، ملنے جلنے والے اور بذلہ سنج النسان تھے، فن شعر کے فدائی تھے، ہر قسم کے خشک و تر اشعار ان کی فکر کا نتیجہ ہیں، احباب ظرافت میں اندازہ سے زیادہ ان کی تعریف کرتے ہیں، بالآخر ہزل کی طرف مائل ہو گئے، اس ملک سے گئے ہوئے ان کو گیارہ سال ہو گئے ہیں، دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے تھے، چونکہ ایفانہ ہوا، خیال کیا جاتا ہے کہ کاتب قضا نے ان کا نام لوح ہستی سے کاٹ دیا ہوگا، یعنی انتقال ہو گیا ہوگا نمونہ کلام یہ ہے:۔

اس سے میں اور مجھ سے وہ باہم رہا
ایک مدت تک یہی عالم رہا

جس نے کھایا ہے تیر مژگاں کا
اس کے نزدیک پھانس ہے بھالا

۴۴۰۔ فدا تخلص

میر عبد الصمد، دہلی کے طلباء میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جو صد دل کا لکھوں یار کو میں لے کاغذ
تو اشک یاں تلک امڈے کہ بہہ چلے کاغذ

۴۴۱۔ فدا تخلص

فدا حسین خاں، مغلوں میں سے ہیں، لکھنؤ کے رہنے والے تھے، ابتدا میں اپنا کلام میر ممنون کو بعد میں مصحفی کو دکھلاتے تھے، ان کے بزرگ فن رمل میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور طب میں ان کو سلیقہ کامل تھا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تیری جو نگاہ میں سبک ہیں
ہر ایک کے جی پہ بار ہیں ہم
کیا کوئی سر جھکا کے ہووے ذلیل
ہاتھ تیرا کبھی اٹھا ہی نہیں
ناکام کیا رہیں گے کچھ کام کر رہیں گے
بدنام ہوں گے تو بھی ایک نام کر رہیں گے
وہاں ہم کنار غیر سے وہ رشک ماہ ہے
یہاں کنج غم میں شکوۂ بخت سیاہ ہے
نہیں کھاتا وہ قسم غیر کے گھر جانے کی
سچ جو پوچھو تو یہی بات ہے مرجانے کی

ظالم یہ جرم دل ہے کہ عاشق ترا ہوا
قتل فدا عبث ہے کہ وہ بے گناہ ہے

۴۴۲۔ فدا تخلّص

نام امام الدین، فریدآباد کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تو بات بات میں ہوتا ہے مجھ سے آزردہ
یہی تو کچھ نہیں اے دل ربا تری باتیں

۴۴۳۔ فدا تخلّص

لچھمی رام۔ دہلی کے رہنے والے اور سودا کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گذشتہ حسن کا اب تک نشان باقی ہے
نہ ہوں فریفتہ کیوں کر کہ آن باقی ہے
کہا جو ان سے کہ میں دل تو کر چکا ہوں فدا
تو ہنس کے بولے ابھی تجھ میں جان باقی ہے

۴۴۴۔ فدا تخلّص

عاقبت محمود خان، صدر الصدور ایک مہذب انسان اور اکتساب علم کے شائق تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جوں شمع ضبط نالہ تو میں نے کیا فدا
پر بس چلا نہ گریۂ بے اختیار سے

۴۴۵۔ فداؔئی تخلّص

نام مرزا عظیم بیگ، تجارت پیشہ ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یار گوشہ میں ہے اور عیش سے مایوسی ہے
نقش پا تک بھی مرے در پے جاسوسی ہے

۴۴۶۔ فدوی تخلص

مکند بقّال، لاہور کا رہنے والا ایک لڑکا تھا جو مشرف باسلام ہوگیا تھا، اس شہر میں آکر سودا سے نوک جھونک ہوگئی، سودا نے اس کی بہت سی رکیک ہجویں لکھیں جو مشہور ہیں، شاہ صابر علی صابر کے شاگردوں میں شمار ہوتا تھا، کہتے ہیں کہ سادہ رخوں کی محبت کا نقش اس کے دل نشین تھا، اور اس سلسلہ میں کئی بار جھگڑے بھی ہوئے اور زخم بھی کھائے، بالآخر نواب ضابطہ خاں کے دربار میں ملازم ہوگیا اور بعد میں مرگیا اور بعض تذکرہ نویسوں نے اس کو مغل لکھا ہے اور اس کا نام فدائی بیگ بتایا ہے نمونہ کلام یہ ہے:۔

بعد مرنے کے بھٹکتا ہوں نہ خاک ہنوز
ساتھ پھرتی ہے مرے گردش افلاک ہنوز
چشم پر آب ہے اور تس پہ جگر جلتا ہے
کیا قیامت ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے
آوارہ و سرگشتہ نہ دیوار نہ در کے
سایہ کی طرح ہم نہ ادھر کے نہ ادھر کے
یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسی کی
نرگس نہیں تکتا ہے چمن راہ کسی کی

۴۴۷۔ فدوی تخلص

نام میر فضل علی، ایک شاعر ہوئے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یار سے ہے لطف مے کا آہ یہ ہو وہ نہ ہو
یہ کوئی محفل ہے ساقی واہ یہ ہو وہ نہ ہو

۴۴۸ - فدوی تخلّص

محمد حسن لاہوری، آغاز جوانی میں دہلی آئے، شاہ مبارک آبروکی شاگردی اختیار کی، درویشانہ زندگی گذارتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

یار ہم سے جو سدا چیں بہ جبیں رہتا ہے
نہیں معلوم بلا کون سی پیش آنی ہے

۴۴۹ - فدوی تخلّص

نام مرزا محمد علی المعروف مرزا ہجو، جہان آباد کے رہنے والے اور احمد شاہ کے دربار میں وقائع نگاری پر مامور تھے، آخر میں عظیم آباد میں سکونت پذیر ہو گئے، شاہ گھسیٹا عشق سے اصلاح لیتے تھے، ان کو جنون عشق لاحق تھا، بالآخر اپنے آپ کو ایک صاحب دل کے دامن سے وابستہ کیا، نمونہ کلام یہ ہے :-

گالیاں کیونکر نہ دیوے تو نے فدوی چھیڑ چھیڑ
ایک تو وہ تھا ہی اس کو اور بھی بد خو کیا

گلہ آپس میں ایسا بھی کبھو تھا
تکلف بر طرف ایسا ہی تو تھا

تجھ سے ہوتے ہیں دردمند جدا
گو کرے کوئی بند بند جدا

شب ہجراں کی اور تو فدوی
ہمیں تقریر کر نہیں آتی

پر یہ وہ رات ہے کہ جس کی ہمیں
صبح ہوتی نظر نہیں آتی ؏
چل ساتھ کہ حسرت دل محروم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

۴۵۰۔ فراغ تخلّص

محمد فراغ، شاہجہاں آباد میں بچوں کو درس دیتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

روتا ہے فراغ آج ترے کوچہ میں پیارے
دل توڑئے اس طرح نہ زنہار کسی کا

۴۵۱۔ فراسو تخلّص

تخلّص نام کی نسبت سے ہے، اہل نصاریٰ میں سے ہیں، زیب النساء بیگم زوجہ سمرو فرانسیس کی سرکار میں کسی خدمت پر مامور تھے، خیراتی خاں دلسوز کو کلام دکھلاتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہے خواب میں دیکھا تو بظاہر بھی ملیں گے
قسمت سے نہ گر خواب کی تعبیر الٹ جائے

۴۵۲۔ فرّخ تخلّص

نام منیر فرخ علی، جہان آباد (دہلی) کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

چشم سے نور گیا تن سے تواں دل سے صبر
ہجر میں تیرے جدا مجھ سے ہوا کیا کیا کچھ

۴۵۳۔ فرّخ تخلّص

فرّخ بخش، ایک عاشق مزاج شخص ہیں اور اپنی معشوقہ کی دل دہی اور دلداری میں سرگرم رہتے ہیں، کانٹھ کے رہنے والے ہیں جو بلادِ مشرق (پورب) میں سے ایک بستی ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہمارے قتل کی تدبیر بے تقصیر ہوتی ہے
نگاہِ پاک کی شاید یہی تاثیر ہوتی ہے

۴۵۴۔ فرحت تخلّص

امیر علی دہلوی، حکیم میر عزت اللہ خاں عشق کے شاگردوں میں سے ہیں، بہت دن ہوئے کہ اپنے وطن سے لکھنؤ سفر کر گئے نمونہ کلام یہ ہے:۔

رات کو شمع صفت خوب رلایا اس کو
قصہ دردِ جدائی جو کہا یار سے مل
ملا جس کو تلووں سے نرگس سمجھ کر
سنا ہے وہ چشم تر تھی کسو کی
نہ پہنیا دل اپنا نہ پہنیا یہ فرحت
لگی کیا ہے کافر نظر تھی کسو کی

۴۵۵۔ فروغ تخلّص

میر روشن علی خاں، اکبر علی خاں کے صاحبزادے اور درخشندہ ستاروں میں سے ہیں، ابتدائے شاعری میں میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تاریک کلبہ اپنا کیا ہو فروغ روشن
گھر میں کبھی ہمارے وہ شمع رو نہ آیا

۴۵۶۔ فریاد تخلص

بحز اس کے کہ لکھنؤ کے مشاعروں میں طرحی غزل پڑھتے تھے، ان کا اور کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ ان میں سے یہ اشعار ہیں :۔

چین پایا وہ پس مردن دل بیتاب نے
گوشۂ مرقد ہمیں آغوش مادر ہو گیا
قتل کا اپنے لکھا ہے میں نے مضمون بیشتر
واسطے میرے میرا دیوان محضر ہو گیا
تلخی ہجراں مرے کام آ تی آخر بعد بد
زہر بھی میں نے پیا تو شیر مادر ہو گیا

۴۵۷۔ فراق تخلص

حکیم ثناء اللہ خان، ہدایت اللہ خان المتخلص ہدایت کے برادر زادے اور جہان آباد کے مشہور شعراء میں سے ہیں، خواجہ میر درد سے نہ صرف کسب باطن بلکہ کسب سخن بھی کیا، طب میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ان کے افکار نہایت شستہ اور ان کی طبیعت میں ٹیڑھاپن اور پیچیدگی نہ تھی، ان کے انتقال کو کچھ ہی عرصہ ہوا ہے، صاحب دیوان ہیں یہ اشعار ان کے ہیں :۔

یہاں تلک ہوں سبک رو رہ عدم میں فراق
قدم جو رکھوں تو نقش قدم نہیں ہوتا
صاف دل کو کیا اور داغ جگر کو دھو یا
کام کیا کیا نہ مرے دیدۂ تر سے نکلا
بعد مرنے کے بھی ایک گردش رہی ہم کو مدام
مشت خاک اپنی رہی تھی کچھ سو پیمانہ بنا

انگلیاں گھس گئیں یہاں ہاتھوں کے ملتے ملتے
لیکن افسوس نوشتہ نہ مٹا قسمت کا

یہ غم ہے ساغر و مینا مجھے کہ میرے بعد
ذرا بھی تم کو نہیں منہ کوئی لگانے کا

حسرت ذرا بھی دل سے نہ نکلی ہزار حیف
نکلا ادھر وہ گھر سے ادھر جی نکل گیا

سمجھے تھے دام زلف سیہ ہی بلائے جاں
پر کیا کریں کہ لے گئی تقدیر کھینچ کر

میں رکھے ہاتھ جو سینہ پہ اپنے دیکھوں ہوں
بجائے دل مجھے ہوتا ہے خار سا معلوم

خوش آتی ہیں پاؤں کی تری ٹھوکریں ظالم
سر کو کبھو قدموں سے اٹھانے کے نہیں ہم

آتا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بھولے سے اس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

آنکھ اس شوخ ستمگر سے لڑا بیٹھے ہیں
بس چلے یا نہ چلے جی تو چلا بیٹھے ہیں

رہتا ہے عاشقوں سے از بس ہجوم در پر
ہو جائے گا گھر اس کا بازار رفتہ رفتہ

دامن تلک گیا تھا کہیں اس کے دست وہم
اللہ رے نازکی وہیں پوڑے مسک گئے

۴۵۸۔ فراقیؔ تخلص

پریم کشور، راجہ جگل کشور بھاٹ کے پوتے تھے، جن کا حال ہر کہ و مہ پر آشکارا ہے

ترک دنیا کر کے سیر و سیاحت کے لئے چلے گئے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

ہوئیں آنکھیں گلابی روتے روتے
گلابی کی نہ دیکھی شکل افسوس

۴۵۹۔ فرہاد تخلّص

میر ببر علی، فیض آباد کے رہنے والے اور میر حسن صاحب مثنوی مشہور کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

مرے چاہے سے وہ بت رام کیا ہو
خدا کا گر نہ ہو فرہاد چاہا

۴۶۰۔ فصیح تخلّص

مرزا جعفر علی، لکھنؤ کے شعرا میں سے ہیں، ناسخ سے شعر و سخن میں مستفیض ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال
بے کمالی میں بھی افسوس کہ کامل نہ ہوا
مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں
تم میں دو وصف ہیں بد خو بھی ہو مغرور بھی ہو

۴۶۱۔ فضل تخلّص

فضل مولیٰ خاں، سرزمین لکھنؤ کے رہنے والے، خوش وضع، خوش سیرت، خوش صورت خوش خلق اور جوشیلے انسان ہیں، جہان آباد آ کر شاہ اکبر کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا اور وحید عصر افضل الشعرا کا خطاب پایا، طبیعت میں شوخی تھی، شعر کم کہتے تھے

ہاں اکثر دوسروں کے اشعار اپنے نام سے پڑھ دیتے تھے، چونکہ علم سے بہرہ مند نہ تھے اس لئے کوئی بھی ان کی جہالت کی تقلید نہیں کرتا تھا، لیکن آخر شیخی اور بیہودہ گوئی سے اپنے آپ کو بدنام کرلیا، پھر کلکتہ چلے گئے، وہاں سے لوٹ کر نواب مرشد آباد کی مصاحبت میں نام پیدا کیا اور شعراء کے ساتھ انعام واکرام اور مروت کا سلوک کیا، افسوس ہے کہ اس نوجوان شاعر کی شہرت ان چند اشعار پر منحصر ہے:۔

اودی مسی وہ اس نے کی کہ سینے پہ حرف ہے
لب وہ کہ لعل کے بھی نگینے پہ حرف ہے
دل خیال زلف سے اس کی زبس معمور ہے
صبح محشر بھی مجھے شام شب دیجور ہے

۳۶۲۔ فغاں تخلص

اشرف علی خان المخاطب کوکلتاش خان، احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ تھے (ترکی زبان میں کوکہ، رضاعی بھائی کو کہتے ہیں) علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے اور مالدار لوگوں میں سے تھے، یہاں سے منتقل ہوکر عظیم آباد میں سکونت اختیار کی ۱۱۹۶ھ میں اس دارفانی سے کوچ کیا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کرتا ہے وصل میں در و دیوار پر نظر
تجھ کو مزا پڑا ہے فغاں انتظار کا
ممکن نہیں کہ غیر نہ ہووے رکاب میں
تجھ کو خدا نہ لائے ہمارے مزار پر
کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
یہاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار کا

شکوہ کرے ہے تو جو مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی
تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یہ کہوں کہ
انصاف کو نہ چھوڑ محبت اگر گئی
آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا
وہ کیا ہوئے تپاک وہ الفت کدھر گئی
عشاق تیری گرمی بازار کر گئے
اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے
میں مر گیا پہ آہ نہ پوچھا فغاں مجھے
درد جگر کسے ہے یہ بیمار کون ہے
تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے
ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پہ سیماب کیا جانے
قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے
خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے
تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہاں فغاں
الفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے
نہ کھولے تری بند قبا تو کیا کیجے
دل گرفتہ کو ظالم کبھی تو وا کیجے

۴۶۳۔ فقیر تخلص

نام فقیر اللہ، شاہ عالم بادشاہ کے شعراء کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں، گیت اور دوہرہ سے واقف تھے با اخلاق انسان تھے، دوستوں کی خاطر اردو میں بھی فکر سخن کرتے

تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

میری سحاب چشم کو نیساں پہ شرف ہے
ہے کون سی گھڑی کہ یہ گوہر فشاں نہیں
صافی دلوں کی دیدہ کو مانع نہیں حجاب
عینک سے ہے دوچند ضیائے بصر مجھے

۴۶۴۔ فقیرؔ تخلص

میر شمس الدین دہلوی، بنی عباس ہیں، زبان دری (ہفت زبان فارسی میں سے ایک) میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، فن عروض و قافیہ میں یکتائے روزگار تھے اس فن میں بہت سے رسالہ جات کے مصنّف ہیں جو اس دعوے پر گواہ ہیں ۱۱۸۱ھ میں حرمین شریفین (اللہ تعالیٰ ان کے شرف اور تعظیم کو بڑھائے) کی زیارت کے بعد لوٹتے وقت ان کی زندگی کا جھنڈا نذر طوفان ہو گیا، یعنی انتقال ہو گیا، کبھی کبھی ریختہ میں بھی فکر سخن کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

خال اس کی بیاض گردن کا
نقطہ انتخاب ہے گویا
ہے غرض دید سے یہاں کام تکلف سے نہیں
خواہ ادھر بیٹھ گئے خواہ ادھر بیٹھ گئے
کم ہے آواز ترے کوچہ کے باشندوں کی
نالہ کرنے سے مگر ان کے گلے بیٹھ گئے

۴۶۵۔ فگارؔ تخلص

میر حسین، میر فقیر اللہ فقیر کے پوتے اور ایک زخم خوردہ سید ہیں ان کا وطن یہی جنت

نشان شہر ہے، اپنا کلام مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کو دکھلاتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دیکھ آئینہ کو اسے کیا اس نے لئے ٹکڑے
یعنی مجھے کس واسطے مجھ سا نظر آیا
کرتا ہے غنچہ ترے دہاں کی برابری
شاید یہ اپنی بھول گیا ہے دہن کی بو

۴۶۶۔ فگار تخلص

مرزا قطب علی بیگ، دہلی کے رہنے والے ہیں، ان کا ایک شعر اعظم الدولہ کے تذکرے میں ثبت کیا گیا ہے:۔

مت پوچھ فگار اب تو مرا مسکن و ماوا
مانند بگولے کے سدا بے وطنی ہے

۴۶۷۔ فیض تخلص

پنڈت کرپا کشن کشمیری لکھنؤ کے شعرا میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

لوٹتے خون میں تہ خاک سے تبسمل آکر
دیکھتا میرے تڑپنے کو جو قاتل آکر

۴۶۸۔ فیض تخلص

میر فیض علی، میر تقی مرحوم کے صاحبزادے ہیں، وزیر الملک کی سرکار میں اپنے والد کے ساتھ رہتے تھے، کہتے ہیں کہ سخنگوئی پر انہیں بڑا غرہ تھا، مگر فقیر نے ان کا کوئی شعر بمصداق دعویٰ نہیں پایا، شاید ان کا یہ دعویٰ اپنے والد کی شاعری پر ہوگا، طرفہ تو یہ ہے الولد سر لابیہ یعنی بیٹا باپ کا بھید ہوتا ہے کے تقاضی پر دعوی

کرنا سیکھ لیا مگر وجہ دعویٰ چھوڑ دی، ان کے اشعار کا خلاصہ یہ ہے:۔

گل کہاں موئے تھے جن کے لئے جسم زار پر
دو پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر
شوق میں ترے کنار و بوس کی اے بحر حسن
موج کی مانند ہو جاتے ہیں سب آغوش ہم
کدورت جب نہ تب انداز سی نکلا ہی کی ترے
ہماری خاک اس کوچہ میں کب تو نے صبا رکھی

(ق)

۴۶۹۔ قائمؔ تخلص

شیخ محمد قیام الدین، چاند پور کے رہنے والے اور مرزا رفیع سوداؔ کے شاگرد ہیں، ایک خوش گفتار بلند پایہ اور عالی مقدار شاعر ہیں بعض ناواقف لوگوں نے ان کے مرتبہ شاعری کو سوداؔ کے ہم پلہ بتایا ہے یہ تو ان کی دیوانگی اور جنون پر دلالت کرتا ہے عقل مندوں کو لازم نہیں ہے کہ پستی زمین و اوج سما کو ایک سمجھیں، ارباب بصیرت کو حقائق پر چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے، ایک ذرہ کو آفتاب کیسے کہا جا سکتا ہے، بہر حال قائمؔ فن شاعری میں دل پسند و دل پذیر دستگاہ رکھتے ہیں، گو سوداؔ کے ہم پلہ نہیں ہیں، مگر اصناف شاعری پر انہیں قدرت حاصل ہے، قطعات اور رباعیات ان کی شوخیٔ فکر پر دلالت کرتی ہیں، پہلے دار الخلافہ میں سکونت پذیر تھے جس میں آدمیوں کا کال ہے، اہل کمال لوگوں نے تذکرۂ قائمؔ کی تالیف ان ہی سے منسوب کی ہے ان کی وفات ۱۲۱۰ھ میں واقع ہوئی، ان کے دیوان میں سے یہ اشعار پسند کئے جا کر ثبت کئے گئے:۔

قسمت کو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا

غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم چپ رہے
پر سنا ہوگا کہ تم کو ایک جہاں نے کیا کہا

تا بہ فلک نالہ تو پہنچا تھا رات
میں ہی کچھ اللہ کا ڈر کر گیا

کوچہ گردی دل مجنوں نے مرے کی ایجاد
مُتبذل جان کے ڈھب بادیہ پیمائی کا

ٹوٹا جو کعبہ کون سی یہ جائے غم ہے شیخ
کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

فلک جو دے تو خدائی تو لے نہ اب قائم
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

ناصح تو کہے ہے یوں کہ گویا
ہے دل پہ کچھ اختیار میرا

جہاں میں شہرہ نہیں مجنوں کی ذلتیں قائم
سو بار عہد میں ترے وہ نیک نام ہوا

بے دماغی سے نہ اس تنگ دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یہاں حُسن سے بھی دور گیا

معاملہ ہے یہ دل کا اسے کہے گا وہ کیا
پیام بر لے ہمیں ساتھ آپ جانا تھا

یہ سچ کہ جھوٹ ہے دعوئ دوستی لیکن
کبھی ہمیں بھی تو ایک بار آزمانا تھا

لے گیا خاک میں ہمراہ دل اپنا قائم
شاید اس جنس کا یہاں خریدار نہ تھا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم ؎
کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
کب آئینہ کو تسخیر آتے ہے پیارے
کسی کا دل ہے وہ جس نے یہ انتقام لیا
نہ وعدہ اس کے ساتھ نہ پیغام کیا کہوں
پوچھے کوئی سبب جو مرے انتظار کا
متبذل تھا وہ تری چشم سے پیارے مضمون
جو ستم چرخ جفا پیشہ نے ایجاد کیا
ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا آپ ہی تجھ سے میں اور آپ ہی من گیا
قائم ضرور کیا ہے اب اس جنگجو سے صلح
مدت ہوئی کہ جان سے میں ہاتھ دھو چکا
طوفان گریہ کی ہے مرے حد عمر نوح
دریا نہیں کہ آج چڑھا کل اتر گیا
ہنسی کا یا یہ بھی کوئی طور ہے کہ آج
قائم نے تیرے ہاتھ سے گھبرا کے رو دیا
مجھ کو قائم وصل کی شب سے ہی کیا شادی کہ یہاں
گو یہی جھگڑے ہیں کوتی دم میں ہو جاتی ہے صبح
سب کو آیا ہے ترے حسن کا یہاں طور پسند
گرچہ ہر ایک کے زمانہ میں ہے ایک اور پسند

جو سوز عشق کا چرچا وہاں نہیں قائمؔ
تو کیا میں جاؤں گا دیے بہشت میں آتش

نالوں سے عندلیب کے آیا ہے جی بہ تنگ
کس نے مرے مزار پہ لا کر چڑھائے گل

تھامو مجھے آمد میں کوئی اس کی کہ ناگاہ
لیجائے نہ گھر سے کہیں باہر تپش دل

گر زیست ہے تجھ تلک تو پھر کیا
صدقے ترے مر ہی جائیں گے ہم

جھگڑے ہے اشک گرم مرا آہ سرد سے
دیکھیں تو پہلے پہنچے ہے تو عرش پہ کہ ہم

عذر تقصیر بھی چاہوں گا میں اس سے ای دل
ٹک تو خاموش ہو دینے سے وہ دشنام کہیں

زبان عشق شکایت سے لال ہے ورنہ
ہم ایک گلہ کے ترے سو جواب رکھتے ہیں

دو جہاں بھی ملیں تو بس ہے ہمیں
یہاں کچھ اتنی تو احتیاج نہیں

لے چکو دل جو نگہ کو تو یہ دشوار نہیں
لک تم دیکھتے پھرتے ہو خریدار نہیں

مے کی توبہ کو تو مدت ہوئی قائمؔ لیکن
بے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں

قائمؔ اور تجھ سے طلب بوسہ کی کیونکر کہتے
یوں وہ ناداں ہی پر اتنا تو بد آموز نہیں

یار اگر چاہتا ہے دے قائم
جان تجھ دل سے تو زیاد نہیں

کہتا ہے آئینہ کہ ہے تجھ سا ہے ایک اور
باور نہیں تو لا میں تیرے روبرو کروں

قائم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

اتنا تو ہوں ذلیل جو پوچھے ہے یہ کوئی
تو چاہتا ہے اس کو تو کہتا ہوں میں نہیں

قائم یہی فضا ہے گر اس دہر کی تو خیر
کھلنے لگی ایک دل کی بھی جس میں جگہ نہیں

خاتم دست سلیمان سے ہوں قائم میں عزیز
سخت پچھتائے وہ جو ہاتھ سے کھوتے مجھکو

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو

ہاں وہ تو آدمی ہیں کہ جن سے تمہیں ہے ربط
کیا شکوہ تم سے روئیے اپنے نصیب کو

شمع ساں جلنے کو صانع نے بنایا ہم کو
جس کے میں ہاتھ پڑا اس نے جلایا مجھ کو

شیخ جی تم نے نہ سمجھا یہ کرامات کی راہ
کیا قباحت ہے نکلنے میں خرابات کی راہ

ہر گلی کوچہ ہے بستی کا بساچہ کی دکان
دھجیاں ہو کے اڑے لیکہ گریبان میرے

قائم کے حال سے تعرض عبث کہ جرچ
ایسا گرا نہیں کہ وہ تجھ سے سنبھل سکے
بعد خط آنے کے تھا اس سے وفا کا احتمال
لیک وہاں تک عمر نے اپنی وفاداری کی
دنیا میں ہم رہے تو کئی دن پہ اس طرح
دشمن کے گھر میں جیسے کوئی مہماں رہے
قائم کو اپنی بزم سے جانے نہ دے کہ یار
ہے کیا برا جو مفت میں ایک شعر خواں رہے
ساقیا دور کرے ہے تمام
آپ ہی اب یہ دور چلتا ہے
خدا نہ کردہ اسے غیر سے تو کیا سروکار
تھی ایک بات ہمارے ہی یہ جلانے کی
نہ زخم سینہ سے کر اور مجھ کو تنگ کر ناصح
کہ دم اپنا سما سکتا نہیں پہلے ہی تنگی ہے
مفت تک دوں ہوں میں دل تو بھی کوئی لیتا نہیں
ہاں مگر اس سے بھی کچھ یہ جنس سستی کیجئے
صورت میں تری گر نظر آوے ملک الموت
جی دینا کسی طرح سے دشوار نہ ہووے
گو ہم سے تم ملے نہ تو ہم بھی نہ مر گئے
کہنے کو رہ گیا یہ سخن دن گذر گئے
روئیں گے کب تک اے مژہ اشکبار بس
اب کیا مجھے ڈبوئیں گے جل تھل تو بھر گئے

دو چیز ہیں یادگار دوران ؎
تیرا ستم اپنی جاں فشانی ؎
کیا پوچھتے ہو موجب آزردگی یار
دل لے چکے مدت ہوئی اب جاں طلبی ہے
نے نالہ میں تاثیر ہے نہ آہ میں یہاں درد
معلوم ہو کس طرح تجھے چاہ کسی کی
عشق تو قائم نہ ہوا آپ سے
اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہئے
رو کے پوچھا جو میسر ہو ترا کیونکہ وصال
ہنس کے کہنے لگا طالع کی مددگاری سے
کہتا میں نہیں کہ ظلم ہے بد
پر خوب تو مہرباں نہیں ہے
کسی بلا میں پھنسے قید ہوتے جان سے جائے
پر آدمی کو خدا عشق پہ مبتلا نہ کرے
بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم
مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے
قائم آیا ہے پھر وہ بن ٹھن کر ؎
دیکھیں کس کس سے اب بگڑتی ہے ؎
آخر تو جرم عشق سے کرتے ہیں مجھ کو قتل
یکبار اس کے بھی تو کریں روبرو مجھے
دشمنی سے ایک ادنی کی ہے قائم جائے خوف
وائے اس پر جس کسی سے خصمی افلاک ہو

کس دل پہ داغ غم ہے نہ تیرے بہار کی
اللہ رے دھوم اب کے برس لالہ زار کی

۴۷۰۔ قاسم تخلص

سید قاسم علی خان، عطا حسین تحسین کے پوتے تھے جو "نوطرز مرصع" کے مصنف ہیں جو مرصع رقم کے نام سے مشہور ہیں، ان کو فن موسیقی میں اچھی خاصی مہارت تھی پہلے سرکار انگریزی میں مال گزاری وصول کرنے پر مامور تھے، اب لکھنؤ میں رہتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ایک بوسہ کے عوض دیں اس نے لاکھوں گالیاں
بیشتر لذت ملی تقصیر سے تعزیر میں

مرا ہر آبلہ ہے گوہر با کے سبحہ کا دانہ
نہیں تو کیوں کشش ہو اس قدر کانٹوں کو صحرا کے

زمین کو کر دیا رشک فلک رفتار جاناں نے
فروغ پنجہ خورشید ہے ہر نقش میں پا کے

جو ہاں ہوئی تو جئیں گے نہیں تو جان سے گئے
ہماری زیست و مرگ آپ کی زباں میں ہے

مرے دماغ کو صندل سے فائدہ معلوم
علاج اس کا کسی سنگ آستاں میں ہے

سیکڑوں دریا بھرے ہیں چشم گریاں میں مرے
پھر بھی یہ کمبخت ہر دم تشنہ دیدار ہے

واعظا غم نہیں دوزخ کی گرفتاری کا
بے قراری نے دیا عالم سیماب مجھے

۱۷۴۔ قاسم تخلص

حکیم قدرت اللہ خاں، دہلی کے رہنے والے اور مولانا فخر الدینؒ کے بجد معتقد تھے، عمر طبعی پاکر انتقال کیا، آج ان کی وفات کو چوتھا سال ہے، ریختہ میں ایک تذکرہ ان کی یادگار ہے لیکن نظر سے نہیں گذرا صاحب دیوان بھی ہیں، جس میں سے یہ اشعار منتخب کئے گئے:۔

میں مد نظر اپنے کچھ کام نہیں رکھتا
آغاز محبت یہاں انجام نہیں رکھتا

ہمیں بھی رخصت سیر چمن ہو ٹک صیاد
کہ اب کے شور ہے ظالم بہار آنے کا

قاسم کے ساتھ بادہ خوری تھی تمام شب
اور شام سے ہی اس کے تجاہل علی الصباح

سر بسر قول ترا اے بت خود کام غلط ہے
دن غلط رات غلط صبح غلط شام غلط ہے

وہ آئے بغل میں کہیں یا جی ہی نکل جائے
مٹ جائے کسو طرح تو یارب خلش دل

دشنام دے مناتے ہو روٹھے کو آن میں
کیا جانئے کیا فسوں ہے تمہاری زبان میں

جان جاوے یا رہے قاسم یہ دیکھیں گے اسے
ہے ارادہ یہ مصمم دیکھئے کیسے بنے ہے

تفصیل سے کہہ قاسم حال دل دیوانہ
ہم سے نہ چھپا ظالم ہم یار ہیں یاروں کے

مسلمانوں اسے پروا ہو کیا احیائے عاشق کی
وہ نصرانی بچہ عیسیٰ نفس تو ہے پہ کافر ہے

۴۷۲۔ قاسمؔ تخلص

میر قاسم علی بریلی کے رہنے والے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یقین ہے العطش گویاں دم آخر مروں گا میں
پیاسا ہوں ترے آب دم شمشیر براں کا

۴۷۳۔ قاصرؔ تخلص

مرزا بسیر علی بیگ، دہلی کے رہنے والے اور شاہ اللہ خاں فراقؔ کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یاد کس گلرو کی اس دل کو نزاکت آ گئی
آہ کر سکتا نہیں ایسی نقاہت آ گئی

۴۷۴۔ قابلؔ تخلص

مرزا علی بخش، تیموریہ خاندان سے متعلق تھے اور ابراہیم ذوقؔ کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سامنے میرے غیر سے تو ملے
ستم اس سے زیادہ کیا ہو گا
کیا جو قتل مجھے تو نے آج خوب کیا
کہیں عذاب سے چھوٹا تجھے ثواب ہوا
احوال گریہ سن کے مرا یار نے کہا
اے لو ابھی سے عشق میں اس نے تو رو دیا
تم جو کہتے ہو جاؤ تم یہاں سے
ایسے جائیں گے پھر نہ آئیں گے ہم

مرہی جانا ہے عشق میں بہتر
نہ جئیں گے نہ رنج اٹھائیں گے ہم

۴۷۵۔ قبولؔ تخلص

غنی بیگ مشہور شعراء فارسی میں سے ہیں، کبھی کبھی ریختہ میں بھی فکر سخن کرتے ہیں نمونہ کلام یہ ہے:۔

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن
تاریک شب میں جیسے کوئی پاسباں پھرے

۴۷۶۔ قدرتؔ تخلص

شاہ قدرت اللہ مشہور نکتہ سنجوں میں سے ہیں، ان کا سلسلۂ نسب شاہ عبدالعزیز شکر بار تک پہنچتا ہے، یہ شمس الدین فقیرؔ کے چچا زاد بھائی ہوتے ہیں، اصلی وطن دہلی ہے مگر مرشد آباد میں سکونت پذیر ہیں، ۱۲۰۵ھ میں وہاں اس مہمان سرائے کو چھوڑ کر اصلی وطن میں منتقل ہو گئے (یعنی انتقال کیا) جو لوگ ان کو عظیم آبادی سمجھتے ہیں غلطی پر ہیں، المختصر! قدرتؔ شاعری میں ایک بڑی قدرت اور قوت رکھتے تھے اور کہنہ مشق شاعر تھے، ان کی طبیعت رسا تھی، اشعار میں شگفتگی پائی جاتی ہے یہ اشعار ان کی فکر کا نتیجہ ہیں:۔

ہنگامۂ پرہیز دورع اب بسر آیا
اے بادہ کشو مژدہ کہ پھر ابر تر آیا
کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں سے گرتے
شاید نہ مژگاں کوئی لخت جگر آیا

ہوا ہے اس کے گلو میں گرہ دم اعجاز
ترے لبوں نے مسیحا سے کیا سوال کیا
بتیابیوں سے اب دل بیتاب رہ گیا
اپنی تپش میں جل کر یہ سیماب رہ گیا
آگے نہ چل سکا ترے کوچہ کو چھوڑ کر
خورشید جا کے تا بہ لب بام رہ گیا
جہاں نظر پڑی پاؤں تلے ملے کاغذ
سمجھ کے نامہ مرا ہاتھ میں نہ لئے کاغذ
یہ دلِ شوریدہ جب سے ساتھ ہے زیر زمین
شور محشر ہی رہا قدرت کی مشت خاک پر
پھاتے کو اگر داغ سے چھاتی کے چھڑا دوں
خاشاک کے پہلو میں چھپی آن کر آتش
جرم پر تری محبت کے ہمیں کرتے ہیں قتل
حفظ جاں کے واسطے گر کیجئے انکار حیف
آگ اس داغ کو لگیو کہ نمک سود نہیں
پھوٹے وہ آنکھ جو لخت جگر آلود نہیں
اڑائی زبس خاک ماتم میں دل کی
کیا ہم نے آخر زمیں آسماں کو
لب جان بخش کی اس کے جو پڑی ہے یہ دھوم
لب عیسیٰ نے مگر تری زباں چوسی ہے
ہر آن ایک ستم ہے ہر لحظہ ایک جفا ہے
کوچہ ترا ہے ظالم یا دشت کربلا ہے

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
تیر بے داد جدھر رو کرے گھر اس کا ہے
آہ اس کم فرصتی پر ہوش سے کیا سرور
شیشہ تا خالی ہو جام زندگی لبریز ہے
حسرت اے صبح چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہے
نوح کشتی سے خبردار کہ سینہ سے
مرہم تازہ سے ناسو کہن چھوٹے ہے
شب ہجراں کی مصیبت کو کہوں کیا قدرت
تن سے جاں چھوٹے ہے اور جان سے تن چھوٹے ہے

۴۷۷۔ قدرتؔ تخلص

مولوی قدرت اللہ، رام پور کے رہنے والے اور قائم چاندپوری کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

لاکھوں جلائے مُردے صد سالہ آن میں
فیض دم مسیح ہے اس کی زبان میں
انصاف بھی ضرور ہے یہ ظلم تا کجا
کتنوں کے گھر تو جاتے رہے امتحان میں

۴۷۸۔ قدرتؔ تخلص

مولوی قدرت اللہ، ثناء اللہ خاں فراقؔ کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

زلفوں میں اگر دل یہ گرفتار نہ ہوتا
یوں روز مرا آہ شب تار نہ ہوتا

۴۷۹۔ قربان تخلص

میر مہدی، میر کلّو حقیر کے بیٹے اور ثناءاللہ خاں فراق کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کیوں نہ ایک ٹھوکر سے وہاں احیائے صد جاں دادہ ہو
دست بستہ معجز عیسیٰ جہاں استادہ ہو
کس کے برگشتہ نگہ کا ہوں میں بیمار کہ آہ
یاں مسیحا کی ہوئی جاتی ہے تدبیر الٹی

۴۸۰۔ قربان تخلص

قربان علی عظیم آباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

لگالوں کیوں نہ دل سے اس کماں ابرو کے ہر پیکاں کو
کہ آزردہ نہیں کرتا ہے کوئی اپنے مہماں کو

۴۸۱۔ قرار تخلص

جان محمد، وزیر الملک بہادر کی سرکار میں نقیب تھے اور شاہ شرف الدین ملول کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہے ناز سے اس کے یہی پیغام قضا کا
کیوں نام کیا آپ نے بدنام قضا کا

۴۸۲۔ قرار تخلص

میر حسین علی نام، ان کے حالات سے واقفیت نہیں یہ شعر ان کا ہے:۔

کس طرح قرار اس سے کروں درد دل اظہار
سنتا ہی نہیں وہ بت مغرور کسی کی

۴۸۳۔ قمرین تخلص

حسرت کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔
پیارے بے وفا یا باوفا ہو
غرض تم دل کے لینے میں بلا ہو

۴۸۴۔ قسمت تخلص

المعروف شمس الدولہ نواب بارگاہ علی خان کے بیٹے اور جعفر علی حسرت کے شاگرد ہیں، لکھنو کے رئیسوں میں سے ہیں، مرزا جہاندار شاہ کی سرکار میں اچھی خاصی عزت کے مالک ہیں، یہ اشعار ان کے ہیں :۔
الٰہی یا تو میرے دامن دلدار ہاتھ آوے
نہیں تو ہاتھ کی اس کے کہیں تلوار ہاتھ آوے
مقدور ہے کس کا جو ترے حکم کو ٹالے
رستم جو نہ آوے تو وہیں اس کا سر آوے

۴۸۵۔ قلندر بنظر تخلص

تخلص کے باعث ان کے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، خان آرزو کے ہم عصر تھے، یہ دو شعر ان کے منتخب کئے گئے :۔
جی کو سر زندگی نہیں ہے
کیا جی کے کروں کہ جی نہیں ہے

بھیگتے ہی بھیگے گا اشک ناصح
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

۴۸۶۔ قمر تخلص

مرزا قمرالدین، المعروف مرزا جی، مرزا تقی ہوس کے چھوٹے بیٹے اور قتیل کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

صلح کرتے ہوتے آخر وہ بجنگ آ ہی گیا
عشق کا نام برا ہے اسے ننگ آ ہی گیا
کہتے ہیں شب خستہ گلا کاٹ موا
آدمی تھا غم ہجراں سے بتنگ آ ہی گیا
بیجا نہیں ہے کچھ مرے قاتل کا اضطراب
دیکھا تھا اس نے کب کسی بسمل کا اضطراب

۴۸۷۔ قمر تخلص

مرزا قمر طالع، مرزا ایزد بخش بہادر کے منجھلے بیٹے ہیں، جو مرزا نیلی کے نام سے مشہور تھے حافظ عبدالرحمن خان احسان کے شاگرد اور صاحب دیوان ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہ آئی تاب تو بھی دل کی بیتابی کے ہاتھوں سے
قمر پہلو میں وہ رشک قمر ہوتا تو کیا ہوتا
بعد مدت خط لکھا ہے یار نو خط نے تجھے
تو بھی ابتوا ہے قمر شکوؤں کے دفتر کھول دے

۴۸۸۔ قیس تخلص

مرزا احمد بیگ المشہور مدار بیگ، مرزا امداد علی بیگ کے بیٹے تھے، اصل وطن مشہد مقدس

تھا، لکھنؤ میں پیدا ہوئے، حسرت کو اپنا کلام دکھلاتے تھے، ان کا نمونۂ فکر یہ ہے:۔

دل مضطرب کا دیکھا عجب اضطراب الٹا
ہوا اور مضطر اس نے جو ذرا نقاب الٹا
آئینہ دیکھ دیکھ کے کہتا تھا کل وہ شوخ
اس عالم شباب نے رسوا کیا مجھے
پھرتا ہوں ہر کسی سے میں القاب پوچھتا
خط کے ترے جواب نے رسوا کیا مجھے

(ک اور گ)

۴۸۹۔ کاملؔ تخلص

پنڈت ٹھاکر داس کشمیری، اس وقت عدالت میں وکالت کرتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

پلٹ کر جو دیکھا سر راہ اس نے
لگا تیر اک بازگشتی جگر پر

۴۹۰۔ کاملؔ تخلص

نام مرزا کامل بیگ، بجز نام کے ان کا حال معلوم نہیں ہوا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مژگان سے گر بچے دل ابرو کرے ہے ٹکڑے
یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاہی

کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

۴۹۱۔ کبیر تخلص

حکیم کبیر علی، مراد آباد کے متعلقات میں سنبھل کے رہنے والے ہیں اور طب میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا ہے کبیر
زیست معلوم اگر ایسے ہی دو چار ملے

۴۹۲۔ کریم تخلص

کریم اللہ خاں، افغانی ہیں، ان کا نمونہ فکر یہ ہے:۔

نہ تھی قدرت مجھے گر رہ بردہ جانے کی کریم
زیر دیوار ہی جا نالہ سنایا ہوتا

۴۹۳۔ کرم تخلص

شیخ غلام ضامن، کوتانہ کے رہنے والے ہیں، اس وقت شاہ جہاں آباد میں رہتے ہیں، حیدر آباد میں کافی عرصہ رہے، ریختہ و فارسی (زبان) دونوں میں فکر سخن کرتے ہیں، ان کی قوت نظمیہ بہت ہے، مومن کے شاگردوں میں سے ہیں، باوجود پیر سالی ظریف الطبع اور خوش مزاج انسان ہیں، راقم کے ساتھ ان کی شناسائی ہے ان کا کلام منگوا کر اس میں سے یہ اشعار منتخب کئے گئے:۔

تیر نا خوردہ بیمار شک سے کیا کیا تڑپا
استخوانوں میں مرے دیکھ کے پیکان تیرا

فرہاد و قیس عشق میں سرگرم لاف تھے
خاموش ہو گئے جو مرا نام آ گیا

نام کب آسودہ جاں لیں نالہ ہائے زار کا
سرمۂ آواز ہے سایہ تری دیوار کا

ہاتھ ہووے گا مرا اور ترا داماں ہوگا
چاک جب صبح قیامت کا گریباں ہوگا

زلف مژگان سے لپٹتی ہے خدا خیر کرے
مشک آلودہ کہیں خنجر بڑاں ہوگا

کیا ہی برہم ہوئی زلف اس نے جو پوچھا مجھ سے
اے کرم کس نے کیا حال پریشاں ترا

سہویں گے جور طاقت و تاب و تواں تلک
لیکن یہ پوچھتے ہیں تجھی سے کہاں تلک

چین جبیں ہے موج تبسم نگاہ میں
ڈر ہے مجھے فریب کا تیرے یہاں تلک

اسیری نے کی پردہ پوشی جنوں کی
کیا طوقِ گردن لئے کار گریباں

نسبت ہے میرے داغ سے کیا گل کو عندلیب
گو آہ سرد و باد سحر دونوں ایک ہیں

روز شمار جان شب ہجر کو کرم
نے شام اسے نہ اس کو سحر دونوں ایک ہیں

نظر سے گر چلا ہوں کون بٹھاتے
بجز مژگان بر گردیدہ مجھ کو

اے طفل اشک دیکھ کے برباد کیجیو
ہر پارۂ جگر ورق انتخاب ہے
مرا نشو و نما ہے اس خرام لا و بالی سے
غبار ناتواں کو سرکشی ہے پائمالی سے
گر وہاں بیٹھوں تو اٹھے جبکہ تعظیم سے
خوف ہے شاید کہ صحبت کا اثر ہونے لگے
وائے قسمت اور اخفا ہی ہوا افشائے راز
رو کتے ہی اشک کے لخت جگر آنے لگے
اس کو شہرت کی تمنّا مجھے رسوائی کی
ہر کوئی آرزوئے نشو و نما رکھتا ہے
کس باغ میں وہ رونق گل جلوہ کناں ہے
نکلے ہے دھواں سا درِ فردوس بریں سے
گھبرا کے لگے دیکھنے وہ اپنے بناگوش
جب اشک مری آنکھوں سے دردانہ سے نکلے

۴۹۴۔ کرم تخلص

مرزا حیدر علی بیگ، مرزا نیاز علی بیگ کے بیٹے اور دہلی کے رہنے والے ہیں، مصحفی کے مشہور شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

حسرت سے دیکھتا ہوں میں جب یار کی طرف
لگتا ہے تب وہ دیکھنے دو چار کی طرف
لہو میں بھر رہے ہیں ترے ہاتھ سچ بتا
تربت پہ کس شہید کے تونے چڑھائے گل

گلدستہ لا دیا جو گل اس کو رقیب نے
ہم نے بھی کرم رشک سے ہاتھوں پہ کھائے گل
تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہے ہم نے یارب
جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہیں
سیل گریہ میں نہ ہم تا بکمر ڈوب گئے
یہاں تلک روئے کہ ہمسایوں کے گھر ڈوب گئے

۴۹۵۔ گرفتار تخلص

سنگی بیگ، دہلی کے رہنے والے اور حاتم کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

درد ہو جس کی کچھ دوا کیجئے
جی ہی بے چین ہو تو کیا کیجئے

۴۹۶۔ گریاں تخلص

میر محمد علی، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

مجھے جب دیکھنا تب ہاتھ سے مکھڑا چھپا لینا
نکالا طور اس نے روز یہ صاحب سلامت کا

۴۹۷۔ گستاخ تخلص

مرزا علی، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

جی لگایا تھا سمجھ ہووے گی فرحت حاصل
یہ نہ جانا تھا کہ آوے گی قیامت لازم

۴۹۸۔ کلّو تخلّص

مرزا کلّو، خواجہ میر دردؔ کے رشتہ داروں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

صدا فقیروں کی گر تم نہ ہو گے کیا ہو گا
ذرا ادھر بھی نظر پھینکنا بھلا ہو گا

۴۹۹۔ کلیم تخلّص

شیخ کلیم اللہ، سرکوٹ کے رہنے والے ہیں جو مراد آباد کے قریب نگینہ کے متعلقات میں سے ایک مقام ہے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

جلوۂ طور رخ یار سے پیدا ہووے
خجل اعجاز تکلّم سے مسیحا ہووے

۵۰۰۔ کلیم تخلّص

میر محمد حسین، طور معنی پروری کے کلیم اور معجز سخن پروری کے مسیح اور شعراء مسلّم میں سے ہیں، متقدمین و متاخرین شعراء کے جرگہ میں میر تقی میرؔ کے ہم پلّہ اور دہلی کے باشندے ہیں، طب جانتے تھے دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے میں سمجھتا ہوں کہ زبان فارسی میں ان کی فکرِ صائب اور زبان درست نہ تھی، کہتے ہیں کہ فصوص الحکم شیخ محی الدین ابن عربی (اللہ تعالےٰ ان کے مرقد کو منوّر کرے) کا ترجمہ ریختہ میں کیا ہے، حاصل کلام ان کا ایک دیوان اور مثنویات یادگار ہیں جو نظر سے نہیں گذرے یہ اشعار تذکروں سے منتخب کرکے تحریر کئے گئے ہیں :۔

چھپا ہے آ مری چشم پر آب میں دریا
کسی نے دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا

کس پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ وتاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا
قبر میں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسو کو سونپا
آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
ہو چکا حشر گئی دوزخ وجنت کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچہ میں گرفتار ہنوز
درازی شب ہجران زلف یار کلیم
مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں
رکھوں میں آنکھوں میں کیونکر تجھے کہ ہے برسات
پھر ایسا گھر کہ جو خانہ خراب ٹپکے ہے
دیوانہ ترا وادی پر اپنے اگر آوے
منہ دیکھو فلاطون کا جو عہدہ برآوے
غرور حسن کیا ممکن کہ اس سے داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

۵۰۱۔ کمال تخلص

شاہ کمال الدین حسین، کڑا مانک پور کے رہنے والے تھے، ان کے بزرگ صاحب منصب گذرے ہیں، یہ تارک الدنیا ہو کر فقیر ہو گئے اور سیر وسیاحت کرنے لگے لکھنؤ میں تشریف آوری کے وقت جرأت کو اپنا کلام دکھلاتے تھے نمونہ کلام یہ ہے:۔

جز شکست شیشۂ دل کچھ نہ دیکھا اور کام
مرتفع جس دن سے ہے یہ چرخ مینائی ہوا
آہ جو کچھ ہم سے ہو سکتا سو کر چکتے ولیک
ایک دن تم کو نہ شوق کارفرمائی ہوا
اور دکھلایا تماشا مجھ کو وحشت نے کمال
میں تماشائی تھا جس کا وہ تماشائی ہوا
یہ بھی کچھ بیٹھنے کا بزم میں اسلوب ہے واہ
جوں جوں ہم آگے بڑھیں آپ سرکتے جاویں

۵۰۲۔ گماںؔ تخلص

اشرف علی فغاںؔ کے شاگرد ہیں، ان کا نام اور حال معلوم نہ ہو سکا، نمونہ کلام یہ ہے :۔

واسطے جس کے سبھی مجھ کو برا کہتے ہیں
وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

۵۰۳۔ گناؔ بیگم تخلص

نواب اعتماد الملک غازی الدین خان المتخلص نظامؔ کی بیوی اور ایک باعفت خاندان کی عورت ہیں، اپنے شوہر کے حکم کے مطابق اپنا کلام میر قمر الدین منتؔ کو دکھلاتی ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

مقابل ہو اگر لب کے ترے مصری چبا جاؤں
تری آنکھوں سے ہمچشمی کرے بادام کھا جاؤں
ترے منہ کی تجلی دیکھ کر کل رات حسرت سے
زمین پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع جلتی تھی

شمع کی طرح کون رو جانے
جس کے جی کو لگے ہے سو جانے

۵۰۴۔ کوچک تخلّص

شاہزادہ مرزا وجیہہ الدّین مرحوم نے بلادِ مشرق (پورب) کے دورہ کے زمانے میں انتقال فرمایا، ان کی نعش دہلی لائی گئی اور سلطان المشائخ کے مزار کثیر الانوار کے متصل زیرِ خاک کی گئی جو دہلی سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے، آپ کے کلام میں سے یہ شعر تحریر کیا گیا:۔

یہاں تلک پاؤں میں پھپھولے ہیں
کہ قدم بھر چلا نہیں جاتا

۵۰۵۔ کوثر تخلّص

مہدی علی خان ولد قطب الدّین خان ولد آقا علی خان موتمن الدولہ اسحٰق خان کے چھوٹے بھائی ہیں جو فردوس مکان محمد شاہ کے زمانہ کے مشہور امراء میں سے تھے لکھنؤ میں پیدا ہوئے، دو سال ہوئے اعظم الدّولہ کی کسی تقریب پر دہلی تشریف لائے تھے، راقم کو ان سے تعارف ہوا حمیدہ خصالِ انسان نظر آئے، محفلِ مشاعرہ میں شرکت فرماتے تھے اور اپنے آپ کو ناسخ کے شاگردوں میں بتلاتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

چشم میں عشق کے اعجاز سے آنسو ٹھہرے
ورنہ کشتے میں ہی دریا کا سمانا مشکل
تیر اتو آسرا تھا جدائی میں یار کی کو
اے موت تو بھی مجھ سے گریزاں ہے اندنوں

خواب میں شب اس پری نے شکل دکھلائی ہمیں
جاگ اٹھی بخت خوابیدہ جو نیند آئی ہمیں
بوقت صبح وہ مانند آفتاب آیا
الٰہی شکر شب ہجر کی سحر دیکھی
تربت پہ میری ایسی برستی ہے بے کسی
بے اختیار شمع کے آنسو ٹپک پڑے
کیا ہی کشش ہے کوچہ دلبر کی خاک میں
بیدرست و پا بھی ہووے تو مثل صبا چلے
نامہ بر کوچۂ دلبر میں گم ایسا ہو جائے
فی المثل ہووے کبوتر تو وہ عنقا ہو جائے
خوں بہا اس سے نہ پھر حشر کو مانگوں گا میں
ایک بار آکے مری لاش پہ قاتل ہو جائے
دل پھٹ گیا کدورت طبع نگار سے
حیرت کی جا ہے آئینہ ٹوٹا غبار سے
ہوں وہ بلبل کہ یہ تھا شوق اسیری پس مرگ
پر بھی اڑ کر مرے صیاد کے گھر تک پہنچے

۵۰۶ - گویا تخلص

شیخ حیات اللہ، فرخ آباد کے رہنے والے تھے اور سرکار انگریزی میں منصب ممتاز پر مامور تھے، نمونہ کلام یہ ہے:

جس کم سخن سے کہئے تقریر بول اٹھے
ہے ہم میں وہ کمال کہ تصویر بول اٹھے

۵۰۷۔ گویاؔ تخلص

حسام الدولہ نواب فقیر محمد خاں بہادر، لکھنؤ کے مشہور رئیسوں میں سے ہیں، باوجود اس قدر ہجوم دنیا کے ہر اہل فن کے قدردان ہیں اور اس جگہ کے سخنوروں کے ساتھ جیسی کہ ہونی چاہیئے مہربانی کرتے ہیں، اس دیار کے شعراء ان کے مدح سرا ہیں اور بہت تعریف کرتے ہیں، شاعری میں شیخ امام بخش کے شاگرد ہیں، یہ اشعار آپ کے دیوان میں سے انتخاب کرکے اس عجالہ میں تحریر کیئے گئے:۔

صندلی رنگ پہ میں مرہی گیا
دردِ سر کس کا کہ یہاں سرہی گیا
اس نے صندل لگایا ماتھے پر
درد دونا ہوا مرے سر کا
نہ آنے کا ترا شکوہ عبث ہے
کبھی میں آپ میں آیا تو ہوتا
اس کو غفلت ہمیشہ کہہ آتے ہیں ہم
بھول جانا یاد دلواتے ہیں ہم
ضعف سے رہتا ہے اب پاؤں پہ سر
آپ اپنی ٹھوکریں کھاتے ہیں ہم
گر پڑے دیوانہ اگر جلنے لگے مثلِ سپند
یہ حرارت بعد مردن بھی ہے اپنی خاک میں
وصل اگر منظور تھا پرویز کا گھر کھودتا
کوہ کن دیوانہ ہے شیریں تو پتھر میں نہیں
درد پہلو میں رہا کرتا ہے جب سے تو نہیں
ہجر میں بھی ایک دم خالی مرا پہلو نہیں

نہ مرے زخم پہ رکھو مرہم
میرے قاتل کی یہ نشانی ہے
ٹھکرا کے چلے جبیں کو میری
قسمت کے لکھے نے یاوری کی ؎
میں گو ناخوش ہوں اپنی زندگی سے
رہے خوش یا الٰہی وہ جہاں ہے
یاد آیا جی یہیں اپنا ملا تھا خاک میں
رو دیا جب وہ غبار گو نظر آیا مجھے
جی ابھی نکلا نہ تھا تن سے کہ وہ راہی ہوا
توسن جانان سمند عمر سے چالاک ہے
مآل عاشق و معشوق ہے ایک
سنا ہے شمع سوزان کی زبانی ؎
آیا جواب نامہ پس مرگ تب کھلا
تھی دیر اس لئے مرے خط کے جواب کی
زاہد وجرم کیا کرتا ہوں میں بہر ثواب
دل ہے کعبہ اسے کرنا ہے سیہ پوش مجھے

(ل)

۵۰۸۔ لطیف تخلص

میر شمس الدین، بندرگاہ سورت کے رہنے والے ہیں لکھنؤ میں سکونت اختیار کی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گھر میں جا بیٹھ رہا اس سے خفا ہو تو لطیف
کیا ہی غصہ تری اس بات پر آتا ہے مجھے

۵۰۹۔ لطیفؔ تخلص

میر لطیف علی، خواجہ میر دردؔ کے معتقدوں اور شاگردوں میں سے ہیں، ان کو جواہرات کی اچھی پرکھ تھی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

روتے ہیں شیخ و برہمن بھی دل کے ہاتھوں
گبر نکلا نہ یہ کافر نہ مسلمان نکلا

رہتا ہے درد روز دل ناتوان میں لطفؔ
کیوں کر اثر نہ ہووے ہماری زبان میں

دامن کشیدہ جاتے ہو میرے غبار سے
تقصیر ایسی کیا ہوئی اس خاکسار سے

۵۱۰۔ لطفؔ تخلص

مرزا علی، وطن استرآباد ہے، دہلی میں نشو و نما پائی، عظیم آباد کے گرد و نواح میں رہتے ہیں، حیدرآباد جا کر قصیدہ گوئی کی اور انعام اکرام پائے، میر تقی کی شاگردی سے منسوب ہیں، زبان ریختہ میں اردو شعراء کے ایک تذکرہ کے مصنف ہیں جو نظر سے گزرا اور اس میں سے یہ اشعار منتخب کئے گئے:۔

ہو گئی زنجیر پا اپنی یہ زلف پرشکن
ورنہ دل تجھ سے کو دیتا کیا کوئی دیوانہ تھا

کیجیو اس زلف کو مشاطہ سمجھ کر شانہ
لاکھ دل ٹوٹے اگر ایک وہ مو ٹوٹ گیا

بڑھایا قصہ سنبل صبا نے حد لیکن
فسانہ زلف کا تیری بہت دراز رہا

نہیں سمندر و پروانہ پر وہ آتش ہوں
کہ جس کے نام سے آتش کو احتراز رہا

نہ پہنچی ضعف سے لب تک دعا ہی ورنہ سدا
در قبول تو اس آرزو میں باز رہا

جو عمر خضر ہو شاید تو وصل ہووے نصیب
یہ زندگی جو تھی اس میں تو امتحان رہا

سنتے تھے طوفان نوح آنکھوں سے دیکھا وہ تو لطف
دیکھئے یہ چشم گریاں اور اب دکھلائیں کیا

ہے کون سبزہ رنگ خراماں کہ رشک سے
جوں شمع سبز جلتا ہے ہر سرو باغ کا

ساقی لگا دے خم مرے منہ سے کہ بار بار
احسان کون کھینچے سبو اور ایاغ کا

ترے کانوں تلک بھی لطف کچھ آواز آتی ہے
ہے ایک عالم کو تیرے نالہ و فریاد کا شکوہ

ایک دن حال دل زار نہ دیکھا نہ سنا
سچ تو یہ تجھ سا بھی دلدار نہ دیکھا نہ سنا

دکھا دیں بے ستون چرخ کا عالم تجھے فرہاد
جو مل جاوے ہمیں بھی کارفرما کوئی شیریں سا

فرہاد سا نہ رنگ نہ مجنوں سا کیا حال
کس منہ سے اسے بھیجئے پیغام محبت

مٹتے ہیں بعد قتل طلب گار حق سعی
ملک بتاں میں دیکھی نئی خوں بہا کی طرح

کیا کم ہے سلطنت سے سگ کوئے یار اگر
قانع ہوا ستخواں پہ ہماری ہما کی طرح

ہے یہ بھی نئی چھیڑ شب وصل میں سو بار
پوچھے ہے وہ کتنی رہی شب کچھ نہیں معلوم

کس کو دیتے بلا جو جانتے ہم
دیکھے دل اس بلا میں پڑتے ہیں

اگرچہ فرق زمین آسماں کا ہے تاہم
ملے ہے وضع فلک کی بہت تری خو میں

اپنا تو بدگمانی سے بس کام ہو گیا
گو اور طرح اسکی ہو چولی مسک گئی

خوبی کا بسکہ تیری ایک عالم گواہ ہے
اپنی بغیر دیکھے ہی حالت تباہ ہے

(م)

۱۵۱- مائل تخلص

میر مہدی، جہان آباد کے سید ہیں، آپ مولوی قدرت اللہ اکبر آبادی کے شاگرد اور شاہ نصیر کے استاد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

کیا کیا کہوں میں تجھ سے دل زار کی ہوس
مشہور ہے جہان میں بیمار کی ہوس

۵۱۲ - مائلؔ تخلص

محمد یار بیگ، لکھنؤ کے باشندے اور قلندر بخش جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونۂ کلام یہ ہے :-

پیتا ہوں جام مے کے عوض کاسہ بنگ کا
مائلؔ ہوا ہوں جب سے میں ایک سبز رنگ کا

۵۱۳ - مائلؔ تخلص

سید کاظم علی، خیر آباد کے رہنے والے تھے، عنفوان شباب میں انتقال کیا، نمونہ کلام یہ ہے

شب ہجراں کی آہ ایک طرف
لاکھ ابر سیاہ ایک طرف

۵۱۴ - ماہرؔ تخلص

فخر الدین خان، اشرف علی خاں فغاں کے بیٹے لکھنؤ کے رہنے والے اور سودا کے شاگردوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے :-

ملی اتنی نہ فرصت بھی کہ اٹھ کر مانگتے پانی
ہوا تیر نگہ یوں آہ دل میں کارگر کس کا

۵۱۵ - مبتلاؔ تخلص

نام مرزا کاظم بیگ، وزیر الممالک کے دربار سے مردان علی خان کا خطاب تھا، وطن مشہد مقدس تھا، لکھنؤ میں پیدا ہوئے، ان کے بزرگ عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، کہتے ہیں کہ مبتلا فارسی میں صاحب دیوان ہیں، اور ایک تذکرہ کے مصنف بھی ہیں نمونہ کلام یہ ہے :-

شیشۂ دل پٹک دیا تو نے
سنگ دل آہ کیا کیا تو نے

۵۱۶ - مبتلا تخلص

ان کا حال معلوم نہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

وہ تری سایۂ دیوار میں پائی راحت
چاندنی رات کو اے رشک قمر بھول گئے

۵۱۷ - مجذوب تخلص

مرزا غلام حیدر بیگ، جہان آباد کے رہنے والے ہیں، جن کو سودا نے اپنا بیٹا بنایا تھا نمونۂ کلام یہ ہے:۔

عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں
بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں
تمہارا ہم سے جو عہد وفا ہے اس کو تم جانو
مرے پیماں میں کچھ نوع دگر ہووے تو میں جانوں
طوبے کے نیچے بیٹھ کے روویں گا زار زار
جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے تلے

۵۱۸ - مجنوں تخلص

نام معلوم نہیں، سرہند ایک درویش تھے، رائے نعیم ناتھ کی اولاد میں سے تھے، ایک دو پیڑی سے ان کے بزرگ مائل بہ اسلام ہوئے میر تقی کے شاگردوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ کوچہ و بازار میں ننگے پھرا کرتے تھے اور یہ تخلص کی تاثیر دلیل ہے لیکن

معلوم نہیں ہوا کہ جنون کے سبب یہ تخلّص اختیار کیا یا تخلص کی وجہ سے جنون تھا، مختصر یہ کہ یہ مطلع ان کا ہے :۔

جس سے جی چاہے ملو تم نہ کسی سے پوچھو
مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے ہی جی سے پوچھو

۵۱۹۔ مجنوں تخلّص

ان کا نام معلوم نہیں ہوا، عظیم آباد کے رہنے والے اور میر رضا کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

دن میں سو سو بار اس کے روبرو جانا مجھے
اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

۵۲۰۔ مجرم تخلّص

میر فتح علی، دہلی کے سادات میں سے ہیں، ہوس بھی تھے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

اپنی خواہش پوچھتے ہو تو یہی چاہے ہے دل
چپکے بیٹھے سامنے صورت تمہاری دیکھیے

۵۲۱۔ مجرم تخلّص

رحمت اللہ، اکبر آباد میں حرفت وصنعت کے ذریعہ اکتساب معاش کرتے تھے، مدّت ہوئی یہ شغل چھوڑ کر فقیر ہو گئے، میر مہدی بیدار کی صحبت سے مستفیض تھے، دہلی تشریف آوری کے وقت راقم سے بھی ملاقی ہوتے، نمونہ کلام یہ ہے :۔

دل افگار دیا دیدۂ خونبار دیا
چرخ ناساں نے کیا کیا مجھے آزار دیا

کی میں نے شکایت تو وہ بولا یہ خفا ہو
گر ہم ہیں جفا جو تو کسی اور کو چاہو
کل غیر کے گھر رہنے کی کیا جھوٹ ہے پیارے
کھا جائیے حاضر ہوں مجھے گھورتے کیا ہو

۵۲۲۔ مجبورؔ تخلص

شاہ نصیرؔ کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

شب خوشی سے پاؤں پھیلا گھر میں تم سویا کئے
ہم پس دیوار بیٹھے صبح تک رویا کئے

۵۲۳۔ محزونؔ تخلص

میر ناصر جان، سید محمد نصیر رنجؔ کے بیٹے ہیں جو اس وقت خواجہ میر دردؔ کے سجادہ نشین ہیں کتب درسی کے اچھے خاصے عالم ہیں، خصوصاً ریاضی میں فی زمانہ اپنی نظیر نہیں رکھتے کبھی کبھی شعر کہتے ہیں، اس زمانہ میں ممالک شرقیہ کی طرف گئے ہوتے ہیں فقیر (راقم) کے ساتھ ان کی دوستی ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جھوٹ ہے اور سے کب میں نے لڑائیں آنکھیں
تم نے بے فائدہ رو رو کے سجائیں آنکھیں
شاید اس وقت گیا آپ کا دھیان اور کہیں
بات کرنے میں جو تم ربط سخن بھول گئے
نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا ؎
حیف محزونؔ مجھے یاران وطن بھول گئے

۵۲۴۔ محزون تخلص

عالم شاہ گڈھ مکتیسر کے مشائخ زادوں میں سے ہیں اور مصحفی نے جوان کو امروہہ کا سمجھا ہے، تحقیق کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اس جگہ بحکم اہل البیت ادری مافی البیت شرف الدین مسرور کا قول منقول ہے کہ وہ ان کے رشتہ دار تھے اور محزون کے امروہہ میں قیام سے مصحفی کو ان کے وطن کے متعلق مغالطہ ہو گیا، بہر حال یہ اشعار ان کے ہیں۔

بے محابا چاک کرتا ہے گریباں کے تئیں
کس کے آنے سے چمن میں گل کو سودا ہو گیا
تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو
اہل دنیا تو نہیں دیتے ہیں محزوں غم کی داد
کوہکن کو خواب شیریں سے جگاؤں تو سہی

۵۲۵۔ مخمور تخلص

حسین علی خان اکبرآبادی، انگریزی سرکار میں ملازم تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سنگ پھینکے ہے مری قبر پہ گل کے بدلے
گالیاں دے ہے پس مرگ بھی قل کے بدلے

۵۲۶۔ مخمور تخلص

شیخ عظیم اللہ میرٹھ کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

متاع دل گرانمایہ ہے اپنے پاس اے ہمدم
یہ دولت اسکو بخشیں گے جسے ہم یار دیکھیں گے

۵۲۷۔ محبؔ تخلص

شیخ ولی اللہ اس شہر کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں انتقال کیا، سوداؔ کی شاگردی سے متعلق تھے، مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے وظیفہ خواروں میں سے تھے، ان کی فکر کا نتیجہ یہ ہے:۔

تو اور تری چاہ پوچھنا کیا
صدقے ترے واہ پوچھنا کیا
خانۂ دل کہ نہ ہو عشق کا آئیں جس میں
ہے وہ قرآں کہ نہیں سورۂ یٰسیں جس میں
پڑھنے لائق اشک کب چھوڑے ہی خاک آئے جواب
جتنے خط لیجائے میرے نامہ بر بھیگے ہوئے
نم ہیں مژگاں اشک سے تجھ تک نہیں جاتی نگاہ
مانع پرواز ہیں طائر کو پر بھیگے ہوئے
بہتر ہے جو ہی ستم رہیں گے
جیتے کا ہے گو ہم رہیں گے
بڑھ کچھ تو ایک بوسہ پہ اے یار اور بھی
ہیں ورنہ جنس دل کے خریدار اور بھی

۵۲۸۔ مجیبؔ تخلص

میر بہادر علی، ثناء اللہ فراقؔ کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سادہ رو صاف بھی اب ہم سے ملاقات نہیں
ناز و انداز و ادا غمزہ اشارہ ڈو با

اگر حنا ترے ہاتھوں سے خون بہا دل کا
تو لوں گا دست نگاریں سے خون بہا دل کا

۵۲۹۔ محبّت تخلّص

نواب محبت خان، حافظ الملک نواب رحمت خان مرحوم کے صاحبزادے ہیں، بریلی اور اس کے متعلقات کے جاگیر دار تھے، بکمال شہرت کے باعث مزید تفصیل سے مستغنی ہیں، والد کی طرح صاحب زہد و ورع ہیں اور فہم و فراست کے مالک، اردو اور فارسی دونوں میں فکر سخن کرتے ہیں، ان کے منتخب اشعار یہ ہیں:۔

جس کو تری آنکھوں سے سروکار رہے گا
بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا

عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے
آج چہرہ مرا بحال ہوا

قید ہوتے ہی ہوا دونوں جہاں سے آزاد
میں تو بندہ ہوں محبّت کی گرفتاری کا

یہ بڑھا دیوانہ پن اپنا کہ ناصح دل ہوا
تھا مرا ہمدرد لیکن مجھ کو سمجھانے لگا

آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں
یہ جو ہو جھوٹ تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

بیٹھنے دیوے نہ وہ بزم میں اپنے جو مجھے
تو اٹھا لیجوا اے بار خدایا مجھ کو

گالی کا انتظار تو حد سے گذر چکا
منہ کو کہاں تلک ترے دیکھا کرے کوئی

۵۳۰۔ محنت تخلص

مرزا حسین علی، جہان آباد کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں نشو و نما پائی، قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

احوال مرا دھیان سے سنتا تھا ولیکن
کچھ بات جو سمجھا تو کہا میں نہیں سنتا
اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو
مجھ سے نہ کہو بہر خدا میں نہیں سنتا
آمد نہ فصل گل کی نسیم سحر سنا
مرجاؤں گا قفس میں نہ ایسی خبر سنا

۵۳۱۔ محشر تخلص

اکرام اللہ خاں، بدایوں کے رہنے والے اور مشاہیر میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آ چھپا شور قیامت ترے داماں کے تلے
فتنہ سوتا ہے ترے سایہ مژگاں کے تلے
ہمیں نظر نہیں آتا کہ جی بچے محشر
کوئی دن اور اگر درد انتظار رہے
جدھر کوئی اڑے دل کی تپش کر دن پرواز
نہیں ہے برق صفت ہاتھ میں عناں مرے

۵۳۲۔ محشر تخلص

مرزا علی نقی، کشمیر الاصل تھے، لکھنؤ میں پیدا ہوئے، دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے، شاعری میں غرا تھا، مرزا علی جہلت کے قتل کے بعد خوف کے مارے اس

جگہ سے فرار ہو کر دہلی پہنچے۔
خواجہ میر درد کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو کر مستفیض ہوئے، پھر لکھنو گئے، کچھ سال ہوئے مقتول مذکور کے ورثار نے روپوش قاتل کو قصاص میں مار ڈالا

نمونہ کلام یہ ہے:-

دور میں اس چشم کے گردوں کو آسائش نہیں
کس گھڑی کس دم نئے فتنہ کی فرمائش نہیں
جاں منتظر ہے آنکھوں میں وقت رحیل ہے
جلدی پہنچ کہ تیرے ہی آنے کی ڈھیل ہے

۵۳۳- محسن تخلص

میر حسن، میر تقی کے بھائی کے بھتیجے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ
زندہ کرتا ہے نام عیسٰی کا!

۵۳۴- محترم تخلص

خواجہ محترم خان، اعظیم آباد کے کلانوروں میں سے ہیں، شاہ گھسیٹا المتخلص عشق کو اپنا کلام دکھلاتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

اے محترم اتنی اشک باری
کھل جائے ہے ابر بھی برس کر
دوستوں نے مرے کہاں سے
محترم کو کہو تو یاں لائیں

لگے کہنے کہ شرط کر لو تم
ہم جو مجلس میں اس کو بلوائیں
رونہ دیوے کہ جس کے رونے سے
ساری محفل کے چھپے جائیں
پیغام پھر جنوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک
شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

۵۲۵۔ محمود تخلص

محمود خان، اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور کے برادرزادے ہیں، ایک خوش فکر اور خوش سانہ جوان ہیں، ان کی شکارگاہ میں مضامین بسمل قید ہیں (یعنی مضامین گونا گون باندھتے ہیں) اور عاشقوں کا دل جس کی تپش سے شعلہ انگیز ہے۔ سخنوری کے باوجود کم سخن ہیں اور شور زبانوں کے باوجود بے زبان ہیں حلم و ادب کے لباس سے آراستہ اور راقم کے دوستوں میں سے ہیں، ان کی فکر کا نتیجہ یہ ہے:-

گھر سے بے پردہ وہ رشک مہ روشن نکلا
نالۂ دل بھی مری جان کا دشمن نکلا
اپنی برگشتگی بخت کا دیوانہ ہوں
کی شفاعت جو کسی نے تو وہ اغوا سمجھا
کیا اجل بھی آئی تھی اغیار ہی کے حصہ میں
اے فلک گر وصل جاناں کے نہ میں قابل ہوا
گو شب ہجر ہے پر صبح نہ ہووے تو ہے خوب
لائے ہے ناک میں دم گردش ایام اپنا

بیقراری سے ہے کچھ اس کی عجب مجھ پہ عذاب
کس طرح غیر کو دے دوں دل ناکام اپنا
واہ رے شوق ادھر جب کوئی جاتے دیکھا
منہ سے ناخواستہ نکلا وہیں پیغام اپنا
افسوس ہوا حشر میں کیا بے گنہی کا
قاتل جو ہمیں سر بگریباں نظر آیا
ہیں اپنے تصور نے محالات کئے سہل
پردہ میں بھی مجھ کو رخ جاناں نظر آیا
مجھ کو خبر مرگ عدو سے بھی ہوا رنج
وہ شوخ جو انگشت بدنداں نظر آیا
دشمن کو مرے گور پہ لانا نہیں اچھا
مردہ کو مسلماں کے جلانا نہیں اچھا
ہے زخم جگر ناوک قاتل کی نشانی
اے چارہ گرو اس کو مٹانا نہیں اچھا
بیداد گذشتہ کی کریں کیونکہ شکایت
اس کو وہ مزہ یاد دلانا نہیں اچھا
حسرتیں زلیست کی ہیں گور میں رہتیں بیچین
اس نے کیا مجھ کو کہیں یاد کیا میرے بعد
پیچھے ہٹتا تھا قدم چلتے ہی اس کوچہ سے
وہ ہوا بام پہ کیا جلوہ نما میرے بعد
میرے لئے ہے تیری ندامت بھی ایک ستم
ہرگز تو اپنے جور و جفا پر نظر نہ کر

تھا وصل میں یا ایک ہجر میں دو ہیں مر کے معشوق
کم موت کی جانب نہیں جاناں سے تعلق

وہ یہ سمجھا کہ ہوا ظلم اٹھانا مشکل
ہم کو جینے سے بھی اب زہر ہی کھانا مشکل

نہ ڈرا نار جہنم سے عبث اے واعظ
ہے بجز ذکر عدو ہم کو جلانا مشکل

غلبۂ شوق سے عالم ہے نظر میں تاریک
جس کے جویا تھے ہوا اس کا بھی پانا مشکل

چھاتی پہ لٹاتا تو اسے کب ہے میسّر
تصویر مگر سینہ پہ لیتے ہیں بنا ہم

اس وعدہ فراموش نے آنے کو کہا تھا
دروازہ ہی پہ رہنے لگے آٹھ پہر ہم

جویائے زہر ہیں یہ گراں جانیوں میں ہم
اعدا کے گھر گئے تری مہمانیوں میں ہم

عجز نے تاثیر کو اپنی صنم سمجھا فریب
کیا ملا دے گی خدا سے یہ جبیں سائی ہمیں

جان کیا چیز ہے پر عشق میں تاثیر تو ہو
کوئی مر جائے اگر تو کوئی دلگیر تو ہو

وہ رخ افروختہ ہے جرم عدو سے شاید
کہ نہیں نیم نظر تاب تماشا ہم کو

وہ صید ہوں کہ شوق اسیری ہے خود مجھے
صیاد بے دماغ کو رنج کمیں نہ ہو

ایسا ہی سبک زلیست نے ہجراں میں کیا ہے
اگر چاہے تو اُف سے کوئی بیمار اڑا دے
اس ناتواں کو بام پہ پہنچا دے ہم نشین
شاید کہ اس کے گھر کی طرف کی ہوا چلے
دیکھنا کون ہے محمود عدو کو بخوشی
جب نظر کرتے ہیں افلاک یہ ناچاری سے
خلاف طبع ہے اس کی مگر کوئی خواہش
ہمارے ہاتھ جو گا ہے بئے دعا نہ اٹھے
بعید اس کے ستم سے ہے یہ کہ بعد فنا
عدو کے گھر کی مری خاک سے بنا نہ اٹھی
انتہو حد تاثیر کی اے اشک خونیں ہو چکی
سب طراز دامن دل دار رنگین ہو چکی
مرتکب ہم سو گنہ کے ہو چکے پر ہے خموش
کیا وہ خود بھی قدر دان لذت دشنام ہے
جل گیا میں گرمی رفتار سے
کیا چلے تم ملنے کو اغیار سے
لاغری سے میں نظر آتا نہیں
چارہ گر بیٹھے ہیں ماتم دار سے
خانہ کعبہ کی تعظیم تو سبحان اللہ
لیک فرصت بھی ہو اس در کی جبیں سائی سے

۵۳۶۔ مخلصؔ تخلص

میر باقر، اکبر آباد کے رہنے والے ہیں، مصحفی خاں یک رنگ کے شاگردوں میں سے اور محمد شاہ کے زمانے کے شعراء میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

میں تو بندہ ہوں ترے جور و جفا کا لیکن
سخت دھڑکا ہے مجھے اس دل سودائی کا

۵۳۷۔ مخلصؔ تخلص

مخلص علی خان، مرشد آباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کوئی اپنے اسیروں سے تغافل یہ بھی کرتا ہے
قفس میں مر گئے ہم یہ خبر صیاد کو پہنچے

۵۳۸۔ مدحتؔ تخلص

مدحت لکھنوی، جعفر علی حسرت کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

لے گیا ہجر ترا گور میں یار آخر کار
روز فرقت نے دکھائی شب تار آخر کار

۵۳۹۔ مدہوشؔ تخلص

(مجہول الاسم) میر سوز کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مرا جس ناز سے تو نے لیا دل
خدا جانے ہے اس کو یا مرا دل

۵۴۰۔ مرزاؔ تخلص

آقا مرزا نام، وطن مازندران ہے، لکھنؤ میں پیدا ہوئے، ان کے والد محمد اسماعیل تاجر

تھے، امیر کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

بالیں سے جب وہ پھر گیا غش سے کھلی تب آنکھ
مجھ نارسا کے طالع خوابیدہ دیکھنا
پہچانے تا نہ کوئی کہ یہ کس کی لاش ہے
سر تن سے لے گیا مرا قاتل تراش کے

۵۴۱- مرزا تخلص

مرزا مینا کے نام سے مشہور ہیں، ان کا نام حکیم میر فضل اللہ تھا، قصبہ پانی پت کے رہنے والے تھے، فارسی میں بھی فکر سخن کرتے تھے اور طب میں مہارت تامہ تھی، نمونہ کلام یہ ہے:-

دل جو اپنا تھا سو ہے بیگانہ
اس زمانہ میں کوئی یار نہیں
سخت مشکل ہے ہجر میں جینا
زندگی اپنی اختیار نہیں
خالی اس سے نہیں ہے کعبہ و دیر
کونسے سنگ میں شرار نہیں

۵۴۲- مرزا تخلص

ہدایت اللہ دہلوی، مشہور فن موسیقی کے جاننے والوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

دل ہاتھ سے اشک آنکھ سے جی تن سے چلا جائے
اے وائے مصیبت کوئی کس کس کو سنبھالے

۵۴۳- مرزا تخلص

حکیم مرزا محمد خاں کے بھانجے اور رستم بیگ شاکر کے شاگرد تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

اگر زلف دراز یار میں ہے صد گرہ مرزا
دل صد چاک یہ ہم بھی بسانِ شانہ رکھتے ہیں

۵۴۴۔ مروّت تخلّص

صغیر علی حکیم کبیر علی سنبھلی کے صاحبزادے اور جرأت کے شاگردوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ میر حسن کی مثنوی کی تقلید میں انہوں نے بھی ایک مثنوی لکھی تھی اور اس فن میں ان کو دعوئے ہمسری تھا۔ ان کا یہ شعر انتخاب کیا گیا:۔

غیروں پہ دیکھ دیکھ کرم اس نگار کا
چین ابرجبیں ہے نقش ہمارے مزار کا

۵۴۵۔ مرہونؔ تخلّص

مرزا علی رضا کا اصلی وطن مشہد مقدس ہے خود اسی شہر (جہان آباد) میں پیدا ہوئے بعد میں حیدر آباد چلے گئے تھے، ممنون کے شاگردوں میں سے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہر آرزوئے دل کو حرماں نے خوں کیا ہے
گردن پہ یاس کی ہے خوں اپنی آرزو کا
جز ایک نگاہ خشم کبھی اس کی خو نہیں
قسمت تو دیکھ یہ بھی کبھو ہے کبھو نہیں

۵۴۶۔ مزمّل تخلّص

مزمل شاہ، قدماء میں سے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

میں نہ کہتا تھا کہ مزمل دے نہ دل
نقد ایسا رائیگاں کھونا نہ تھا

۵۴۷۔ مسرور تخلّص

شیخ پیر بخش قصبہ کاکوری کے باشندے ہیں جو لکھنؤ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے مصحفی کے شاگردوں میں سے ہیں، مرزا سلیمان شکوہ بہادر کے ساتھ اس شہر (جہاں آباد) میں بھی تشریف لائے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کہتی ہے یہ ہر وقت مجھے آبلہ پائی
آگے کو قدم دشتِ مغیلاں سے نہ اٹھے
کرتے ہیں وہ غمزے سے اشارے کئی دن سے
ہیں پیچھے پڑے دل کے ہمارے کئی دن سے
گر بہر سیر لیلیٰ محمل سوار جائے
مجنوں بھی ساتھ جوں شتر بے مہار جائے

۵۴۸۔ مسرور تخلّص

مرزا سنگی بیگ جہان آباد کے رہنے والے اور میر عزت اللہ عشق کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سدا اس چشم میگوں سے یہ دل مستانہ رکھتے ہیں
صراحی کی ہوس نہ خواہش پیمانہ رکھتے ہیں

۵۴۹۔ مسرور تخلّص

شرف الدین احمد، غلام محی الدین عشق مبتلا کے صاحبزادے اور میرٹھ کے رہنے والے ہیں، انہوں نے اشعار ریختہ عبارت ریختہ میں کہے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہے غیر کے گھر وہ شمع محفل
دن رات مجھے یہی جلن ہے

۵۵۰۔ مسکین تخلص

سید عبدالواحد خان، ایک ظریف الطبع جوان ہیں، جس وقت تشریف لائے اپنا کلام مومن خاں کو پڑھ کر سنایا تھا، نیز فقیر (راقم) کے ساتھ بھی ربط و ضبط پیدا کیا تھا، اب اندور میں رہتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کیوں نہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو اُس رنجور کا
جس کو از خود رفتگی بھی ایک سفر ہے دور کا

۵۵۱۔ مسرت تخلص

شیخ وزیر علی، شاعری میں عزت اللہ خان عشق سے استفادہ کرتے تھے، دہلی کے رہنے والے ہیں، کچھ سال ہوئے کہ حیدر آباد چلے گئے، شعرائے چندو لعل کے جرگہ میں شمار ہوتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اگرچہ روتے روتے کھوئیں آنکھیں
نہ رکھا دیدۂ خونبار پہ ہاتھ

۵۵۲۔ مستمند تخلص

یار علی خان عظیم آباد کے رہنے والے اور مرزا بچّو قدوی کے شاگردوں میں سے ہیں نمونہ کلام یہ ہے:۔

نزع تک وصل کی ہے یار امید
ہے مثل ایک دم ہزار امید

۵۵۳۔ مسیح تخلص

براتی، ایک کشمیری الاصل سوداگر ہوتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

شاید کہ موئے زلف کا شانہ تھا دست غیر
ہیڈ ھب رہا تھا جی کو مرے پیچ و تاب رات

۵۵۴۔ مشیر تخلص

قطب الدین جہاں آباد کے رہنے والے اور شاہ نصیر کے شاگرد رشید ہیں، محافل مشاعرہ میں میں نے ان کا کلام سنا ہے، استاد کے پیرو ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یہ غل ہے کہ وحشی نے ترے پاؤں نکالے
پھر دست جنوں سلسلہ جنباں نہ ہوا ہو

۵۵۵۔ مشتاق تخلص

عبداللہ خاں، المشہور مشتاق علی خان، ایرانی النسل ہیں، پایہ تخت کے شعراء کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں، جفر اور رمل کچھ جانتے ہیں، موسیقی کا بہت شوق ہے، خط زیبا اور خط دالآویز اچھا لکھتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کی ایک نگاہ یاس جو مژگان یار پر
سو برچھیاں لگیں دل امیدوار پر
جی بند ہو نکل بھی گیا تو کھلی رہی تو
اے چشم آفرین ہے ترے انتظار پر
مٹنے ہے دمبدم یہاں وصل کی تدبیر کا نقشہ
دکھائی دے ہے بیڈھب کچھ ہمیں تقدیر کا نقشہ
دم مرگ مت پوچھ لکنت کا باعث
زباں پر گرہ گفتگو تھی کسی کی

کبھی اشک بھر آئے تو پی گئے ہم
کہ مدِ نظر آبرو تھی کسی کی
رنگ کیوں سبز ہے چہرہ کا ترے اے مشتاق
کس نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے
اپنی ہم بندگی پہ بھولے تھے
پھر جو دیکھا وہاں خدائی ہے

۵۵۶۔ مشتاق تخلّص

حافظ تاج الدّین، نابینا میرٹھ کے رہنے والے ہیں، ان کی آنکھیں نور بصر سے عاری ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کوہکن و پرویز کو قصّہ اپنا اپنا سنانے دو
ہے یہ وہی افسانہ شیریں ایک پری دیوانے دو

۵۵۷۔ مشتاق تخلّص

محمد واصل، بدایوں کے ایک شاعر ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہمارے کام پہ ہر چند آسمان پھرے
تجھے قسم ہے جو تو اس طرف کو آن پھرے

۵۵۸۔ مشہور تخلّص

بریلی کے کائستھوں میں سے ہیں، حالانکہ تخلّص مشہور ہے مگر حال معلوم نہیں نمونۂ کلام یہ ہے:۔

خوشی سے کیوں نہ اے مشہور بغلیں بجائیں ہم
ملے گا یار ہم سے آج پھر با نہ و بھپٹر گئے ہیں

۵۵۹ - مصدر تخلّص

میر ماشاء اللہ خان، میر انشاء اللہ خاں کے والد ہیں، قاعدہ یہ ہے کہ باپ کے نام سے بیٹا مشہور ہوتا ہے، مگر کبھی کبھی اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے (یعنی یہ اپنے بیٹے کی وجہ سے مشہور ہیں) طب میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے ہیں اور کبھی کبھی فکر سخن بھی کرتے ہیں نمونہ کلام یہ ہے:-

کافر ہو سوا تیرے کرے چاہ کسو کی
صورت نہ دکھاوے مجھے اللہ کسو کی

۵۶۰ - مصحفیؔ تخلّص

نام غلام ہمدانی قصبہ امروہہ مضافات مراد آباد کے اصلی باشندے ہیں، عالم جوانی میں جہان آباد آئے اور یہیں سکونت پذیر ہوئے، آخر میں لکھنؤ چلے گئے اور مرتے دم تک وہیں رہے، ان کی وفات کو آج دس سال ہو گئے، بڑی عمر پائی تھی، ان کی ابتدا عہد سوداؔ کی انتہا تھی، جراءتؔ اور انشاءؔ کے ساتھ مشاعرات اور مطارحات کرتے تھے چھ دیوان اور ایک تذکرہ ریختہ میں اور ایک دیوان اور ایک تذکرہ فارسی میں تصنیف کیا، اس سے ان کی قوت مشق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، بلاد مشرق (پورب) میں بہت مسلّم اور استادی کا جھنڈا بلند کئے ہوئے تھے، اور اس خطّے کے اکثر شاعروں نے ان سے اکتساب فن کیا تھا، ہر چند کہ جیسے بسیار گویوں کے طریقہ کا تقاضا ہے، ان کا اکثر کلام پست اور خالی از لطف ہے، لیکن ان کے چیدہ اشعار مرتبہ میں اعلیٰ و ارفع ہیں جیسا کہ ان اشعار سے جو کہ دیوان میں راقم کو پسند آئے ہیں، ظاہر ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

میں اسی رشک سے مرتا ہوں کہ کل غیر نے ہائے
ہاتھ ہنگام قسم کیوں ترے سر پہ رکھا

کی تک ایک اب دم شمشیر قاتل نے کمی
ورنہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا
درد و غم کو ہی نصیبہ شرط
یہ بھی قسمت سوا نہیں ملتا
کہتے ہو ایک آدھ کی ہے میرے ہاتھ موت
ہم بھی سمجھتے ہیں یہ سناتے ہو ہم کو کیا
تھا اگر روز قیامت تو بھی ہم شاداں رہے
وہ جو ایک دن اس کے ملنے کا مقرر ہو گیا
اے مصحفی بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت
دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا
شوخی تو دیکھو تیر کو سینہ سے کھینچ کر
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا
نامہ کے میرے پرزے لا ڈالے میرے آگے
نامہ کا میرے قاصد یہ کیا جواب لایا
مرض عشق سے گر اب کے سنبھل جاؤں گا
تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا
مجھ کو قاصد کے تغافل نے تو مارا ہی ہے
روز ظالم یہی کہتا ہے کہ کل جاؤں گا
اڑتے اڑتے اس کے کوچہ میں جو جا نکلے کہیں
حاملوں نے دوش سے تخت سلیمان رکھ دیا
چاک ہو جائیں گے لاکھوں ہی گریباں ظالم
چاک پر ویسے نہ یوں ہاتھ دکھانا اپنا

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا
دامن ترا بنے گا گریبان عاشقان
گر یونہی ٹھوکریں دم رفتار کھائے گا
مت میرے رنگ زرد کا چرچا کرو کہ یہاں
رنگ ایک سا ہمیشہ کسی کا نہیں رہا
میں حسرتیں لئے ازبس جہاں سے جاتا تھا
جنازہ دوش پہ یاروں کے تھا گراں میرا
صیاد کی گلی ہے وہ کوچہ کہ جس میں
سر خاک پر پڑا ہے اکثر کبوتروں کا
فصل گل فصل خزاں دونوں گئیں اے صیاد
مرغ دل کونسے موسم میں رہا ہو ویگا
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا
عشوہ و ناز و ادا اس کے یہی کہتے ہیں
لے سکے کون یہاں نام شکیبائی کا
چین سے کیونکہ میں سوؤں کہ شب ہجر مجھے
یاد آتا ہے وہ راتوں کا جگانا تیرا
کیا یار کے دامن کی خبر پوچھو ہو ہم سے
یہاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا
تلوار کو کھینچ ہنس پڑے واہ
ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا؛

ترے کُو میں اس بہانے مجھے دن کو رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

آنے کی تیری کہہ کے مرا دل تو خوش ہوا
قاصد نے گو کہ اپنی طرف سے بنائی بات

گلی کو یار کی سمجھے ہے اپنا وہ کعبہ
یہ مصحفی سے نہ پوچھو کدھر ہے سجدہ درست

تھا آپ ہی دیوان مرا نامۂ اعمال
کاہے کو فرشتوں نے لکھا نامۂ اعمال

چھیڑ مت ہر دم نہ آئینہ دکھا
اپنی صورت سے خفا بیٹھے ہیں ہم

سننے پائے نہ دہن اس کے سے دشنام تمام
جنبش لب ہی میں اپنا تو ہوا کام تمام

آنے دو اسے جس کے لئے چاک کیا ہے
ناصح سے گریباں کو سلانے کے نہیں ہم

جب تک کہ نہ چھڑکے گا گلاب آپ وہ آ کر
اس غش سے کبھی ہوش میں آنے کے نہیں ہم

ہر دم کو سمجھتے ہیں دم بازپسیں ہم
غافل تو ہوا ہم سے ذرا بھی تو نہیں ہم

پھٹ چکا جب سے گریباں تب سے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

وہی دشت اور وہی گریباں چاک
جب تلک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں

تو آئے نہ آئے ولے ہم تو ہر شب
تری راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں
ہائے وہ دل کہ جسے میں نے بغل میں پالا
اب اسے یوں ہدف ناوک مژگان دیکھوں
فلک گر ہنستا ہے مجھ پر کسی کو تو
میں ہنس کر فلک کی طرف دیکھتا ہوں
بھلا تو ساتھ تو چلتا مرے جنازہ کے
نہ آئی موت بھی روز وصال میرے تئیں
کھانے نہیں دیتے ہیں مجھے خون جگر بھی
نالے تو مرے حلق کے دربان ہوئے ہیں
وہ سنے یا نہ سنے اس کو ہم اپنا احوال
پس دیوار کھڑے ہو کے سنا جاتے ہیں
چوکھٹ پہ جن کی میں نے رو رو کے رات کاٹی
سنتا ہوں صبح گیا وہ مہماں کسی کے گھر ہیں
کوچہ سے نکل کر ترے میں نالہ کروں گا
معلوم ہوا اب مجھے تاثیر نہیں یہاں
ہیں میں وہ تلخ کام کہ روز وصال بھی
آئے جو لب پہ خندہ مرے زہر خند ہو
اپنا بھی جی سے جانا اب ہو چکا مسلّم
ہم رہ سکیں ہیں کوئی جب تم چلے سفر کو
اپنے مژگان رخنہ گر کو دیکھ تو
آن کر پھر مرے جگر کو دیکھ تو

زلف کا بوجھ دے کمر یہ نہ جان
زلف کو دیکھ اور کمر کو دیکھ ٹو
تھی شب وصل کھل گئی جو ہیں آنکھ
رنگ فق ہو گیا سحر کو دیکھ
کم ہوئی تری یہاں تک تو شہرۂ آفاق
کہ سر کے بال ترے دیکھنے کمر کو چلے
کنج قفس میں ہم تو رہے مصحفی اسیر
فصل بہار باغ میں دھوم مچا گئی
ہم نذر تیغ یار کریں اس کو مصحفی
گریہ کے ہاتھ سے جو بدن میں لہو رہے
جور فلک سے ہم نہ کبھی سر اٹھا سکے
جوں شمع زیر تیغ یہاں عمر کٹ گئی
مصحفی یار ہیں اس وقت کے سب عرش بلند
بدنہ تھا ہم بھی تخلص جو مزاری رکھتے
نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے نہ خواب آتا ہے
رات کیا آتی ہے ایک مجھ پہ عذاب آتا ہے
ہیں ترے واسطے سر پٹکوں ہوں دیواروں سے
جین کس طرح تجھے خانہ خراب آتا ہے
یار کا صبح تک ہے وعدۂ وصل
ایک شب اور بھی جیتے ہے رہے
او دامن اٹھا کے جانے والے
ٹک ہم کو بھی خاک سے اٹھا لے

تو دیکھے تو ایک نظر بہت ہے
الفت تری اس قدر بہت ہے
آتا ہے جی میں رو کے ڈبو دوں اسے بھی سب
یہ تھوڑی سی جو پانی کے باہر زمین ہے
ازبس دوچند شوق رہا مجھ کو نامہ بر
آیا جو وہاں سے ایک تو پھر یہاں سے دو گئے
ہائے کعبہ سے پھر اب تک نہ ہرگز مصحفی
اس کو وہاں کیا جانے کس بت سے محبت ہوگئی
تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالیں پر
وہ مر بھی جائے تو آنکھیں کبھی نہ بند کرے
تیری تصویر کو لے کر شیریں
اپنی چھاتی سے لگا رکھتی ہے
دل کے دھڑکوں کا یہ عالم ہے کہ بے منت دست
پرزہ ہو ہو کے گریبان اڑا جاتا ہے
یہ شب ہجر میں اٹھ اٹھ کے قلق کے مارے
دل کو دیتا ہوں تسلی کہ سحر ہوتی ہے
مہندی کو اپنی دیکھ کے کہنے لگا وہ شوخ
ہے ہے کسی کا خون ہوا میرے ہاتھ سے
وعدۂ قتل سے رکھتا ہوں دل اپنے کو میں شاد
کہ اسی وعدہ میں ایک وعدۂ دیدار بھی ہے
پیری میں بھی ہم الفت طفلاں سے نہ چھوٹے
لکھ پڑھ بھی چکے قید دبستان سے نہ چھوٹے

وہ جی میں یہ نازاں کہ مرا رعب تو دیکھو
میں خوش کہ خیال نگہ دور کیے ہے
صبح کی شام ہوئی شام کی پھر رات ہوئی
یہی وعدے ہیں تو کب اس سے ملاقات ہوتی
مجھ کو پامال کر گیا ہے ابھی
یہ جو دامن اٹھائے جاتا ہے
کس کی مژگاں نے یہ کیا جادو
میرے دل میں گڑی جو کیل سی ہے
اس کو صحبت کا گر دماغ نہیں
طبع اپنی بھی کچھ علیل سی ہے
رشک ہے حال زلیخا پہ کہ ہم سے کمبخت
خواب میں بھی نہ کبھی وصل سے مسرور ہوئے
ہرگز در اس کا وا نہ ہوا ہم سے سیکڑوں
سر کو پٹک پٹک پس دیوار مر گئے
غم کھاتا ہوں جتنا مری نیت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی
جب سارے سے حرن میں ترے تیر کے بھرتے
تب زخم سے نیت ترے خنجر کی بھرتے

۵۶۱۔ مضمون تخلص

میر اور مرزا کے ہم عصر ہیں، مزید حال معلوم نہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مے سے اس بن کون ہے خوش واہ یہ بیہودہ نہ ہو
کس کو ہے خواہش معاذ اللہ یہ بیہودہ نہ ہو

۵۶۲۔ مضمون تخلّص

نام شرف الدین، شیخ فرید شکر گنج (اللہ ان کے مزار کو منور کرے) کی اولاد سے ہیں اور قصبہ جاج مئو متعلقات اکبر آباد کے رہنے والے ہیں، ایک مرتبہ جہاں آباد تشریف لائے تھے، خان آرزو کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ایہام گوئی کے شائق ہیں، جو اہل زبان کا طریقہ تھا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا
صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

نیر مژگاں برستے ہیں مجھ پر
آب بیکاں کا اس طرف ہے ڈھال

ہمارا اشک قاصد کی طرح ہرگز نہیں تھمتا
دلِ بیتاب کا شاید لئے مکتوب جاتا ہے

۵۶۳۔ مضطر تخلّص

کنور سین، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، بارہ سال سے تحصیل ڈبائی میں رہتے ہیں جو بلند شہر کے متعلقات میں سے ہے۔ فقیر (راقم) سے بارہا ملاقی ہوتے، ان کو شعر گوئی کا شوق بیحد ہے بہت منکسر المزاج ہیں، ایک قصیدہ واقعہ کربلا پر لکھا تھا جس کے دو تین شعر مجھ کو پڑھ کر سنائے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ مضامین معقول ہیں، اپنے کو مصحفی کے شاگردوں میں تبلاتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

خلل انداز وفا کون سا غماز ہوا
کہ جواب خط مضطر قلم انداز ہوا
سوز جگر کو دیدۂ پرنم کو دیکھئے
ان آفتوں کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے
اگلی سے بیقراری ہے تو ہم نے
دل مضطر مقدر رات کاٹی تو

۵۶۴۔ مضطر تخلص

نام مرزا سنگین، ایک ذہین اور ملنسار انسان ہیں، راقم سے آشنائی ہے، جب زمین شعر میں تخم ریزی کی تھی اس کے پھل یہ ہیں:۔

کیا کیا دست جنوں یہ تیری بے جانی نے
میں تو خوش تھا کہ کفن میں بھی گریباں ہوگا
تھا خود وہ تڑپنے سے خجالت زدہ ہم تو
مضطر کے کبھی خون کا دعویٰ نہ کریں گے

۵۶۵۔ مضطر تخلص

درگا پرشاد لکھنو کے کائستھوں میں سے ہیں، ان کو محمد عیسیٰ تنہا سے حق تلمذ ہے نمونہ کلام یہ ہے:۔

ترے وعدوں پر اب ہے دم شماری
بہت اختر شماری کر چکے ہم

۵۶۶۔ مضطرب تخلص

محمد حاجی، قاضی رحمت اللہ خان کے صاحبزادے ہیں، جو دہلی کے قاضی القضاۃ تھے

ممنون کے شاگردوں میں سے ہیں، سردست شاعری نہیں کرتے، اچھے آدمی ہیں، والد کے انتقال کے بعد قضا کی خدمات ان سے متعلق ہوئیں کبھی کبھی ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، نمونہ کلام یہ ہے:-

کٹتی کسی طرح سے نہیں یہ شب فراق
شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں

۵۶۷۔ مظہرؔ تخلص

مرزا جان جاناں، عالی نسب ہیں، ان کے بزرگ ارباب منصب گذرے ہیں، ان کے والد نے عالمگیر بادشاہ سے کسی باعث ناراض ہوکر ترک منصب کردیا تھا، مرزا صاحب کی نشو ونما اکبر آباد میں ہوئی، آخر میں جہان آباد میں سکونت اختیار کی، باطنی فیض سید نور محمد بدایونی نقشبندی مجددی سے حاصل کیا، حسن فطرت اور پاکیزگی اصل کے باعث علائق دنیا کی طرف کبھی رخ نہیں کیا، عالم شباب سے شیخ کے طالب رہے اور تصفیۂ نفس کی طرف مائل اور ریاضت میں مصروف رہے، شاہ غلام علی جو دہلی کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں، ان کے مریدوں میں سے ہیں اور تمام فضائل کے ہوتے ہوئے بھی مجسم درد اور نرم دل تھے، ہنگامۂ عاشقی گرم رکھتے تھے، اگر تھوڑا سا ان کی طبیعت کی نزاکت اور نفاست کا حال لکھا جائے تو ایک دفتر چاہئے، جو ان کے وفور شہرت کی بناء پر محتاج بیان نہیں، قصہ مختصر یہ کہ زبان فارسی میں بہت زیادہ فکر سخن کرتے تھے، ہر چند اہل سخن ان کی زبان پر حرف گیر ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس خیالات نہایت پسندیدہ اور مقبول ہیں، ایک مختصر سا دیوان مرتب کیا، جو خریطۂ جواہر کے نام سے موسوم ہے، جس کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انتخاب میں بھی ایک شائستہ سلیقہ رکھتے تھے، ان کا انتخاب دیگر ارباب تذکرہ کی طرح نہیں ہے جو رطب و یابس میں فرق اور تمیز نہیں کرتے ہیں، کسی زمانہ میں

اردو میں بھی اشعار کہتے تھے، ماہ محرم ۱۱۹۲ھ میں کسی متعصب، بے باک، بیدرد اور سفاک انسان نے ان کو شہید کر دیا، ہاں البتہ انہوں نے اپنا خون قاتل کو بخش دیا، میر قمر الدین منت نے "عاش حمید امات شہیدا" ان کی تاریخ وفات کہی، یہ اشعار ان کے خیالات کا نتیجہ ہیں :۔

لوگ کہتے ہیں مرا مظہر بیکس افسوس
کیا ہوا اس کو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا
ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہیں اور مفت جاتی ہے بہار
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

۵۶۸۔ مظفرؔ تخلص

سید مظفر علی خاں، سید قلندر علی خاں بہادر کے صاحبزادے اور ممنون کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

تجھکو ہی پوچھتا تھا کل نزع میں مظفر
آیا بہت ہی رونا ہم کو جو تو نہ آیا

۵۶۹۔ معقولؔ تخلص

مجہول الحال ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

رقیبوں پر غضب ڈر ہم گئے ہیں
ہوا زخمی کوئی مر ہم گئے ہیں

۵۷۰۔ معنیٰ تخلّص

نام محمد امین، پورب کے رہنے والے ہیں، کول میں ان کا انتقال ہوا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سرمہ منظور نظر ٹھہرا ہے چشم یار کو
نیلا گنڈا ہی پہنایا مردم بیمار کو

۵۷۱۔ معین تخلّص

معین الدین خان، رفیع سودا کے شاگردوں میں سے ہیں، الہ آباد میں رہتے تھے نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہوں میں وہ دوانا کہ بہار آنے سے پہلے
زنجیر میں رکھتے ہیں معیّن مجھ کو جکڑ کر

۵۷۲۔ معروف تخلّص

نام الٰہی بخش خان، فخر الدولہ نواب احمد بخش بہادر کے چھوٹے بھائی ہیں جو مرزا عارف جان برادر شرف الدولہ قاسم جان کے چھوٹے بیٹے تھے، ذوالفقار الدولہ نواب نجف جان بہادر (اللہ سب کی مغفرت کرے) کے زمانہ کے سربرآوردہ لوگوں میں تھے، فقیروں کی صحبت کے فیضان سے حلقۂ فقیری میں آ گئے، ترک دنیا کیا شعر و شاعری سے بہت زیادہ چاہت تھی، ۱۲۴۲ھ میں اس دنیائے فانی سے دنیائے باقی کا رخ کیا، دو دیوان کے مصنّف ہیں، ان کے اکثر خیالات رنگین اور مضامین دل نشین ہیں، یہ اشعار ان کے دیوان اول سے انتخاب کئے گئے:۔

اور تو باتیں بری چھوٹ گئیں سب جیتے جی
آنکھ مندی پر نہ چھوٹا ایک مگر دیکھنا

کی وصیت یہ کچھ ارمان بھری آہ کہ رات
سارے گھر کو تیرے بیمار نے سونے نہ دیا
غیر روتے ہیں مری حالت پہ وہ تو یار تھا
دیکھ کر مصتانہ آیا مرے گھر اچھا ہوا
آہ وہ کون تھا خدا مارا
جس نے اس سے مجھے لگا مارا
اس حوصلہ زلف پریشان کا ہوں عاشق
عشاق کا دل حال پریشان میں رکھنا
تھا شب وعدہ یہ احوال ہر ایک کھٹکے پر
چونک پڑتا تھا کہ اب کے تو مقدر آیا
چشم تر سے گرچہ آخر گان پہ پانی پھر گیا
اسپہ بھی تو نوح کے طوفان پہ پانی پھر گیا
کر دیا تھا اس کے حسن حیرت افزا نے یہ رنگ
بزم میں تصویر گویا میری جا تھی میں نہ تھا
کہتا ہے جب وہ ہنسکر ہے گریہ اختیاری
آتا ہے اور مجھ کو بے اختیار رونا
ہم سے کیا جان کہ یوں جان فرشتے لیجائیں
جب تلک بن کے نہ آئیں وہ اسی کی صورت
باغ ہستی میں کھلا گل یہ نیا میرے بعد
غیر سے وہ مرے پھولوں میں ملا میرے بعد
سلیقہ پیرداغ کی دولت لٹے جائیں گے ساتھ
مثل قاروں کچھ نہیں جائیں گے ہم یہاں چھوڑ کر

بچے کیا طائر دل ایسے صیاد ستمگر سے
جو ادنیٰ صید کی خاطر بچھاتے دام سو سو کوس

کعبہ میں مے پیا کئے ہیں یار
مسجد و خانقاہ ایک طرف

بات کا اپنی وہاں نباہ نہیں
دوستی کا نباہ ایک طرف

اس کے جلنے کی اگر کچھ بھی خبر رکھتے ہم
ایسے دیوانے نہ تھے گھر میں جو در رکھتے ہم

اٹھے جہان سے ہم آتے ہی ان کے اے معروف
غرض کہ ختم ہے بس اس سے اب سوا تعظیم

کہا جو میں نے کہ اس ناتواں کا سنئے حال
کہا کہ حال سنا دے وہ ناتوان نہیں

سو گئے جو اس کی ہم دیوار کے سایہ تلے
ہم کو اس تقصیر پر اس نے بٹھا یا دھوپ میں

وضو کو مانگ کے پانی خجل نہ کر معروف
یہ مفلسی ہے تیمم کو گھر میں خاک نہیں

نہ تو سوجھے ہے نہ انکار کیا جاتا ہے
رگ جاں ہے کہ کمر کچھ ہمیں معلوم نہیں

کہے ہے مجھ سے کوئی تجھ کو یاد آتا ہے
کروں ذرا جو نہ اس بد گمان سے باتیں

یہ اوج خاک نشینی میں عشق نے بخشا
کرے ہے آہ مری آسمان سے باتیں

ڈبو دیا مجھے اس چشم تر کو کیا کو سوں
جلا دیا مجھے سوز جگر کو کیا کو سوں
دیا ہے اپنے سے ظالم کو اس نے دل معروف
اب اور اس بت بیداد گر کو کیا کو سوں
آپ جس وقت رقیبوں کی قسم کھاتے ہیں
ہم رقیبوں کے لضیبوں کی قسم کھاتے ہیں
اپنی آنکھیں باندھ تا آئے نہ تجھ کو مجھ پہ رحم
میری آنکھیں کس لئے باندھے ہے اے جلاد تو
مے کے پینے سے تو ہر چند نباہی توبہ
پر مغان سے یہ خجل ہوں کہ الٰہی توبہ
کیسی بے رحمی خار نے اس کے جی میں ڈالدی
بات رونے کی مرے سن کر ہنسی میں ڈالدی
دیکھکر رفتار اس خوش قد کی کہتی ہے نسیم
جان یہ کس نے تن سرو سہی میں ڈالدی
جواب خط نہیں دیتا نہ دے جواب تو دے
کہ قاصد آکے جو کچھ دے خبر شتاب تو دے
درد سر ہے ہوکے صندل لگانے کا دماغ
اس کا ایک گھسنا لگانا درد سر یہ بھی تو ہے
کچھ تو سمجھ لیا ہے جو اس کو دیا ہے دل
کیوں ناصحا عبث ہمیں سمجھائے جائے ہے
تو ایک مجھ سے کاش وفا کر کہ بعد ازیں
مقدور کیا جو کوئی تجھے بے وفا کہے

لاغر ہوں یہ کہ سب اسے باریک بیں کہیں
گر میرے دست و پا کو کوئی دست و پا کہے

دیکھی جو سب نے شدت و حال بھی میری بکا کی
کیا کیا ہنسی ہوئی ہے در دیوار قہقہا کی

عمر آخر ہو چکی قاتل نہیں ملتا کوئی
کاٹ ڈالوں جی میں ہے اپنا گلا تلوار سے

واں زخم جگر پہ بھی ترحم نہیں کرتے
کیا فائدہ پھاڑا ہے گریبان کسی نے

صید شاہین کی طرح ہوں میں اسیر الفت
ذبح کرتا ہے مجھے جو کہ چھڑاتا ہے مجھے

کس سے فریاد یہ میں جا کے کروں مثل سپند
خوبرو جو ہے جہاں میں سو جلاتا ہے مجھے

گریہ آہ و فغاں سے ایک دم فرصت نہیں
ہم سمجھتے تھے محبت کام بیکاروں کا ہے

ہائے اس شوخ کا یوں روٹھ کے جانا معروف
اور یہ کہنا کہ ہمیں اب نہ منائے کوئی

میرے مرنے سے موئی اس پر خلق
میں نہ مرتا تو نہ مرتا کوئی

ہم تو جھوٹے ہیں محبت میں مگر
امتحاں بھی نہیں کرتا کوئی

خرق عادت اپنے دیوانہ کی دیکھ
جس طرف کو وہ چلے پتھر چلے

بعد مرنے کے ملی میری سیہ بختی کی داد
نعش کے ہمراہ تھا وہ موتے سر کھولے ہوئے
دم بدم پاؤں سے تو ہم کو نہ ٹھکرا چل جبا
خیر ہم دیکھ چکے فندق پا اچھی ہے
کس کی چشم ستمگیں نے بے اجل مارا مجھے
سر پہ میرے جو قضا آئی تو شرماتی ہوئی
معروف اہتو دیکھتے ہو تم ہمیں غریب
ٹک منہ لگائیے یار تو پھر ہم کو دیکھئے
دور جو بزم میں وہ آن کے بیٹھے ہم سے
کیا ہی پچتائیے کہ آگے سے وہیں کیوں نہ ہوئے
روٹھنے کو تو چلے روٹھ کے ہم وہاں سے ولے
مڑ کے تکتے تھے کہ اب کوئی منا کر لیجائیے
ناتواں مجھ سے کو کس طرح کرے قاتل دو
ہوں میں وہ جزو کہ جو لا یتجزی ہووے
اس بڑھاپے میں ابھی کم ہو ویں گے لہری ہم سے
سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہم سے

۵۷۳۔ مغل تخلص

مغل علی، محمد عسکری کشمیری کے صاحبزادے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :۔

خورشید جو نکلا ہے اس وقت یہ لرزاں ہو
کوٹھے پہ کھڑا شاید وہ ماہ لقا ہو گا

۵۷۴۔ مغموم تخلص

میر مثیب علی، حکیم عزت اللہ عشق کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

خیال چشم میگوں میں قدم مستانہ رکھتے ہیں
دوانے ہلیں ہمارا نام جو دیوانہ رکھتے ہیں

۵۷۵۔ مفتون تخلص

مرزا کریم بخش، گورگانی خاندان سے متعلق ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مفتون خمار بادۂ شب ہو تو پھر پیو
ایک جام جا کے ساقی پیماں شکن کے پاس

۵۷۶۔ مفلس تخلص

نام محب علی، ان کا حال تخلص سے ظاہر ہے، رام پور میں عطر فروشی کر کے روزی کماتے تھے، نمونہ یہ ہے:۔

آؤں تو لاکھ بار پہ دربان ترے کہیں
مفلس مجھے سمجھ کے نہ بے آبرو کریں

۵۷۷۔ مقبول تخلص

مقبول نبی، انعام اللہ یقین کے صاحبزادے ہیں اور اس فردوس نظیر شہر کے رہنے والے ہیں، ثناء اللہ فراق کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دل گرفتاری کو اس زلف کی کب چاہے تھا
عشق نے ڈالی ہے یہ پاؤں میں زنجیر بزور

۵۷۸۔ مقتولؔ تخلّص

ابراہیم بیگ، اصفہانی النسل ہیں، جائے پیدائش جہان آباد ہے، غلام ہمدانی مصحفیؔ سے فن شاعری سیکھا تھا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

میں یہاں خون رویا ہوں ہاتھوں سے ان کے
جو پاؤں میں اس کے حنا باندھتے ہیں

۵۷۹۔ مقصودؔ تخلّص

لکھنؤ کے بازاری لوگوں میں سے ہیں، ان کی خرافات، بکواس لائق نہیں ہے کہ ان اوراق میں مذکور ہو، مگر چونکہ لکھتے ہیں اس لئے لکھ دی گئی ہے:۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہو کیوں مشفق من
بوسہ وہ شے ہے کہ دونوں کو مزا دیتا ہے

۵۸۰۔ ملالؔ تخلّص

لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

موت آئی نہ سرِ شام جدائی مجھ کو
سخت جانی نے عجب رات دکھائی مجھ کو

۵۸۱۔ ملولؔ تخلّص

شاہ شرف الدین درویشوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تری جدائی نے یہاں تک ہمیں ملولؔ کیا
کہ زندگی کے عوض مرگ کو قبول کیا

۵۸۲۔ ممکو تخلص

مولف کو ان کے حال سے آگاہی نہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سرو ساقد گل سا چہرہ جب دکھایا آپ نے
قمری و بلبل کو آپس میں لڑایا آپ نے
مصحفِ رخسار پر رکھتی قدم ہے بار بار
زلف کافر کو عبث سر پر چڑھایا آپ نے

۵۸۳۔ ممتاز تخلص

فیض آباد کے رہنے والے اور سودا کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہمارے رونے سے دل کا بخار اٹھتا ہے
کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہے

۵۸۴۔ ممنون تخلص

میر امانت علی، عظیم آباد کے رہنے والے ہیں حصول علم کے لئے دہلی رہتے تھے مجالس مشاعرہ میں شرکت کرتے تھے اور میر فرزند علی کے شاگردوں میں سے تھے نمونہ کلام یہ ہے:۔

اے وائے کہ تیرے لئے اس خاک نشین کو
جوں باد لئے پھرتی ہے گھر گھر تپش دل

۵۸۵۔ ممنون تخلص

نظام الدین برگزیدہ خاندان سادات سے اور قمر الدین منت کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، وطن قصبہ سونی پت ہے جو دار الخلافہ شاہ جہاں آباد کے مضافات

میں ہے، اسی مبارک شہر شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوئے، فنون کا حصول اپنے والد بزرگوار سے کیا، ایک مدت تک لکھنؤ میں بسر کی، حضور والا کے پایہ تخت کے شعراء کے زمرہ میں بہت مدت تک ممتاز رہے اور پیشگاہ خلافت سے فخر الشعراء کا لقب پایا، اب کچھ عرصہ سے کوہستان اجمیر میں رہتے ہیں، ان کا اسلوب بیان نہایت دلچسپ اور دلنشین ہے، ان کے کلام کی ملاحت نہایت شیریں ہے، اپنے مضمون بندی میں بے نظیر ہیں اور فکر صحیح کے مالک، ان کی قوت نظم اکثر اصناف سخن پر محیط، ان کا دیوان ملاحظہ سے گزرا اور یہ اشعار انتخاب کئے گئے:۔

برا مانئے مت مکرر دیکھنے سے
تمہیں حق نے ایسا بنایا تو دیکھا

اڑے سو شور محشر گرد ہو یہاں ایک جنبش ہیں
کیا تو نے غبار اے چرخ ہم کو کس کے داماں کا

قربان ناز نعش مری دیکھ کر کہا
گردن پہ کس کے خون ہے اس بے گناہ کا

ہاتھ میں جنبش محمل کی عنان ہے اپنے
ورنہ یہاں کس کو سر آبلہ فرسائی تھا

غموں کی گرہی بالیدگی ہے تو آخر
دل گرفتہ نہیں سینہ میں سمانے کا

صبح تک کیا کیا نہ مجھ کو تھیں سماجت ہائے شوق
رات رکھ کر روبرو صفحہ تری تصویر کا

لے لیا بوسہ تو اس نے دیں نہ کیا کیا گالیاں
یہاں گنہ سے بھی زیادہ ہے مزا تعذیر کا

بیتابی دل تیرے شہیدوں کی کہاں جائے
کچھ کم رگ بسمل سے نہیں تار کفن کا
رواں ہے خوں چپ و راست دونوں آنکھوں سے
جگر کا فکر جدا سوچ ہے جدا دل کا
بخدا بندے کا وہ ہی خط آزادی ہے
نامہ اغیار کو گر اب کے رقم کیجئے گا
بدگمانی نے ڈرا ورنہ لیا تیرا جو نام
دیکھنا بوسے کی خاطر میں لب دلالہ تھا
ممنون قضا نے ہم کو دیا کیا بغیر دل
سو وہ بھی نذر کاہش و تشویش ہو گیا
کس نے ترے سینہ سے ملی دیدۂ تر رات
پژمردہ جو پھولوں کا سحر ہار نہ پایا
کیا سینۂ فرہاد نہ تھا تیشۂ فولاد کو
یوں نقش جو شیریں کا سر سنگ نہ کھینچا
کس قدر شرح گرانباری غم لکھی تھی
کہ مرے نامہ نے بازوئے کبوتر توڑا
ہائے رے بیکسی دامن و بے یاری جیب
کہ مرا دست جنوں بستہ زنجیر رہا
لڑتی تھی بہم آنکھ ہوا سیر میں دل مفت
سمجھا تھا لڑائی کو یہ نادان تماشا
یہ سانس سے میلا ہو وہ آہ سے نہ ہو نرم
تن آئینہ ہے دل ہے مری جان کا لوہا

ہیں رواں ناقہ کے دنبال ہزاروں بیتاب
دیکھیو پردہ محمل نہ اٹھانا اپنا
کچھ چاندنی سی ہے درو دیوار پر مگر
ہمساں قریب خانہ کوئی ماہرو ہوا
تصور شب ترا تا صبح کس کس طرح یہاں باندھا
کبھی کھولی قبا گہہ طرۂ عنبر فشان باندھا
ہاتھ سے تیرے یہ احوال ہے دلبر اپنا
دل نہیں ہاتھ میں اور ہاتھ ہے دلبر اپنا
اے فوج چاک اب سر تاراج کس لئے
تختہ تباہ تو مرے داماں کا ہو چکا
شغل شب فراق یہی تھا کہ دھیان میں
ایک ایک شکن گنا تری زلف دراز کا
دل میں جو جو ہے نکالیں وہ ذرا بول کے خوب
آج اس شوخ سے لڑ لیجئے دل کھول کے خوب
یوں کریں چارۂ بیماری اغیار وہ لب
یہ مرے درد کی ہوتی ہے دوا یا قسمت
آمد سے تیری ہم پہ جو ہونی تھی سو ہو لی
اب دغدغہ حشر نہ پروائے قیامت
نہیں دیتی دکھائی صورت زیست
غضب صورت ہوں آیا دیکھکر آج
ہیں نثار اس شوخ کے اپنی بلائیں آپ لیں
آئینہ میں زلف چھوٹی اپنے منہ پر دیکھ کر

یہ نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائیگا
ہم یہ سمجھے تھے چلے آئیں گے دم بھر دیکھ کر
توسن نازہ کو یوں رخصت جولاں کب تک
کیا ترے زعم میں باقی ہے مری خاک ہنوز
خط پارہ پارہ کر کے دیا پھیر دیکھ لطف
میرے جواب خط میں ہیں بھیجے ہزار خط
شاید کہ جائے طول سے وہاں خود بخود پہنچ
تحریر کیجئے جو بصد اختصار خط
قائل ہی وہ نہ ہووے جو ممنون کی نعش پر
کہتا تھا ایک جوان بہت بار بار حیف
خط نہیں جاچکا کہ گھبرایا
پھر رہا ہوں جو آپ کا مشتاق
یوں تو وہ ہے فرشتہ خو لیکن
ہے ذرا آدمی کشی کا شوق
مدت ہوئی کہ غرفے سے جھمکے تھے وہ عذار
کوندے ہے برق سی طرف بام اب تلک
اس مرگ پہ حیات فدا ہے کہ اس نے آج
بدھی کی اپنی خاک پہ میری چھڑائے گل
تپش دل نے نہ چھوڑا کہ کبھی ہم ایک بار
لائیں تسکین کے لئے لب پہ ترا نام تمام
ہیں اس سخن کے تصدق وہ دیکھ آئینہ
یہ تجھ سے پوچھے ہے کیوں کیسے طرحدار ہیں ہم

جلاد کی یہاں جنبش ساعد پہ نظر تھی
کچھ ذبح کی ایذا دم بسمل نہیں معلوم

اس ذوق سے کہتے ہیں حدیث لب شیریں
گویا ترے ہونٹوں ہی سے لیتے ہیں مزا ہم

پوچھیں گے گر آرزوِ دم ذبح ✻ ✻
جلاد ہی کو بتائیں گے ہم ✻ ✻

یہ کہاں نصیب کہ آئے تو یہ خیال اپنے میں ہو بہو
ترا نقشہ کھینچ کے روبرو گا شکوہ دو دو پہر کریں

شب وعدہ چشم ہے راہ پر جو ذرا بھی کھٹکے کسی کا در
تو صدائے پا تری جان کر کہوں اب تلک تجھے کدھر کہاں

کیا کہئے وہاں مزاج تو نازک ہے اور یہاں
قصہ دراز بخت زبون ہے زبان نہیں

ممنون مبادا آتے کہیں ہجر نا گہاں
ناکامیوں سے وصل ہی میں آؤ خو کریں

نہ کسی چشم کا سرمہ ہوں نہ دامن کا غبار
خاک اپنی کو ترے در کے سوا جائے کہاں

درد دل تجھ سے سنا جائے و لیکن ظالم
ہم سے یہ قصہ جاں سوز کہا جائے کہاں

بزم عشرت میں ہنسوں کیا کہ برنگ مینا
بند منہ کرتے ہیں گر خندہ کبھو کرتے ہیں

ترے غم نے یہاں تک کیا بے مزہ
کہ جینا بھی اپنا نہ بھایا ہمیں

ہنستے ہی ہنستے مل گئی بسمل کی آرزو
تھی خوں بہا میں خندۂ قاتل کی آرزو

یوں رشک کبھی کم جو وہاں رنگ حنا ہو
ہاتھ اس نے کسی دیدۂ تر پہ نہ دھرا ہو

اس مرگ پہ سو جان مری صدقہ کہ دم نزع
گھبرا کے کہے تو کہ بس اب دیکھئے کیا ہو

آہ خلوت میں جو تنہا پاؤں تجھکو
جس لئے تجھ کو بنایا ہے دکھاؤں تجھ کو

کہیں جانا ہے تو جا چپکے کہ اگر جان بھی جائے
نہ بلاؤں نہ بلاؤں نہ بلاؤں تجھکو

باؤلا پن ہے تصوّر ہیں ترے ممنوں کو
تو اگر آئے تو ایک سیر دکھاؤں تجھکو

شب ہم کو گشت و خون رہا فوج غم کے ساتھ
سو حسرتیں شہید ہوئیں اپنے دم کے ساتھ

کون آئے ہے کہ سینہ میں بیدار ہو گئیں
صد آرزوئے خفتہ صدائے قدم کے ساتھ

مکتب میں بھی سبق تھا الف لام میم کا
طفلی ہی سے ہوا ہوں میں خوگر الم کے ساتھ

پاؤں ممنوں نے نکالے ہیں بہت دیکھو تو
ہیں بھی اس شہر میں زنجیر بنانے والے

کس بت ہر جائی سے جا کر لگا گر ہاتھ آئے
دل کے سو ٹکڑے کروں اسکی یہی تعذیر ہے

غیر کو دے مئے لعلین مجھے چتون ہیں کہے
تو ذرا رشک سے خون دل بیتاب تو پی
اضطراب دل ذرا فرصت کہ یوں بوسے گئی
پھر لب معشوق سینہ میں کسی کا تیر ہے
دل گرمیان وہ ہم سے کہاں اب کہ آج کل
ہنگامۂ محبت اغیار گرم ہے
مہربانی کے تصدق لگ کے سینہ سے مرے
یوں لگا کہنے کہ ممنوں آرزو کچھ اور ہے
رکھ دیجئے قلق میں دم تیغ پر یہ دل
لیکن خیال بوسہ ابرو نہ کیجئے
مجلس میں تیری اور سے آنکھیں لڑائیے
کچھ پاس جنگ نرگس جادو نہ کیجئے
الجھیں صبا سے شانہ سے یا لپٹیں بار بار
بالوں کا تیرے شکوہ سر مو نہ کیجئے
بس حنا زور آزمائی ہو چکی
دلبروں سے ہاتھا پائی ہو چکی
رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت
صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی
تفاوت قامت یار و قیامت میں ہے کیا ممنون
وہی فتنہ ہے لیکن یہاں ذرا سانچہ میں ڈھلتا ہے
رخصت کیوقت ہوں ترے گریان کہ آدمی
روتا ہے اس گھڑی کہ نہ جس وقت بس چلے

جگر کے دود سے رنگین نشان آہ کئے
دل شہید کے غم میں علم سیاہ کئے
دامن ہی جھٹکنے کا ہو وسواس کئی روز
گا ہے غلطی سے جو مری خاک پہ آئے
ہیں نامہ و پیغام سے گزرا کہیں یارب
کچھ قاصد بیچارہ کی اپنی خبر آئے
اس دست حنائی نے آنسو جو مرے پونچھے
حسرت سے لہو ٹپکا دو چار کی آنکھوں سے
ہوتی ہے پھر اغیار سے صحبت کی درستی
ٹھنے عہد ہی عاشق غمناک سے باندھے
اللہ رے فرط شوق جو ایک دم ہو تو یہاں
بیطاقتی جھکاتے ہے کس کس کا گھر مجھے
کون وہ چاندنی میں عطر لگا کر بیٹھا
آج کچھ چادر مہتاب میں خوشبو سی ہے

۵۸۶۔ منیر تخلص

نام وجیہہ الدین، شاہ نصیر کے بیٹے ہیں، طبع موزون رکھتے ہیں، لیکن بے علمی کے باعث لوازمات شاعری سے نابلد اور ان کا کلام عام سلوک سے ہٹا ہوا ہے عالم جوانی میں داعی اجل کو لبیک کہا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

فرہاد سے کہتی تھی تیشہ کی زباں ہر دم
مغموم نہ ہو نادان سنگ آمد و سخت آمد

اس باغ جہاں میں کبھی پھولے نہ پھلے ہم
چون نخل چنار اپنی ہی آتش میں جلے ہم

بیان جورِ خوباں کل ترا بیمار غم سن کر
یہ کہہ کر مر گیا ایک آہ بھر ایسی نہ ہوتی تھی

خوں کی دھاریں یہ چھٹیں دل سے دل افگاروں کے
رونگٹے سنکے کھڑے ہو گئے فواروں کے

غضب چہرہ پایا ستم آن پائی تو
تجھے پاتے تصویر کیا جان پائی تو

۵۸۷۔ منیرؔ تخلّص

خواجہ آفتاب خان، سعادت یار خان رنگینؔ کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں
شانہ کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

۵۸۸۔ منشیؔ تخلّص

میر محمد حسین، سید ابوالحسن المشہور بہ میر کلّن کے صاحبزادے ہیں جو خوش خطی کے باعث اس شہر میں مشہور تھے، ایران النسل ہیں، ان کے بزرگوں نے اس شہر میں سکونت اختیار کی تھی، یہ بعد میں لکھنؤ چلے گئے اور مرزا شکوہ بہادر کے دربار میں انشاء پردازی کی خدمت پہ مامور ہوئے، یہ مقتضائے صحبت شعر گوئی کرتے تھے اور اسی اعتبار سے اپنا تخلّص منشی قرار دیا، یہ بھی اپنی خوش خطی کے باعث مشہور و معروف ہوئے نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہ پوچھو اس پری کے حسن کا عالم کہ آفت ہے
بلا شوخی غضب رفتار قامت ایک قیامت ہے

۵۸۹۔ منشی تخلص

مول چند کائستھ، نصیر کے شاگردوں میں سے اور دہلی کے رہنے والے ہیں، انہوں نے شاہ ناموں کے قصوں کو ریختہ میں نظم کیا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

چشم ہے قہر بلا زلف قیامت قامت
اس لئے لوگ تمہیں آفت جاں کہتے ہیں
خواہش نہیں کہ ہاتھ مرے سیم و زر لگے
یہ آرزو ہے سینہ سے وہ سیم بر لگے

۵۹۰۔ منتظر تخلص

نور الاسلام، اپنے بزرگوں کی طرح صدق و صلاح کی طرف مائل ہیں، صرف و نحو سے بھی کچھ واقفیت رکھتے ہیں، مصحفی کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہر دم خیال یار جو پیش نظر رہا
ہجراں میں بھی وصال ہمیں بیشتر رہا
کل شب وصل جو کیسی مچائی تھی دھوم
بولتا آج نہیں مرغ سحر آخر شب
ہوئی تھی جان یوسف کی بو گم تو
سو پائی ہے مرے پیراہن کے اندر تو
چاہت مرے دل کی آزما دیکھ تو
ظالم کہیں تو بھی دل لگا دیکھ تو

طرف چمن نہ جا سوئے لالہ زار دیکھ تو
تو آپ باغ حسن سے اپنی بہار دیکھ
دولت حسن ہے جس پاس یہ اس سے ہی سوا
کچھ نہ لے اور نہ دے پر ہمیں نوکر سمجھے
کچھ نہ پایا جب نثار عید قرباں کے لئے
لے چلے ہم جان بکف تب نذر جاناں کیلئے
مارا ہے کوہکن نے سر اپنے پہ تیشہ ہائے
دل کو لگی ہو چوٹ تو کیا آدمی کرے
کیوں سیر لالہ زار کو اس بن گیا میں ہائے
جو تازہ ہو گئے مرے داغ کہن کئی
ہمارے جی میں تو ہے زہر کھا کے سو رہئے
و لیکن یہ خدا ہے نہ تہمت ہو یار پہ اپنے

۵۹۱۔ منتظر تخلص

شیخ امام الدین، اکبر آباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جس گھڑی یار گلستان کی طرف جاتا ہے
ہاتھ ہر گل کا گریباں کی طرف جاتا ہے

۵۹۲۔ منعم تخلص

قاضی نور الحق، بریلی میں خدمت قضاۃ پر مامور تھے، عازم الدولہ نے ان کی بہت تعریف کی ہے، ان کو فارسی کا مسلم الثبوت شاعر شمار کیا ہے اور صاحب علم تسلیم کیا ہے، یہ مطلع جو انہوں نے کہا تھا ان کے تذکرہ سے درج کیا گیا:۔

وہ نوک مژہ جیسے مرے دل میں گڑی ہے
ایسی تو کھٹکتی ہے کہ جینے کی پڑی ہے

۵۹۳۔ منعم تخلّص

موہن لال، شاہ نصیر کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کہیں آیا ہے دلا آج قد یار نظر
کچھ قیامت کے سے آتے ہیں جو آثار نظر
وہاں اشارۂ ابرو مطلع ہلالی ہے
ہے یہ آہ کا مصرع مقطع فغانی یہاں

۵۹۴۔ منصف تخلّص

منصف علی خان، افغانی تھے اور نظام خاں مجرؔ کے شاگرد تھے، اپنے وطن عظیم آباد سے دہلی آئے، کچھ سال ہوئے ہیں وفات پائی، تنگ معاشی کی بناء پر بچوں کو تعلیم دیتے تھے، فارسی کے مشہور مدرس تھے اچھا سلیقہ رکھتے تھے صحبت اساتذہ کی برکت سے مشکل عقدوں کا حل اور باریک نکات کی تحقیق کر لیتے تھے شعر گوئی میں چنداں ملکہ نہ تھا، فقیر (راقم) کی بھی ان سے ملاقات ہوئی ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گر عشق ترا یہ ہے تو پھر دست جنوں سے
داماں رہے گا نہ گریبان رہے گا
خیال جائے ترا کیوں کہ میرے سینہ سے
جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینہ سے

۵۹۵۔ منّت تخلّص

میر قمر الدین، سادات پاک سے ہیں، اصلی وطن مشہد مقدس ہے اور قصبہ سونی پت

میں پیدا ہوئے، جہان آباد (دہلی) میں نشو و نما پائی، فنون علمیہ کا اکتساب کرکے مولانا فخر الدینؒ سے بیعت طریقت کی جس زمانہ میں جہان آباد میں رہتے تھے ان کا طریقہ اہل سنت والجماعت تھا، اب لکھنؤ میں آکر روش امامیہ پر گامزن ہو گئے، وہاں کے صاحب دولت لوگوں کی مدح میں قصیدے کہے اور انعام و اکرام پایا، اس کے بعد کلکتہ گئے، وہاں ناظم المشہور "گورنر جنرل" کی تعریف کرکے ملک الشعراء کا لقب حاصل کیا، پھر حیدر آباد چلے گئے، جہاں نواب نظام الملک کے دربار سے ایک قصیدہ کے صلہ میں دس ہزار روپیہ نقد اور بہت سی چیزیں حاصل کیں، دور دراز کی سیر و سیاحت کے بعد پھر لکھنؤ آئے اور راجہ ٹکیت رائے کے مصاحب ہو گئے، انچاس سال کی عمر میں کلکتہ جانے کا دوبارہ اتفاق ہوا اور وہیں انتقال کیا، یہ واقعہ ۱۲۱۰ھ کا ہے، اس شخص نے غلطی کی ہے جس نے ان کی وفات کو لکھنؤ میں ہونا لکھا ہے، زبان فارسی میں شعر گوئی پر ان کو قدرت تھی، انہوں نے سو ہزار اشعار لکھے ہیں، ان کی مثنوی المشہور چمنستان کے دو تین شعر ان کی تصانیف کی صراحت کرتے ہیں ؎

درین عمر دہ مثنوی گفتہ ام ؛ بہ آئین و طرز نوی گفتہ ام

چو اشعار من در عدد میرسد ؛ شمار قصائد بصد میرسد

بود شعر من در غزل سی ہزار ؛ زپانصد رباعی گرفتم شمار

ایک کتاب نثر میں جو شکرستان کے نام سے موسوم ہے تصنیف کی جو ان کے نزدیک سعدیؒ کی طرز میں ہے، کبھی کبھی ریختہ میں فکر سخن کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اس نے کا کچھ ہے لطف پیارے

ہر دم جو کہو کہ جائیں گے ہم

گر اس لب جان بخش کی میں بات سناؤں

عیسیٰ بھی جو کچھ بولے تو صلوٰۃ سناؤں

قدم رکھ گیا کون سینہ پہ اپنے
گل داغ میں آج مہندی کی بو ہے
مدعی اس سے سخن ساز بساپلوسی ہے
پھر تمنا کو یہاں مژدہ پابوسی ہے
تہمت عشق عبث کرتے ہیں مجھ کو منت
ہاں یہ سچ ملنے کی خوبوں سے تو ایک خوشی ہے

۵۹۶۔ موزون تخلص

میر فرزند علی، سامانہ کے رہنے والے اور شمس الدین فقیر کے شاگرد ہیں طبع موزون رکھتے تھے، تاریخ گوئی میں ملکہ تھا، لکھنؤ جا کر وہیں سکونت اختیار کی، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہے محو آئینہ ساں سارا جہان تیرا
منہ دیکھے کیوں نہ ہر ایک اے مری جان ترا
شمع ہر بزم نہ ہونا ھرگز
دل جلوں کا بھی کہا کیجئے گا
اپنے کوچہ کو خار لبت کیا
یہ نہ جانا برہنہ پا ہیں ہم
سینہ و دل کو میں کرتا ہوں کدورت سے صاف
کس کی آمد ہے الٰہی کہ یہ گھر جھڑتے ہیں
نرگس کا پھول بھیجتے نامہ میں یار کو
معلوم تا کرے وہ مرے انتظار کو

وابستہ محبت تھے پیماں کی درستی پر
دل ٹوٹ گیا میرا تم عہد شکن نکلے
پھول جھڑتے ہیں ترے منہ سے مری آنکھوں سے
حسن اور عشق کی کیا خوب گل افشانی ہے

۵۹۷۔ موزوں تخلص

چھتر سنگھ، دہلی کے کائستھوں میں سے ہیں، اپنے کو مادھو رام کا پوتا بتلاتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بیت ابرو کو تری دیکھ کے اے مطلع حسن
جو ترے کوچہ سے نکلا سو غزل خواں نکلا

۵۹۸۔ موج تخلص

خدا بخش، اکبر آباد کے مشہور گویوں میں سے ہیں، اپنے فن میں نہایت مہارت تامہ رکھتے تھے، بیشتر حصہ دہلی میں گذرا کئی دفعہ مجھ سے ملاقات ہوئی، خوش طبع اور ظریف شخص تھے، چند سال ہوئے لکھنؤ میں انتقال ہو گیا، طبع موزوں رکھتے تھے، کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے
اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

۵۹۹۔ مونس تخلص

نام حکیم سعادت علی، سادات کرام میں سے اور بنارس کے رہنے والے ہیں نہایت لطیف و شگفتہ اور ظریف الطبع شخص ہیں، بلند شہر میں کسی تقریب پر راقم سے

ملاقات ہوئی بلکہ طرفین میں ربط و الفت کا دروازہ کھل گیا، عیسٰی نفس طبیعت ہیں، پہلے کبھی کبھی اشعار کہتے تھے، اب اس طرف بالکل توجہ نہیں ہے، ایک روز بسبیل تذکرہ اپنے افکار طبع میں سے چند شعر پڑھ کر سنائے تھے، ایک شعر ان میں سے درج کیا گیا :-

زبان جوش گریہ ہچکیاں لینے لگا مونس
خلل انداز ہے اب نالۂ شب گیر میں آنسو

---

۶۰۰ ۔ مومنؔ تخلص

کان سخندانی کے بیش قیمت لعل، دریائے معنی کے درِ نایاب، اقلیم سخن کے فرمانروا اس فن کو بلند پایہ بنانے والے، بادۂ خلوص کے جام کو گردش میں لانے والے دل پذیر اور دلکش نغمہ سرا، بلند مقام کے مالک بیان اور بدیع کے شارح نکتہ دانی کے آفتاب، حالات فلکی سے واقف، حکمت پرور شاعر، سخن گستر حکیم، یکتائے زمانہ مختلف علوم کے حامل، حکیم مومن خاں جس کو اللہ تعالےٰ نے مختلف کمالات کی استعداد فرمائی ہے اور اس کے گلستان قلب سے جو فیض اقدس کا منبع ہے، فضیلتوں کی نہریں بہائی ہیں، خاندان والا تبار سے متعلق ہیں، اس کی بڑی بزرگیاں اور عظیم فضیلتیں حدِ رقم سے باہر ہیں، اس کے اوصاف جلیلہ اور حمیدہ اندازۂ قلم سے باہر ہیں، یہ تعجیلی رسالہ طوالت کی بنا پر ان کے ذکر سے گریزاں ہے، ورنہ میں اسی زبان سے مرغان چمن کی نغمہ سنجی بند کر دیتا، اسی بیان کج مج سے خوش لہجہ طوطیوں کو خاموش کر دیتا، پاستانیوں کی داستانوں کو جو بڑی دھوم دھام سے مشہور عالم ہیں اسے سے فراموش کرا دیتا اور اگلے وقتوں کی کہانیاں، جو نہایت شور و شغب کے ساتھ صفحۂ روزگار پر ثبت ہیں محو کرا دیتا لیکن (ما لا یدرک کلہ، لا یترک کلہ) یعنی اگر تمام کا ادراک نہیں کیا

جا سکتا تو تمام چھوڑا ابھی نہیں جا سکتا کے مقولہ پر عمل کیا گیا ہے اگرچہ مختلف اصناف شاعری میں ان کے کمالات پر نظر ڈالنا، ان کے مرتبہ کے لئے پست ہے لیکن بات چونکہ اس فن کی ہے اس لئے چشم پوشی اچھی نہیں، ان کی جادو طراز زبان نے جادو کو معجزہ کے مرتبہ تک پہنچا دیا اور ان کی دلفریب بات نے طول کو ایجاز کا ہم پلہ کر دیا، ان کی ابر نیساں جیسی طبیعت نے دامن موتیوں سے بھر دئے، اور مفلسوں کی جیب و آستین میں کان جواہر کے ذخیرے ڈال دئے، ان کے رشک بہار تفکر کی گل ریزی نے جنت کے باغ کو جلوہ گر کر دیا نظارہ کرنے والوں کی آنکھوں میں انفرادیت میں ان کی ذات مہتاب ہے جو یکتائے علم کے باعث ستاروں سے الگ اور مشہور ہے، اس کی فکر کی شمع کی روشنی سے ذرات تا محسوس منور ہیں جس طرح روشن سورج روشنی سے، ایسے عالم آرا سورج کے سامنے انوری بھی ماند ہے، ایسے فریدون مرتبت کی بارگاہ میں خاقانی معمولی ملازم کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی اس کے خوان نعمت کے وظیفہ خواروں میں سے ایک ہے بو فراس اس کی بزرگیوں کے میدان کا حاشیہ بردار ہے اور یہ سب ہمہ دانی کا پر زور دعویٰ کرنے والے اس کی درگاہ میں ہیچ مدانی کے دعویدار ہیں، فصیح زبانی کے مدعیان اس کی پیش گاہ میں دم بخود ہیں، یعنی بولنے میں ان کی زبان لکنت کرتی ہے، لیکن ان تمام صفات کے باوجود جو مذکور ہوئیں محرک کی تحریک کے بغیر شعر نہیں کہتے، چنانچہ ان کا اکثر کلام راقم عاثم کی خواہش کے مطابق صورت پذیر ہوا، ان کے کلام کی تدوین کا باعث بھی یہ فقیر ہی ہوا، اس کے دیباچہ میں جو میرا لکھا ہوا ہے اس میں میں نے تفصیل کے ساتھ یہ حال تحریر کیا ہے اب چونکہ ریختہ گوئی کی طرف بہت کم توجہ ہے اس لئے کبھی کبھی سخن سنجی و سحر آفرینی کی داد دیتے ہیں اور اہل سخن پر احسان فرماتے ہیں، فقیر کے خیال میں قوت شاعری میں ان جیسا کم پیدا ہوا ہے، ہر صنف شاعری میں ایسا مقام رکھتے ہیں جو کسی

کو میسر نہیں ہوا، زبانوں کے اختلاف کے باوجود دونوں زبانوں (اردو و فارسی) میں ان کو ایسی دستگاہ حاصل ہے کہ اہل فارس معترف ہیں، اہل ہند اسی اعتبار سے مفتخر ہیں ———————— ، ملا ظہوری ترشیزی نے تین سو سال پہلے یہ شعر گوئی خصوصاً ان کے لئے کی تھی، شاید آپ اس دراز نفسی سے مشتبہ ہوں، ان کو دوستی اور اعتقاد پہ محمول کریں یا اس گفتگو سے کوئی غرض و غایت مشترک سمجھیں لیکن اس میں کوئی کلام نہیں اگر اللہ کی دی ہوئی سمجھ سے آپ بہرہ مند ہیں تو آئیں اور ان کی دیوان کو دیکھیں اور میرے قول کی تصدیق و تکذیب میں انصاف کی زبان کھولیں، پیدائش سے اب تک جہان آباد اور اہل جہان آباد سے الفت کے باعث کسی دوسری جگہ نہیں گئے، رنگین مزاج دوستوں اور جوان معشوقوں کے وصل میں بسر کرتے ہیں، ان کا دیوان مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے، اس میں متعدد مثنویاں ہیں، جن میں سے ہر ایک رشک گلشن اور غیرت چمن ہے، دوبارہ ملاحظہ ہوا، انتخاب کرکے اس میں سے یہ اشعار لکھے گئے۔

اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

یہ ناتوان ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہو تیری ہی کمر کا سا

محو مجھ سا دم نظارۂ جانان ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیران ہوگا

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بیرحم پہ مرنے سے تو آسان ہوگا

کیوں گر امید وفا سے ہو تسلی دل کو
فکر ہے یہ کہ وہ وعدہ سے پشیمان ہوگا

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی ؎
مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا

دعوئے تکلیف سے جلاد نے
روز جزا قتل پھر اپنا کیا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ ؎
آ کے مری نعش پہ وہ رو گیا ؎

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

تو فلک مر گیا ہم سے سب غافل
اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

سوئے صحرا لے چلے اس کوسے میری نعش ہائے
تھا یہی ڈر ان دنوں تلوا مرا کھجلاتے تھا

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

نقد جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق حیف
خون فرہاد سر گردن فرہاد رہا تو

چھوٹنا دام شکستہ سے بھی آسان نہیں
ہیں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا

کشتۂ ناز بتاں روز ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لئے اللہ نے پیدا کیا

کیا تم نے قتل جہاں ایک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

دم حساب رہا روز حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

وہ کرتے ہیں بیباک عاشق کشی یوں
نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

مہ نو بن گئے ہم طول شب ہائے جدائی سے
کہاں تک دیکھئے وہ حسن روز افزوں نہ ٹھیرے گا

یہ عذر امتحانِ جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

روز جزا جو قاتل دلجو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

پھرنے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ سو رہے
آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

وقت وداع بے سبب آزردہ کیوں ہوئے
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا

ہوں کیوں نہ محو حیرت نیرنگہائے شوق
جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا

خود گلا کاٹ موا جب کہ میں بسمل نہ ہوا
ان کو آسان نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا

کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آجاتا
شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

بے خود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

بدکام کا مآل بُرا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آجائیگا
وہ مبارک بانداب کے یار ہر جائی ملا

واعظ بتوں کو خلد میں لیجائیں گے کہیں
ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

بوسے دم غضب لئے الٹی سمجھ تو دیکھ
بل جو پڑا جبیں پہ تمنّا کو لب ہوا

بجلی گری فغاں سے مرے آسمان پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

بزم میں عدو کے سو کے بغل سے مرے اٹھے
وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا

دکھلا رہے گی جلوہ نزاکت کہ ری انھیں
دشوار چاک پردۂ حائل کو تھامنا

یہ زلف خم بخم نہ ہو کیا تاب غیر ہے
تیرے جنون زدہ کی سلاسل کو تھامنا

آغوش گور ہو گئے آخر لہو لہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا

دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا

تھا روز نخستین غم شبہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا

اس حال کو پہنچے ترے قصّے سے کہ اب ہم
راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلا اپنا

راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

یہ کاہ ربا سے بھی ہیں کم اے کشش دل
مذکور کچھ ایسا پس چلون ہے ہمارا

آغشتہ بخوں دست کو لو پوچھتے ہیں وہ
الٹے کف جلاد میں دامن ہے ہمارا

چشمۂ حیوان بنا اس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی بسکہ اعجاز مسیحا ہو گیا

ہٹ گیا ہوگا دوپٹہ منہ سے سوتے میں کہیں
شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہو گیا

یہ کسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو
غیر ہمسا کب ہوا ہر چند ہمسا ہو گیا

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

نو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہو گیا

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

شعلۂ دل کو ناز تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا

کیا پوچھتا ہے تلخئ الفت میں پند گو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

بوئے سمن سے شاد تھے اغیار بے تمیز
اس گل کو اعتبار نسیم و صبا گیا

وہ ہنسے سن کے نالہ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشین
میں نے دعویٰ کیا تحمّل کا

آفرین دل ہیں رہی خنجر دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمرِ عدو حلقۂ آغوش ہوا

کیا شاد شاد ہوں کہ وہ ہے تلخ کام تر
میری جو شور شوں نے عدو کو مزا دیا

نٹی نہ دی مزا نہ تلک آکے اسپہ بھی
کہتے ہیں لوگ خاک میں اسنے ملا دیا

دی تسلی تو وہ ایسی کہ تسلّی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخر شب

سجدے پہ سر قلم ہو دعا پر زباں کٹے
گویا نہ وہ زمین ہے نہ وہ آسماں ہے اب

رکھ لے سر اپنے زانوئے نازک پہ شوق سے
تیرا مریض عشق بہت ناتواں ہے اب

چشم غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا
جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات ؟

اس ضعف میں تو سینہ سے آتا ہے لب تلک
کہتے ہیں اپنے نالہ کو ہم نارسا عبث

اے روز حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث

مانع قتل کیوں ہوا دشمن ؟ ؟
جان ہی جائے گی ہماری آج ؟ ؟

مومن آ کیش محبت میں کہ ہے سب جائز
حسرت حرمت صہبا و مزامیر نہ کھینچ تو

خوں ریز رشک غیر کی بھی ہم کو ہو گئی تو
اب اور کچھ نکالئے آزار کی طرح

مر چکے کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی وہ لیکن بری طرح

توبہ کہاں کدورت باطن کے ہوش تھے
غش ہو گیا میں رنگ مے ناب دیکھ کر

شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
سوجھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر

زلف مشکیں کا ہے کو رکھتے
کیا خبر تھی انہیں فگار ہے دل

ناتوان تھے پر نہ چھوڑا مثل خار
خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم

جوش وحشت نے اٹھایا لاش کو
اپنے پاؤں سے مدفن سے ہم

وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

واں چھوٹا گلے لگنا کہ شوق ہمکناری ہیں
لگائے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم

مجھ سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجئے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

بیزار جان سے نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد شکایتوں پہ ترے مدعی سے ہم

اس کو میں جا مریں گے مدد اے ہجوم شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم

کھا کھلے زخم سے نمک زار پر دریغ
کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم

خنجر تو نہ توڑ سخت جانی
پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم

گر ہے دل غیر نقش تسخیر
تو تیرے لئے جلائیں گے ہم

آپ ہی ہوا ہی ملک محبت راس نہیں ہی ہم کو تو
ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں

وہ جفا کش ہیں اے فلک کہ کیا
اس ستمگر نے انتخاب ہمیں

اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

لاش پر آنے کی شہرت شب غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں

کیا دوا سے ہو تری رنجش بیجا کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے سر رنج بہم دیتے ہیں

کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں ترے جلوں کو جو ہم دیتے ہیں

خوں بہا قاتل بیدرد سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یہاں داغ درم دیتے ہیں

دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں

ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں تو
عرض عاشق کی پذیرائی نہیں

نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اثر کس کو ہو ہووے بھی اگر فریاد بیکس میں

ذرا سمجھو تو جان من وصال غیر پہ ہر دم تو
مری جاں کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں

گر یہی شوق شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافر دلجو ہمیں

یار بھی یاد دشمن جاں ہے الٰہی چارہ گر
لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں

اضطراب شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانب جلوون نظارہ دمبدم کیونکر کریں

یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جہان کو تم
کہ روز پردہ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

ہے جلوہ ریز نور نظر گروہ راہ میں ؎
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

مدت کچھ دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں

جلنے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہوں مرے حال تباہ میں

ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے
اتنا کچھ آ گیا خلل اپنے نباہ میں ؎

شیریں یہ طعن تلخی فرہاد کس لئے
مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں ؎

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کی خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب دراز میں

ان سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں
سن کے مرا مبالغہ منت احتراز میں

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقش پا نہ ہو
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

بے التفاتیاں جو عدو سے سنیں نہ تھیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جور و ستم نہیں

عاشق کشی ہے شیوہ اگر بوالہوس سہی
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

دامن قاتل کو وقت قتل کیوں کر چھوڑتا
بیکسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں

گر یقینی وہاں دعا ہوتی ہی اے مومن قبول
جائیں گے کعبہ بھی طفل برہمن کی فکر میں

بسکہ بن آئے مر گئے ہم شب انتظار میں
دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

مرگ ہے انتہائے عشق یہاں ہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہو گئی رنجش بار بار میں

تھا قلق بر ہنگیٔ دشمن جاں شب فراق
کاٹ کے اپنے سر کو ہم بھیجتے ہیں کنار میں

اس بت کو ترک دین سے نہیں مومن اعتماد
کیونکر نہ میں شکایت اغوائے دل کروں

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر ہم بھی کچھ
آرزوہائے دل رشک آشنا کہنے کو ہیں

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپش دل کہ ابھی
روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

محضر قتل ہے مکتوب گنہ گاران کا
سر قاتل کو وہ فتوی سے قلم کرتے ہیں

آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں

وہ ہے بغل میں تو بھی تو یہاں نیند اڑ گئی
یہ سوچ ہے کہیں نہ ہو اعدا کے خواب میں

ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں

کشتۂ غیرت ترے پانی پلانے سے ہی غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوق خون دشمن آب میں

نہ چاہوں روز جزا داد یہ ستم دیکھو
کب آزماتے ہیں جب وقت امتحان نہیں

ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں ان کا مدعا ہوں

ربط اس سے ہے مثل شعلہ و شمع
مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں

اس کو میں نہ چھوڑ جائے مجھکو
ہر چند عدو کا نقش پا ہوں

اس نام کے صدقہ جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

کیا کیجئے کہ طاقت نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی
لیکن بڑی غضب یہی دو تین چار ہیں

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار سے

شبنم خراب مہر و کتاں سینہ چاک ماہ
لو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں

کیسی گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

نہیں منظور اگر بوالہوسی کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو

رشک سے جلتا ہوں روز لے شمع بارہ عام میں
دن کو ہر مجھ پہ وہی صدمہ جو تجھ پہ رات کو

یاد دلوا دی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چین ہائے بستر رات کو

مجلس میں میرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامی عشاق کا اعزاز تو دیکھو ؎

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطر نا مہرباں کو

پسینہ کی جگہ آنے لگا خوں
چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو

سمجھتا کیونکہ دیوانے کی باتیں ؎
نہ پایا محرم اپنے رازداں کو ؎

ہمارا غش تو کیا مر جائیں تو بھی
نہ کھولی طرۂ عنبر فشاں کو

دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو ؎

مومن تم اور عشق بتاں اے پیرو مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

گو آپ نے جواب برا ہی دیا ولے
مجھ سے بیاں نہ کیجے عدو کے پیام کو

یہاں وصل ہے تلافی ہجراں میں اے فلک
کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
پھر کون وارثوں کے سنے اذن عام کو

سنگ اسود نہیں ہے چشم بتاں
بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ

شکست رنگ پہ ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انہیں وقت خمار آئینہ

مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ

کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو
ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکین یہ

الٹے وہ شکوہ کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے
کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

تھی وعدہ سے پھر آنیکی خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ

میں اپنے گریباں کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پاؤں سے سوا ہاتھ

ہے دست مری نبض کی تپ سے ید بیضا
یہ معجزہ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ

ہنگام وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے
کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ

جوں شاخ گل اے جوش جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

ہم اور یہ بدعت تپش دل کے سبب سے
مومن مرے سینہ پہ رہے بعد فنا ہاتھ

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
کٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جوڑ دیکھ

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے

بس بس نہ کرو بات کہ یاد آئی ہے مجھکو
ناصح سے جو کچھ بے خودیوں میں بھی سنا ہے

توبہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ
یہ بھی کہیں دل دیکھ کے گنہگار ہوا ہے

آزردہ حرمانِ ملاقات کیا
یعنی کہ نہ ملنا ہی نہ ملنے کی سزا ہے

پرہیز سے اس کی گئی بیماری دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

میں ترک وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کیں تجھ سے جو اے دشمن ارباب وفا ہے

مومن نہ سہی بوسہ یا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جاووں کا تو اپنا بھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی
خبر ہے نعش پہ اس بے وفا کے آنے کی

ہے ایک خلق کا خون سر پہ اشک خوں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

سمجھ کے اور ہی کچھ مر چلا میں اے ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آجائے

کر ذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے

باندھو اب چارہ گرو چلیے کہ وہ بھی شاید
وصل دشمن کے لئے سوئے مزار آجائے

ٹھہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آجائے

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر
بہہ گیا خون دیدۂ خونبار سے

مت کرو کنگھی نہ یہ دزد حنا
دل چرا لے طرۂ طرار سے

کر نصیحت گر میں پج ہوں سادہ لوح
تو نبٹے گی خوب اس عیار سے

وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر
تو نے پوچھا ہو ہی گا تکرار سے

جا بجا نہریں ہیں جاری میں نے اشک
پونچھے ہوں گے دامن کوہسار سے

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی
ہے گراں تر جان جسم زار سے

کر علاج جوشش وحشت چارہ گر
لا دے ایک جنگل مجھے بازار سے

چھڑکے ہے کان ملاحت نون کیا
خود لپٹ جا سینۂ افگار سے

حسن روز افزوں یہ غرا کس لئے ای ماہرو
یونہی گھٹتا جائے گا جیسا کہ بڑھتا جائے ہے

پونچھئے آنسو دارتوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

پند گو یہ تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون
اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے

شکوۂ دشمنی کریں کس سے
وہاں شکایت ہے دوستداری کی

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آہوئے حرم
کیا کہیں اس کے سگ کوچہ کے قرباں ہونگے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے

تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سایہ سے مری وحشت اے رشک پری اتنی تو

بے پردہ پس چلون یک بار تم آ بیٹھے
ہے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی

کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری اتنی تو

کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
ہے ہے مری الفت سے ہے بے خبری اتنی

پامال ایک نظر میں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

پیغام بر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

کیونکر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زر جاں کی زکوٰۃ ہے

مجھ کو مار امرے حال متغیر نے کہ ہے
کچھ گمان اور ہی دھڑکے سے دل مونس کے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

جو مرجاتا تو یہ دکھ کاہے کو سہتا اگر میں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

گر قصور سے ہو ہم بزم تو بیتاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے

عشق میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

ذکر کر بیٹھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

سنا اس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بے فائدہ کیوں غل مچاتا ہے

نہ کرتے تھے نصیحت اس کے بیٹھے پر قیامت کی
عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنے اٹھاتا ہے

خیال خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانا ہلاتا ہے

کیوں ہے نہ رنگ زرد پر گلگونہ اشک سرخ کا
کس لئے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

میری تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے

اے قیامت نہ آئیو جب تک
وہ مرے گور پر نہ ہو جائے

رشک دشمن کا فائدہ معلوم
مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے

وفائے غیرت شکر جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گذرے

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کی ذلت و خواری سے تم کو شان لگی

میں اور اس کو بلاؤں گا روز حشر میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی تو

دم بدم رنگ ہے تغیر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مری تصویر میں بہزاد بھرے

دیکھا عذاب رنج دل زار کے لئے تو
عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کے لئے

لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لئے

عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آجائے
ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکر آسماں کیجے

عذاب ایزدی جانکاہ ہے مانا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجے

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

کہاں تلک گلہ ہائے تغافل قاتل
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے

جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو امید انفصال تو ہے

تسلی دم واپسین ہو چکی
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی

وہ ہمدرد ش ہو گا بھی تو غیر سے
مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکی

خیال اجل سے تسلی کروں
وہ طاقت بھی جاں حزیں ہو چکی

چشم خونبار مرے آپ نے تلوؤں سے ملے
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی اپنے سے خفا ہوتا ہے

جاں بلب ہوں خبر وصل سنا دے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

کہلائے نہ کیوں سرمہ گوسالہ کو
خجل سامری چشم پر فن سے ہے

کیونکر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے

گر ذکر وفا سے ہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا سو کریں گے

گر حسن گلوسوز نے پھر آگ لگائی
کیوں آب دم تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

تھی بدگمانی اب انہیں کیا عشق حور کی
جو آکے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

بیزار زندگانی کا جینا محال تھا
وہ بھی ہماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے

واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں
عالم شب وصال کی آنکھوں میں چھا گئے

رشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے
میں نے ہی تم سے بے وفائی کی

آئے وہ دست غیر میں دے ہاتھ
آس ٹوٹی شکستہ پائی کی

مر گئے پر ہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی

روز جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہم سخن رقیب کو اس کم سخن سے ہے

کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگین دلی کا پاس
سب کاوشِ رقیب بجا کوہ کن سے ہے

ان کو گماں ہے گلہ چین زلف کا
خوشبو دہان زخم جو مشک ختن سے ہے

رشک پری رکھے ہے عدو کی یہ وحشتیں
نفرت بلا تمہیں مرے دیوانہ پن سے ہے

یارب ان کا بھی جینا نہ اٹھے
یار اس کو سے اٹھاتے ہیں مجھے

شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

جان گئی پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشین
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ دل میں کبھی آنا چھوڑ دے

اس دہن کو غنچۂ دل کیا کہوں
ڈر لگے ہے مسکرانا چھوڑ دے

ناتوانی سے نزاکت ہے زیاد
مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے

شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے
زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ
کہ خو ہو گئی ہے سدا کہتے کہتے

وہ مٹا دے نامۂ مضمون وصل
گر ہو خطِ کاتبِ تقدیر سے

یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہی تقریر سے

دوستو لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے
سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے

کام جز الفت نہیں اے کاتب اعمال یہاں
فائدہ حرف مکرر کی بلا تحریر سے

اے فسوں گر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل
دیکھنا بھی چھٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارزنگ عشق
نو بہ نو جلوے ملا لو رنگ کی تغییر سے

ہوگئی ساری زمیں صرف حروف نورِ قم
ایک جہاں ویراں ہے میر کے نامہ کی تحریر سے

کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا
اب تو باندھوں گا میں ناصح اسکو بھی زنجیر سے

کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعد قتل بھی
ہوگئی گیتی مری نام آوری تشہیر سے

ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جانکنی
دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

میرے لکھے کو مٹایا آپ نے اچھا ہوا
تھا سکوں ہی مدعا یہاں نامہ کی تحریر سے

ایسے نازک کی شمائل کیوں نہ دل میں نقش ہو
کھنچ گیا سینہ پہ نقشہ غنچہ کی تصویر سے

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئی حلقۂ زنجیر سے

نالہ ہائے بوالہوس نے کھو دیا آزار شوق
لو ہم اچھے ہو گئے درمان بے تاثیر سے

بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے

۶۰۱۔ مہر تخلص

نام رجب علی ہے آپ کی فکر کا نمونہ یہ ہے:۔

میں جاں بلب ہوں رو نے دے اے نکتہ چین مجھے
آیا ہے یاد خالِ لبِ نازنیں مجھے

۶۰۲۔ مہر تخلّص

منشی مہر چند، فرخ آباد کے رہنے والے ہیں، بہت عرصہ لکھنؤ اور اکبر آباد میں بسر کی، تمام عمر تحصیل کے مختلف مواضعات کی پیشکاری میں گذاری۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

اے کماں ابرو جہاں جاتا ہوں واں تیرِ خدنگ
پہنچتا ہے ایک دم میں پاس میرے پر لگا
بلند آگئی ابرو کے تصور میں جو مجھکو
تھا خواب میں ہوئے کھینچے تلوار کوئی شخص
یہ تو اپنے خواب میں بھی بر نہ آئی آرزو
ہم خیالِ وصلِ جاناں بیشتر باندھا کئے
سرمگیں چشم کے بیمار کی لے جلد خبر
بولتا ہی نہیں کہتے ہیں بڑی دیر ہوئی

۶۰۳۔ مہلت تخلّص

مرزا علی، لکھنؤ کے رہنے والے اور جرأت کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ علی نقی محشر سے ان کا جھگڑا ہو گیا تھا بہ نوبت بہ ایں جا رسید، ایک دوسرے کو مارنے پر تل گئے تھے اور محشر کے ہاتھ سے ان کے ایک زخم کاری لگا، پوچھنے والوں کے اصرار پر بھی ان کا نام زبان پر نہ لائے اور اس قصہ کو محشر (روزِ قیامت) پر چھوڑ دیا، اسی صدمہ سے ان کی روح نے جسم خاکی کو خیر باد کہا۔ نمونہ کلام یہ ہے:-

مرنے کے بعد بھی نہ گئی دل کی یہ تپش
آرام زیرِ خاک بھی اب خاک کیجئے

۶۰۴۔ میرؔ تخلص

فصیح ترین بلند مقام شاعر جن کا نام محمد تقی ہے، اکبر آباد کے رہنے والے اور جناب سراج الدین علی خان آرزو کے بھانجے ہیں، لطافت ان کی طبیعت کے ساتھ پیدا ہوئی ہے ان کے کلام کے ساتھ بلبل کا نغمہ حرف غیر ہے، ان کی شیریں گفتار طوطئ قلم نے عندلیب کی نغمہ سنجی کو ماند کر دیا ہے، ان کی گلستان نگارش قلم کی قمری نے باغ کے پرندہ کو دم بخود کر دیا ہے، ان کا صفحہ تخیل، لالہ رخوں کی جلوہ ریزی سے دلفریب افکار کے ساتھ ایک قطعہ گلزار بنا ہوا ہے، جس طرح سے کہ تخیلاتِ عاشق گونا گوں ہوتے ہیں، ان کے قلم کی تراوشِ مضامین تازہ کے پھول کھلانے میں ابر نو بہار کے مشابہ ہے، سو درد سو آہیں تاثیر میں اس کے ایک مصرعہ کے برابر نہیں ہوتیں، اور تسخیر کے ہزار ارادے بھی اس کے آدھے شعر کے طلسم کے برابر قرار نہیں پاتے، گویا اس کے کلام کی شیرینی اشتاقین کے حلق میں معشوق کے لب شکر بار سے زیادہ میٹھی ہے اور اس کا نمکین کلام عاشقوں کے مذاق کے لئے معشوق کے تبسم سے زیادہ مزیدار ہے اگر ان کی نظم سحر ہے تو سحر حلال ہے۔ اگر ان کی فکر ایک پوشیدہ قوت ہے تو وہ معجزہ کی مانند ہے، فنون نظم میں ان کو کافی رابطہ ہے خصوصاً غزل اور مثنوی گوئی میں سبقت لیجاتے ہیں، جو آپ اس کے کلام میں پستی و بلندی، اس کے اشعار میں خشکی و تری دیکھتے ہیں، کیا آپکی نظر اس شعر پر نہیں پڑی جو کہا گیا ہے سے

ترجمہ:۔ اگر شعر میں اعجاز ہے تو وہ بے بلند و پستی کے نہیں ہوتا، جیسے تمام انگلیاں ملکر بھی ید بیضا نہیں ہوسکتیں

اس سلسلہ کی کڑی مرزا رفیع سودا کے ترجمہ کے ماتحت گذر چکی ہے نہایت چیدہ ہے، مختلف اصناف سخن میں چھ دیوان ریختہ نظم کئے، مسدس کہ جس کو مضامین واسوخت میں کہتے ہیں بہت اچھا کہتے ہیں، اقسام شاعری میں سے قصیدہ کے لئے ان کی طبیعت موزوں نہ تھی جس قدر کہ ان کی غزل نہایت بلند مرتبہ ہے، اس قدر ان کا قصیدہ کم رتبہ ہے، پریشان حالی میں شاہجہاں آباد آئے مقصد حاصل نہ ہونے کی بناء پر ناکام لوٹے، لکھنؤ میں رہتے تھے" نواب وزیر الممالک بہادر کی سرکار سے ضروریات زندگی حاصل کرتے تھے، وہیں انتقال کیا، ان کے دیوان سب ملاحظہ سے گذرے، ان میں سے بعد انتخاب یہ اشعار درج کئے گئے:۔

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو میں نے تھام تھام لیا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا اس کا بہت عالم فریب
خط کے آنے پہ بھی ایک عالم رہا

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

اتنی گذری جو ترے ہجر میں سو اس کے سبب
صبر مرحوم عجب مونس تنہائی تھا

چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا
ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

آیا تو سہی وہ کوئی دم کے لئے لیکن
ہونٹوں پہ مرے جب نفس باز پسیں تھا

مسجد میں امام آ کے ہوا آج وہاں سے
کل تک تو یہی میر خرابات نشیں تھا

الجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں اس کے عشق میں
دل سا عزیز جان کا جنجال ہو گیا

تو وہ متاع ہے کہ پڑی جس کی تجھ پر آنکھ
وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

خدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن
رہے ہے خوف مجھے واں کی بے نیازی کا

دل کی کچھ قدر کرتے رہیو تم
یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا

فلک کا منہ نہیں اس فتنہ کے اٹھانے کا
ستم شریک ترا ناز ہے زمانے کا

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا
اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا

عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک گریبان دریدہ تھا
کسی عاشق کے ترے جبہ سے ناخن کا خراش
خطِ تقدیر کے مانند مٹایا نہ گیا
کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں
داغ دل دیکھیے بس چمن دیکھا
دل دینے کی ایسی حرکت اس نے نہیں کی
جب تک جیئے گا میرؔ پریشان رہے گا
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا
مستی میں چھوڑ دیر کو کعبہ چلا تھا میں تو
لغزش بڑی ہوئی تھی و لیکن سنبھل گیا
علاج کرتے ہیں سودائے عشق کا میرے
خلل پذیر ہوا ہے دماغ یاروں کا
کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
آنکھیں جیرائیو نہ ٹک ابر بہار سے
میری طرف بھی دیدۂ خونبار دیکھنا
کفِ جاناں سے ممکن ہے رہائی نہیں کوئی ہو
اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا
تیرے کوچے کے رہنے والوں نے
یہیں سے کعبہ کو سلام کیا

حال بد میں میرے ذرا آگر ٹک
آپ کو سب میں نیک نام کیا ٹک
شہرۂ عالم اسے یمن محبت نے کیا
ورنہ مجنوں ایک خاک افتادہ ویرانہ تھا
ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے فلک
اس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا
داغ فراق و حسرت وصل آرزوئے شوق
میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا
جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہے وہ زلف
کسی نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا
ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا
جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا
تھی صعب عاشقی کی بدایت ہی میر پر
کیا جانیے کہ حال نہایت کو کیا ہوا
نہ خون ہوا آنکھوں سے بہا اور نہ ہوا داغ
اپنا تو یہ دل میر کسی کام نہ آیا ٹک
سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہب عشق اختیار کیا ٹک
جہاں سے فتنہ کو خالی کبھی نہیں پایا
ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا

سب گئے ہوش و صبر تاب و تواں
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا
دل میں کتنے مسودے تھے ولے
ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا
سبحہ گرداں ہی میر ہم تو رہے
دست کوتاہ تا سبو نہ گیا
اب تو جاتے ہیں میکدہ سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا
سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا
پھر آج میر مسجد جامع کے تھے امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جا نماز کا
کاہے کو میں نے میر کو چھیڑا کہ اس نے آج
یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سر رہا
شب میکدہ سے وارد مسجد ہوا تھا میں
پر شکر ہے کہ صبح تلک بے خبر رہا
اپنا بھی قصد تھا سر دیوار باغ کا
ٹوٹا ہی تھا قفس کہ صیاد آ گیا
مستی میں لغزش ہو گئی معذور رکھا چاہیئے
اے اہل مسجد اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا
خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا
مرتے موا پہ اس کے کبھی گھر نہ جا پھرا

کم کم اٹھتا وہ نقاب آہ کہ طاقت رہتی
کاش یکبار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا
کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
آزار دل نہیں ہے کسی دین میں درست
کیا جانئے ان بتوں نے ستم کیوں روا رکھا
اس مرے دل کی خرابی ہوئی اے عشق دریغ
تو نے کس خانۂ مطبوع کو ویران کیا
میرا ہی مقلد عمل تھا
مجنوں کے دماغ میں خلل تھا
پشیمان ہوا دوستی کرکے میں
بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا
اعجاز منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا
کیا ذکر یاں مسیح علیہ السلام کا
رقعہ ہمیں جو آئے ہے سو تیر میں بندھا
کیا دیجئے جواب اجل کے پیام کا
کیونکر گلی سے اس کی میں اٹھ کے چلا جاتا
یاں خاک میں ملنا تھا لوہو میں نہانا تھا
کہنا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا منہ
کل میر کھڑا تھا یاں سچ ہے کہ دوانا تھا
ہم کوئے مغاں میں تھے ماہ رمضاں آیا
صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا

کھلا نشہ میں جو پگڑی کا پیچ اس کے میر
سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا
ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گر نہ جائے
آنکھوں سے رات اس کے جو تلووں ملا کیا
دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھے طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا
عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
ماہ اس کو کہہ کے سارے شہر میں
مجھ کو مشکل منہ دکھانا ہو گیا
نہ گیا اس طرف کا خط لکھنا
ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا
دروازہ پر کھڑا ہوں کئی دن سے یار کے
حیرت نے حسن کی مجھے دیوار کر دیا
کاش اس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب
پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیر زمیں میر ہے آرام بہت
ہم تو آگے ہی مر رہے ہیں میر
تیغ کھینچے پھرے ہے یار عبث
خو گر ہوئے ہیں عشق کی گرمی سے خار و خس
بجلی پڑی رہی ہے مرے آشیاں کے بیچ

میرے سنگِ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد
دو قدم ساتھ جنازہ کے نہ آیا وہ میر
جانتا تھا کہ اسے ہے مری رفتار پسند
جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر
جی میں تھا اس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہئے میر
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر
مرتا ہوں میں تو آدم خاکی کی شان پر
اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر
قیامت تھا سماں اس خشمگیں پر
کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر
ہر گام سدِ رہ تھی بت خانہ کی محبت
کعبہ تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر
مرگ ایک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
ضعف یاں تک کھچا کہ صورت گر
رہ گئے ہاتھ میں قلم لے کر
میر صاحب ہی چوکے اے بد عہد
ورنہ دینا تھا دل قسم لے کر
تناسب پر اعضا کے اتنا بس تختر
بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کر

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر
آتا ہے ابر قبلہ چلا خانقاہ پر
صوفی ہوا کو دیکھ کے کاش آئے راہ پر
منتظر قتل کے وعدے کا ہوں اپنے یعنی
جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہ گار ہنوز
حالانکہ عمر ساری مایوس گذری تسپر
کیا کیا رکھیں ہیں اس کی امیدوار خواہش
اب اس کے غم سے جو کوئی چاہے سو کھائے داغ
باقی نہیں ہے چھاتی میں اپنے تو جائے داغ
دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا
موت کا نام پیار کا ہے عشق
شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہوں بیقرار
میرے قفس کو لے تو چلو باغبان تلک
ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر
اور کوئی وفا کرے کیا خاک
سب ہوئے ابتدائے عشق ہی میں
ہووے معلوم انتہا کیا خاک
سوچی سے عندلیب خریدار اس کی ہے
اے گل فروش کیجو سمجھ کر بہائے گل
اگر راہ میں اس کی رکھا ہے گام
گئے گذرے خضر علیہ السلام

ہوتا نہ دل کا یہ سر انجام عشق میں
لگتے ہی جی کے مر گئے ہوتے بلا سے ہم
جی جائے کسی کا کہ رہے تم کو قسم ہے
مقدور تلک در پے آزار رہو تم تو
اس کے کوچہ کی خاک لائیں گے ہم
اپنا کعبہ جدا بنائیں گے ہم
اے بتو اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم
اس کے کوچہ میں نہ کر شور قیامت کا ذکر
شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں
نہ تنگ کر اسے اے فکر روزگار کہ میں
دل اس سے دم کے لیے مستعار لایا ہوں
چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں
اس کے نزدیک کچھ نہیں عزت
میر جی یوں ہیں خوار ہوتے ہیں
کہوں کب تک دم آنکھوں میں ہے میرا
نظر آئی رہے گا اب کوئی دم میں
شیخ عزلت تو تہ خاک بھی پہنچے گی ہم
مفت ہے سیر کہ پھر عالم ایجاد نہیں
ہمیں تو نزع میں شرمندہ آ کے اس نے کیا
رہا ہے ایک رمق جی سو کیا نثار کریں

نہ نگہ نہ پیام وہ نہ وعدہ
نام کو ہم بھی یار رکھتے ہیں
ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی تسپر
پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں
کیا تیر ستم اس کے سینہ میں بھی ٹوٹے تھے
جس زخم کو چھیڑوں ہوں پیکان نکلتے ہیں
مانند شمع ہم نے حضور اپنے یار کے
کار وفا تمام کیا ایک آہ میں
جو بے اختیاری یہی ہے تو قاصد
ہمیں آگے اس کے قدم دیکھتے ہیں
خوش نہ آئی تمہاری چال ہمیں
یوں نہ کرنا تھا پائیمال ہمیں
دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں
ایک وہم نہیں بیش مری ہستی موہوم
اس پر بھی تری خاطر نازک پہ گراں ہوں
جفائیں دیکھ لیں بے وفائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں
ایک سب آگ ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں
مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

ابہ کے ہمت صرف کر جو اس سے جی لے چھٹے مرا
پھر دعا اے میرؔ مت کیجو اگر ایسا کروں
عشق کا گھر ہے میرؔ سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں
نازک مزاج آپ قیامت ہیں میرؔ جی
جوں شیشہ میرے منہ نہ لگو میں نشہ میں ہوں
کاش کہ دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں
سب گئے دل دماغ و تاب و توان
میں رہا ہوں سو کیا رہا ہوں میں
جاتے ہے جی نجات کے غم میں
ایسی جنت گئی جہنم میں
کرتا نہیں قصور ہمارے ہلاک میں
یارب یہ آسمان بھی مل جائے خاک میں
شیوہ اپنا بے پروائی نومیدی سے ٹھہرا ہے
کچھ بھی وہ مغرور دیوے تو منت ہم سو بار کریں
قتل کئے پر غصہ کیا ہے لاش مری اٹھوا نیدو
جان سے بھی ہم جاتے رہے ہیں آؤ تم بھی جا نیدو
سر کاٹ کے ڈلوا دئے انداز تو دیکھو
پامال ہے سب خلق جہاں ناز تو دیکھو
کب میسر اس کے منہ کا دیکھنا آتا ہے میرؔ
پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو

اس تیغ زن سے قاصد کہیو مری طرف سے
اب تک بھی نیم جاں ہے گر قصد امتحاں ہو
اٹھ جائے رسم نالہ و آہ و فغان سب
اس تیرہ روزگار میں تو میرا گر نہ ہو
اجرت میں نامہ بر کی دیتے ہیں جان تالک تو
اب کار شوق اپنا پہنچا یہاں تلک تو ہو
عشق کیا کیا تمہیں دکھاتا ہے
آہ تم بھی تو ایک نظر دیکھو
خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اس کو ملول ہو
ہم تو ہوں بدگمان جو قاصد رسول ہو
کہتے ہو اتحاد ہے ہم کو
ہاں کہو اعتماد ہے ہم کو
دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں
اور سب سے عناد ہے ہم کو
نامرادانہ زیست کرتا تھا
میر کی وضع یاد ہے ہم کو
رات ساری تو کٹی سنتے پریشاں گوئی
میر جی کوئی گھڑی تم بھی اب آرام کرو
ننگ اپنے ہم نے تو سب کر رکھا ہی سہل
پر میرا اس میں مردن دشوار کیوں نہ ہو
تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری ادھر
تو اس ستم کا میر سزاوار کیوں نہ ہو

خط آگیا پہ اس کا تغافل نہ کم ہوا
قاصد مرا خراب پھرے ہے جواب کو
کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اس دل خانہ خراب کو
ہو گا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو
ہوتے ہوئے دماغ تو دیکھو ہو ٹک ادھر
غصہ ہے ہم پہ کاش کہ اکثر رہا کرو ٹو
یہ اضطرار دیکھ کہ اب دشمنوں سے بھی
کہتا ہوں اس کے ملنے کی کچھ تم دعا کرو
قبلہ و کعبہ خداوند ملاذ و مشفق
مضطرب ہو کے اسے میں نے لکھا کیا کیا کچھ
پر کہوں کیا رقم شوق کی اپنے تاثیر
ہر سر حرف پہ وہ کہنے لگا کیا کیا کچھ
آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب ہوئے خاک انتہا ہے یہ
وصل اس کا خدا نصیب کرے
میر دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ
اس کے ایفائے وعدہ تک نہ جیتے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی
زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر
کس بھروسہ پہ آشنائی کی تو

وا اس سے سر حرف تو ہو گو کہ یہ سر جائے
ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے
تجھکو مسجد ہے مجھکو مے خانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے
کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میر کیا جانیں
انہیں معلوم جب ہوتا کہ ویسے ہی جدا ہوتے
دل کو تسکین نہیں اشک دمادم سے بھی
اس زمانہ میں گئی ہے برکت غم سے بھی
آج پھر تھا بے حمیت میر واں
کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی تو تو
میں جو بولا کہا کہ یہ آواز تو تو
اسی خانہ خراب کی سی ہے تو
آہ میری زبان پہ آئی تو تو
پھر بلا آسمان پہ آئی تو تو
جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آئے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے
اس ستمگار کے کوچہ کے ہواداروں میں
نام فردوس کا ہم نے کے گنہگار ہوئے
باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم
کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی
آلودہ اس گلی کی جو ہوں خاک سے تو میر
آب حیات سے بھی نہ وہ پاؤں دھوئیے

میکدہ سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میرؔ
ہو نہ لغزش کہیں صحبت ہے یہ بیگانوں کی

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے
کتنے ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

گھبرا نہ میرؔ عشق میں اس سہل زیست پر
جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے

دو حرف اس کے منہ کے تو لکھ بھیجیو شتاب
قاصد چلا ہے چھوڑ کے تو جاں بلب مجھے

اپنے تو ہونٹ بھی نہ ملے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ میرؔ یہ کیا بات ہو گئی

اب رحم پر اسی کے موقوف ہے کہ یاں تو
نے اشک میں سرایت نہ آہ میں اثر ہے

گھر دود جگر سے بھر گیا آہ
کب تک مری چشم تر نہ ہووے

سرگذشتیں نہ مری سن کہ اچٹتی ہے نیند
خاصیت یہ ہے مری جان ان افسانوں کی

پہنچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میرؔ
اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی لوٹ

میری تغییر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانہ کے

دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا
اور بھی وقت تھے بہانے کے
اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں
ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے
دل و دیں ہوش و صبر سب ہی گئے
آگے آگے تمہارے آنے کے
ایک شخص مجھی سا تھا کہ تھا تجھسے یہ عاشق
وہ اس کی وفا پیشگی وہ اس کی جوانی
یہ کہہ کے میں رویا تو لگا کہنے نہ کہہ میر
سنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی
پاس ناموس عشق تھا ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے
چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اٹھایا ہم نے
سرہانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے
بہت سعی کیجے تو مر رہیے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے
اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ عاشق ہے تو کہیں
القصہ خوش گذرتی ہے اس بدگمان سے
جس جگہ دور جام ہوتا ہے
واں یہ عاجز مدام ہوتا ہے

میر صاحب بھی اس کے ہاں تھے پر
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

کبھو وادی عشق دکھلاتے
بہت حضر بھی دل گھبرا ہے

آئے کبھی جو واں سے تو یاں ہستی تھی اداس
آخر کو میر اس کی گلی ہی میں جا رہے

کھل گئی بات تھی سو ہر ایک پر تو
تو وہی منہ چھپائے جاتا ہے

وہ تو بگڑے ہے میر سے ہر دم
اپنی سی یہ بنائے جاتا ہے

کعبہ میں جاں بلب تھے ہم دوریٔ بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو اب کے خدا کے ہاں سے

نکتہ داں بھی خدا نے تم کو کیا
پر ہمارا نہ مدعا سمجھے تو تو

آسماں شاید ورے کچھ آ گیا
رات سے کیا کیا رکا جاتا ہے جی

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

تیز یوں ہی نہ تھی شب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

رحم بھی دینا تھا تھوڑا ہائے اس خوبی کے ساتھ
تجھ سے کیا کل گفتگو یہ داور محشر سے تھی

وہ کہاں دھوم جو دیکھی گئی چشم تر سے
ابر کیا کیا اٹھے ہنگامہ سے کیا کیا برسے

یہ رات ہجر کی یہاں تک تو دکھ دکھاتی ہے
کہ شکل صبح مری سب کو بھول جاتی ہے

ڈر کیوں نہ محلے میں رہے رونے سے میرے
سیلاب نے اس کوچہ میں گھر مول لیا ہے

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

مقدور تک تو ضبط کروں پر میں کیا کروں
منہ سے نکل ہی جاتی ہے ایک بات پیار کی

قاصد کی تصنع نے کیا دل کے تئیں داغ
بنتا ہے مجھے دیکھ کے کچھ بات بنائی

واعظ ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میرؔ
آؤ میخانے چلو تم کس کے کہنے پر گئے

حیرت سے دیکھ رہیوا سے نامہ بر منہ اس کا
بس اور کچھ نہ کہیو ہر گز مری زبانی ٹک

حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں ٹک
مرگ فرہاد کیا کیا تو نے ٹک

پتھر کی چھاتی چاہئے ہے میرؔ عشق میں
جی جانتا ہے اس کا جو کوئی وفا کرے

فریاد شب کی سن کے کہا لے دماغ ہو
دیکھو تو اس بلا کو یہ شاید کہ میرؔ ہے

تمرے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی
جی ہے دینے کا نہیں کڑھنا فقط
اس کے در سے جانے کی حسرت بھی ہے
اس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے
لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے
خدا کرے مرے دل کو ٹک ایک قرار آئے
کہ زندگی تو کروں جب تلک کہ یار آئے
نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دعا کر میرؔ
کہ اب جو دیکھوں اسے میں بہت نہ پیار آئے

(ن)

۶۰۵- ناجیؔ تخلّص

محمد شاکر، اس شہر کے شعرا میں سے ہیں، اس شہر کے رہنے والے اور محمد شاہ کے معاصر ہیں، ایہام گوئی کے بہت شائق تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تری نگاہ کی حسرت سے اے کمان ابرو
ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہے تیروں کا
محبت سے علی کی دیکھ ناجیؔ
ہوا ہے دل مرا اب حیدرآباد

گر سلیماں کا تخت دیں مت لے
کہ سب آخر کو جائے گا برباد
دیکھ دلبر تری کمر کی طرف
پھر گیا پانی اپنے گھر کی طرف
غم نہیں گر دلبری سے دل کو لیجاتا ہے وہ
پاس میرے جب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ
غرض غصہ میں کبھی اہل وفا کی نہ سنے
ہٹ پہ آجائے وہ کافر تو خدا کی نہ سنے
تصور سے ترے رخ کی گئی ہے نیند آنکھوں سے
مقابل جس کے ہو خورشید کیونکر اسکو خواب آوے

۶۰۶۔ نالاں تخلص

محمد عسکری، دہلی کے مغلوں میں سے ہیں، مصحفی نے ان کو اپنے اول شاگردوں میں لکھا ہے، ان کے انتقال کو دو سال کا عرصہ ہو رہا ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سحر کے ہونے کا از بس خیال رہتا ہے
شب وصال بھی دل کو ملال رہتا ہے
وہ بدگماں ہوں کہ اس بت کے سایہ پر بھی مجھے
رقیب ہی کا سدا احتمال رہتا ہے

۶۰۷۔ نالاں تخلص

عظیم آباد کے شعراء میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

پھر ان دنوں ہیں تم نے یہ روزِ خونکالی
ملنا کسی سے جاکر بہ نام ہم کو کرنا

۶۰۸۔ نادم تخلص

دہلی کے متوسط لوگوں میں سے ہیں، میر حسین تسکینؔ کو اپنا کلام دکھلاتے تھے نمونہ کلام یہ ہے:۔

آتے ہی تری شام ہوئی جلد کس طرح
کیا آفتاب داغِ دل بے قرار تھا
آج پھر دیکھیں کہ ہوتی ہے سحر کس طور سے
شام ہی سے جوش پہ کچھ نالہ شب گیر تھا

۶۰۹۔ ناصر تخلص

نواب ناصر جنگ، نواب مظفر جنگ بنگش کے صاحبزادے ہیں، جن کے مرتبہ کی شمع سورج کے چراغ کی طرح روشنی سے مستغنی ہے ۱۲۴۸ھ میں اس جہان کو خیرباد کہا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آگے تو تھی ہی بر سرِ پیچش کمندِ زلف
پیچھے پڑی ہے کاہے کو کاکل بلا کی طرح

۶۱۰۔ نادر تخلص

گنگا سنگھ، لکھنؤ کے رہنے والے اور میر حسنؔ کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

قاصد تو اس بہانہ سے اس پاس جائیو
یہ کس کا خط ہے مجھکو ذرا پڑھ سنائیو

۶۱۱۔ نادر تخلص

میر محمد عارف علی کشمیری الاصل ہیں اور دہلی میں رہتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سو طرح سے بات اگر کیجے تو کھلتا ہی نہیں
مجھ میں او اس میں نہ جانوں پڑ گئی ہے کیا گرہ

۶۱۲۔ نازک تخلص

نام زینت حسین طوائفوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یاد آتے ہیں ان آنکھوں میں انداز نشے کے
ساقی مے گلرنگ سے جب جام بھری ہے
ہے نالہ و زاری کا مرے شور فلک تک
پر وہ بت مغرور کوئی کان دھرے ہے

۶۱۳۔ ناظم تخلص

سوائے اس کے کہ اہل لکھنؤ سے متعلق تھے، ان کا حال منکشف نہیں ہوا نمونہ کلام یہ ہے:۔

وصل ایسا ہو گیا اس کے بدن سے میرا تن
رات کو میں یار سے یک جاں دو قالب ہو گیا

۶۱۴۔ نامی تخلص

مرزا رجب علی بیگ، لکھنؤ کے رئیسوں میں سے اور امیر الدولہ حیدر بیگ خان کے بھتیجے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

بسکہ مدت سے ہے راہ انتظار یار پر
چھا گئی آخر سفیدی دیدۂ خونبار پر

۶۱۵۔ نامی تخلص

مبارز الدولہ نواب مرزا حسام الدین حیدر خان بہادر کا سلسلۂ قرابت والیٔ لکھنؤ تک پہنچتا ہے، جلیل الشان امرا میں سے ہیں، طبع سلیم و فکر مستقیم رکھتے ہیں، نیک خصلت اور نیک کردار انسان ہیں، اپنا ثانی نہیں رکھتے، اس ہیچمدان کے والد بزرگوار کے دوستوں میں سے ہیں، میر مستحسن خلیق کو اپنا کلام دکھلاتے تھے، اب اشعار تو نہیں کہتے مگر سننے کی رغبت اب بھی باقی ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دم شماری میں مجھے چھوڑ کے جانا کیا تھا
جان جانے کو بھی عاشق کے بچانا کیا تھا

ربط محبت جو باہم تھا ہم میں ان میں چھوٹ گیا
دونوں طرف سے رہی جو کشیدہ رشتۂ الفت ٹوٹ گیا

تابش خور سے نہ کس طرح وہ کمھلا جائے
عارض یار ہے ہم رنگ گل تازہ صبح

تھک گئے ہم تو شب ہجر میں نالے کرتے
کیوں سناتا نہیں مرغ سحر آوازۂ صبح

قتل کے دم بھی نہ کچھ نامی نے قاتل سے کہا
کیا بیاں تم سے کروں اس کم سخن کی سرگذشت

امید دل دہی اس سنگ دل سے سخت بیجا ہے
مگر ان چاہنے والوں کا پتھر کا کلیجا ہے

مرید پیر مغان پیر خانقاہ گئے
یہ بے طریق گئی ہم نے رو براہ گئے
نہ اپنوں سے اسے الفت نہ بیگانوں سے ملتا ہے
دل وحشی کا اپنے طور دیوانوں سے ملتا ہے

۶۱۶۔ نامی تخلص

باوجودیکہ ان کا تخلص نامی ہے مگر ان کا نام گمنامی میں ہے، ان کی طبع شریف کا نتیجہ یہ ہے:۔

آتش عشق سے نامی کا جگر جلتا ہے
آپ ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں کوئی آ دیکھے
واہ کیا خوب مثل ٹھیک بندھی ہے اس دم
گھر کسی کا جلے اور کوئی تماشا دیکھے

۶۱۷۔ ناسخ تخلص

امام بخش، لکھنؤ کے باشندے ہیں، ان کی طبیعت کے باغ کی نسیم خوشبو پھیلاتی ہے اور ان کے فکر کے پھول کی شمیم دلفریب ہے۔ ان کے غور و فکر کا بلند پرواز شاخ سدرہ کے علاوہ کسی اور جگہ آشیاں نہیں بناتا اور ان کے خیال کا تیز رفتار پرندہ بجز بام فلک کے کسی اور جگہ جلوہ فگن نہیں ہوتا، والحق عالی مرتبت بلند فکر اور نازک خیال ہیں اور تازہ مضمون اور سیراب مطالب کی جستجو میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، اصناف شاعری میں سے غزل گوئی کے شائق ہیں اور پھر رباعیات کے مگر آخر صنف نظر سے نہیں گزری، تمام عمر لکھنؤ میں گزاری، اور ایک زمانہ میں وہاں اراکین سلطنت سے بے خوف اور محفوظ نہ تھے۔ قیام کی مجال نہ پاکر الہ آباد

چلے گئے، پھر کانپور لوٹ آئے اب سابق ارکین کے تبدیل ہو جانے کے باعث لکھنؤ واپس آ گئے ہیں، کہتے ہیں کہ لکھنؤ اور احباب لکھنؤ کی جدائی کے زمانہ میں انہوں نے درد بھرے اشعار کہے ہیں، لکھنؤ سے ان کے نکلنے کا قصہ دراز ہے، جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں اور اس کے ساتھ موضوع کے خلاف بھی ہے، کیونکہ حکایات کا بیان سمجھ کر اس کو متعلق نہ سمجھا، الا ماشاء اللہ ان کا دیوان ملاحظہ ہوا اس رسالے کی ترتیب اور تبلیغ کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ان کے فکر وقاد کا دوسرا دیوان بھی مرتب ہو کر شہر میں آ گیا ہے، لیکن آرام پسند طبیعت نے اس کے انتخاب سے لا اعتنائی برتی اور اس کے ساتھ یہ کہ کتاب شہرت حاصل کر چکی تھی اور متداول ہو گئی تھی، لہٰذا دخل و تصرف نامناسب سمجھا، یہ انتخاب دیوان اول کا ہے اور جدید غزلوں کے بھی دو تین اشعار جو بعض احباب تحفتاً لکھنؤ سے لائے تھے قلم بند کئے گئے ہیں:۔

مہندی سے ہے شعلہ قدم اس رشک پری کا
پاپوش نے سیکھا ہے چلن کبک دری کا
ہمنے جو بتی بنائی ہے ترے مو باف کی
نافہ مشکیں بنا ہے منہ ہر ایک ناسور کا
ایڑیاں بھی اب رگڑ سکتا نہیں کروٹ تو کیا
ہو چکا تابوت بن اٹھنا ترے رنجور کا
عکس پڑتا ہے جو تیرا آئینہ میں بیشتر
اضطراب اس واسطے جاتا رہا سیماب کا
یہ ساعد وں کا ہی اس کی عالم کہ جینے دیکھا ہوا شہید
نیام تیغ قضائے مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا
مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا
آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا

محشر میں ہم کو نامۂ اعمال دیکھ کر
قاصد خیال آئے گا خط کے جواب کا

کافر ہوں سیر ہم رہیں محروم واعظا
گر میکدہ پہ حکم نہ جاری خیرات کا

دے دوپٹا تو اپنا ململ کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا

یہ لگائے مجھے وحشت نے اڑا پھرتا ہوں
مجھ سا پامال کوئی خار بیاباں نہ ہوا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شب فرقت میں تو احساں ہوتا

وصل سے یاں آج بھی ہے عید کل بھی عید تھی
کیا شب فرقت میں ظالم طول تھا یکساں کا

ذبح کر ڈالوں گا گر اب کے تو بولا شب وصل
میں نے سو بار تجھے مرغ سحر چھوڑ دیا

تھی شہادت سے غرض سو اس ادا میں ہو گئے
گو نہ قاتل سے نزاکت کے سبب خنجر اٹھا

دور سے دیگی دکھائی روشنی جائے سواد
یاد رکھ قاصد نشاں ہے یہ دیارِ یار کا

لاغر ایسا ہوں کہ میں اکثر ہوا سے اڑ گیا
میرے پیکر میں ہے عالم کاغذی تصویر کا

آگے کشت آرزو کے آبرو میری رہی
برق ہی گرتی جو میں باران رحمت مانگتا

ہاتھ دوڑائے زمیں ہے سو شہیدِ ناز نے
آگیا چلنے میں قاتل کا جو دامن زیرِ پا
دیں گے تیرے بازوئے نازک کو ہم تکلیفِ تیغ
لائیو اپنے شہیدوں کے نہ مدفن زیرِ پا
بس میں ہوتا نہ پرائے میں کبھی اے ناسخ
آہ میرا مرے قابو میں اگر دل ہوتا
لے چلی موت مجھے سوئے حسینانِ بہشت
ایک دم پاس جو وہ حور شمائل نہ ہوا
روزِ روشن تیرہ بختی سے نہ دیکھا عمر بھر
شب کے شب گویا میں اس محفل میں ہمارہ گیا
اشک بے تاثیر کو نادم کیا برسات نے
مینہہ کے باعث میری گھر میں رات جاناں رہ گیا
شوق اسے کہتے ہیں مجنوں جو لحد سے نکلا
شورِ محشر کو بھی آوازِ حدی خواں سمجھا
تجھ سے انصاف تو کر جھٹ نہ سکا ایک رقیب
میں نے کیونکر تری الفت میں زمانہ چھوڑا
کیا خبر تھی کہ تری غیر کے دل میں ہے جگہ
رات ہم نے نہ کوئی تیر اٹھکانا چھوڑا
کس چین سے ہم اس کے تصور میں محو تھے
کنجِ لحد میں شورِ قیامت مخل ہوا
ثابت قدم ہم اپنے وفا پر جو ہیں سو ہیں
ناسخ ہزار بار وہ پیمان گسل ہوا

کی ہے یہاں شدت سے شدت ہم نے شکال اشک نے
کیوں نہ واں آجائے موسم سبزہ کے آغاز کا
ہاتھ میں تیری نہ ٹھہریگا وہاں مکتوب شوق
یاد رکھ قاصد یہی ہے بس نشاں کوئی دوست
ہے یہاں کس کو شب فرقت میں ہوش
ہو چکی ہو گی ہزاروں بار صبح
اس نے جس سنگ پہ کھودی تھی شبیہ شیریں
قبر فرہاد کو لازم ہے اسی کا تعویذ
اپنے صنم کو لے کے شب وصل باغ میں
بھاگا ہیں آشیانہ مرغ سحر سے دور
مر گیا کیا ناسخ مے کش جو سارے مے فروش
مسجدوں میں بیٹھے اپنی اپنی دوکاں چھوڑ کر
اے میکشو نزاکت ساقی کو دیکھنا
لاتا ہے رکھ کے مثل سبو جام دوش پر
رنج اٹھائے ہیں حسینوں سے جہاں میں اس قدر
بعد مردن بھی نہ آنکھ اپنی پڑے گی حور پر
خط جو ہم کر چکے تحریر تو پہنچانے کو
آشیانوں سے نکل آئے کبوتر باہر
بس یہی تدبیر اب ان کے بھگانے کی رہی تو
جی میں ہے ہو جاؤں عاشق چند روز اغیار پر
شب جدائی اس نے روٹھے حیرت افزا تو نقاب
چاند کی مثل سفیدی رہ گئی دیوار پر

جنت کو جائیں گے لئے دوزخ بغل میں ہم
ناسخ یونہی جو بعد فنا ہے وفائے داغ
پہلے تیشہ مارتے خسرو کے اے شیریں دہن
جی نہ کھوتے مفت اپنا ہوتے گر فرہاد ہم
حال دل کہنے کی ناسخ جو نہیں پاتا بار
پھینک جاتا ہے وہ اشعار ترے کوچہ میں
انتقام اس کا کہیں لے نہ فلک ڈرتا ہوں
جھوٹے وعدوں سے جو وہ شاد کیا کرتے ہیں
عشق میں دل کو پھنسایا تو ہوا غیر کو رنج
نہیں اپنے میں مروت جو ہے بیگانے میں
دکھلا گیا کبھی نہ وہ چشم سیاہ کو
آنکھیں مری سفید ہوئیں انتظار میں
سر رگڑوں آستان بت نازنین سے میں
ہے جی میں داغ سجدہ مٹادوں جبیں سے میں
فیلسوفی محتسب کی دیکھنا اے میکشو
توڑتا ہے شیشۂ مے میکدہ کی راہ میں
بلبشیر نشہ ایجاد سے بے ہوش ہوں میں
خم گردوں کبھی نہ تھا جیسے کہ مے نوش ہوئیں
جو مجھ کو یار نے مارا تو غیر کو کرد قتل
عزیزو اس کے سوا اور انتقام نہیں
عشق کا ہو دعا اے ناسخ نہ کیونکر لا دوا
زخم ہائے تیر مژگان کا نشان ہوتا نہیں

وہ ادھر رخصت ہوا اٹھا ادھر طوفان اشک
تیز تا جاتا ہے اس قاتل کا توسن آب میں
ہم مست بھی تارک لذات نہ اہد ا ئے گو
ایک دن تو دیکھ کیسی ہے تلخی شراب میں
صبح فرقت تیرگی میں شام سے کچھ کم نہیں
چاند نکلا ہے افق سے نیر اعظم نہیں
ہر کسی کا کام رکھتا ہے ادھورا آسماں
گو بہم پہنچا سر شوریدہ تو پتھر نہیں
قوی ہوں گو ستم آسماں سے زار ہوں میں
الجھ کے دامن محشر اٹھے وہ خار ہوں میں
ہوا اگرچہ سبک دشمنوں کی نظروں میں
پر اپنے دوست کے دل پر ہنوز بار ہوں میں
بار ہا بیٹھ کے کعبہ میں لنڈھائی ہے شراب
محتسب کیا ہے خدا کا ہمیں جب پاس نہیں
کیوں اٹھا لائے ہیں ہمدم مجھکو ناسخ بعد قتل
چین سے لاشہ پڑا تھا کوچہ سفاک میں
ہے جو یوں مکروہ طبع پاک کو مضمون غیر
وصل کا مضمون شایاں اپنے دیوان میں ہے
رحمت حق جوش پہ ہے کیوں نہ عصیاں کیجئے
شغل بہتر مے کشی سے ابر و باراں میں نہیں
بھلا تکبر و غیبت سے زاہد حاصل
یہ رند کیا ہی مزہ کے گناہ کرتے ہیں

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
جس سر زمیں کے ہم ہیں وہاں آسماں نہیں

دھوکا نہ کھا ظروف وضو کو تو دیکھکر
مسجد ہے میفروش کی ناسخ دوکاں نہیں

صبح محشر سے سوا صبح شب وصل ہے شیخ
آج ہے تجھ سے زیادہ غم فردا ہم کو

دم اخیر تو کر لوں نظارہ جی بھر کر
الٰہی خنجر سفاک آبدار نہ ہو

دو شب تار سے تشبیہ ہمارے دن کو
تیرگی سے نظر آتے ہیں ستارے دن کو

نہ کیوں بندہ رقیبوں کو جلائے ای تو ہر دم
جہنم میں خدا بھی ڈالتا ہے اپنے دشمن کو

یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار کو
جس طرح ہو بات بھاری مردم بیمار کو

رحم آجائے اگر موران گوئے یار کو تو
کھینچ لے جائیں لحد سے میرے جسم زار کو

دعائے مرگ دی اس کو تری جور و جفا سنکر
مسیح آیا ترے بیمار کی جو چارہ سازی کو

بھولے نہ بعد مرگ بھی ہم رقص یار کو
ٹھوکر کی آرزو ہے ہمارے مزار کو تو

آئی شب وصال ہوئی صبح شام سے
قسمت نے آفتاب کیا ماہتاب کو تو

ہوش اڑتے ہیں جو سنتا ہوں تری آواز کو
کیا ترے پردے سے نسبت پردہ ہے ساز کو

تیرے کوچہ کے سوا ہو جو تمنائے بہشت
جاؤں دوزخ کو مرا حشر ہو شداد کے ساتھ

کیسی شب وصل آئی نظر شام و سحر ساتھ
گھڑیالیوں نے دونوں بجائے ہیں گجر ساتھ

خط نکل آیا وہاں باقی ہے یہاں مضمون شوق
دیکھئے کب ہو فراغت نامہ کی تحریر سے

فندقوں سے گوری گوری انگلیاں ہیں مثل شمع
ہے بجا تمثیل ناخن گیر کو گلگیر سے

مے پرستو آؤ کر لیں محتسب کو سنگسار
بچ رہے ہیں سنگ کچھ میخانہ کی تعمیر سے

زار انتظار خط نے کیا اس قدر مجھے
پہچانتا نہیں ہے مرا نامہ بر مجھے

یہ آدمی ہے کہ برسوں جمال رہتا ہے
وگرنہ ماہ کو یک شب کمال رہتا ہے

یہ پھک رہا ہے مرا جسم آتش غم سے
کہ طوق بھی مری گردن میں لال رہتا ہے

ٹھوکر ایک پائے حنائی سے لگایا چاہئے
پھول کوئی میری تربت پر چڑھایا چاہئے

داغ فرقت زیست بھر سوز جہنم بعد مرگ
ان بتوں کو کس توقع پر خدا یا چاہئے

یہاں سر کاوش توانائی کے عالم میں نہ تھا
آج جسم ناتوان کیوں خار پائے مور ہے
تنگ ہو کر جب کہا میں نے کہ مر جاؤں کہیں
بدگماں سمجھا کہ اس کو اشتیاق حور ہے
آتے آتے کیوں نہ الٹے پاؤں بھاگے دور سے
صبح ڈرتی ہے بہت میری شب دیجور سے
باد کے مانند ساقی لے اڑا پانی مجھے
کشتی مے ہو گئی تخت سلیمانی مجھے
آیا مہ صیام علی الرغم محتسب
روزے شراب سے سر بازار توڑے
فرقت قبول رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم رقیب تری انجمن میں ہے
فصل گل ہے چار دن ایام توبہ ہیں مدام
عمر بھر اے مے کشو باب اجابت باز ہے
یہ لگی چاٹ مرے زخموں کو تسکیں نہ ہوئی
ہو گئے یار کے کتنے ہی نمکداں خالی
دو چار حرف پوچھیں اگر اور بھی ہم سے
ہستی کی طرف منہ نہ کرے کوئی عدم سے
تارے سیاہ ہوتے ہیں تشبیہ کے لئے
مضمون ڈھونڈھتا ہوں اگر اس کے خال کے
ڈر تھا اثر کا اس کو سو وہ بھی نکل گیا
نادم ہوا ہوں منہ سے میں نالہ نکال کے

شرق سے کانپتا نہیں نکلا یہ بے سبب
خورشید ڈر گیا مرے روز سیاہ سے
دھوئی گئیں اشک کے طوفان سے لوح محفوظ
سرنوشت اپنی ہی ناسخ نے مٹائی ہوتی
شوق مے نے کردیا اس درجہ مجھکو بے حواس
محتسب سے راہ پوچھی خانۂ خمار کی
اے موذن کر دعا جائے اذاں تو
وصل کی شب اور کوئی دم رہی تو
وصل کو لکھا ہے ناسخ درد عاشق کی دوا
دل ہمارا قابل تشخیص جالینوس ہے
دامن اگر نہ فتنۂ محشر سنبھالتا
چلنا محال تھا سے دامن کے بوجھ سے
میرے لاشہ کے وہ ہمراہ لحد تک ہووے
اے اجل تیرا قدم مجھکو مبارک ہووے

---

۶۱۸ - نثار تخلّص

عبدالرسول، اکبرآباد کے شعراء میں سے ہیں اور میر و سودا کے معاصر ہیں، نمونہ کلام یہ ہے :-

ہاتھ سے ان خامہ زیبوں کی نکل جائیں گے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلائیں گے ہم
ماہ رو کی جو مہربانی ہے
یہ مدد ہم پر آسمانی ہے

اس کے عارض کو دیکھ جیتا ہوں
عارضی میری زندگانی ہے
جب حرف محبت کے باہم سے گئے گزرے
ہم تم سے گئے گذرے تم ہم سے گئے گذرے
تم انجمن میں رات عجب آن سے گئے
بسمل کئی پڑے ہیں کئی جان سے گئے

۶۱۹۔ نثار تخلص

نثار علی بلگرامی، ایک عاشق مزاج شخص ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔
اترے ملک فلک سے یوسف زمیں سے نکلے
ممکن نہیں کہ تجھ سا کوئی کہیں سے نکلے
بوسے کے بدلے گالی شیریں لبوں سے پائی
یہ بھی نصیب اپنے زہر انگبیں سے نکلے

۶۲۰۔ نثار تخلص

محمد امان، سعادت اللہ معمار کے صاحبزادے ہیں، کہتے ہیں کہ جامع مسجد کی تعمیر ان کے بزرگوں میں سے کسی نے کی ہے ان کو بھی فن تعمیر میں اچھا خاصہ دخل ہے شاہ حاتم کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔
اس ابر میں وہ ساقی گل فام نہ آیا
کیا یار جو یاروں کے کبھی کام نہ آیا ؎
چھوڑ کے تنہا مجھے جب کہ وہ گھر جائے گا
جان ادھر جائے گی یار ادھر جائے گا

اس کے پاؤں سی لگی رہتی ہی دن رات حنا
خوب دنیا میں بسر کرتی ہے اوقات حنا

اے محتسب نظر کی تو نے اگر سبو پر ٹو
سنتا ہے مر مٹیں گے ہم اپنی آبرو پر ٹو

نامہ کو مرے پڑھ کے پٹک دی ہے زمیں پر
دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک

خوبی میں ترے حسن کی کچھ حرف تو کب ہے
لیکن یہ ذرا خط ہے سو اصلاح طلب ہے

زخمی کو محتسب کے طرح سے راحت ہے
گر لون کبھی تو جھڑ کے تو سنگ جراحت ہے

مجھ میں اور ان میں سبب کیا جو لڑائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی ٹو

گردش کا اس نگاہ کی اب طور اور ہے ٹو
اے ساکنان سے کدہ یہ دور اور ہے

صورت موافقت کی کبھی سو جھتی نہیں
صاحب کی وضع اور مرا طور اور ہے ٹو

اس آئینہ طلعت کی اب مجھ سے یہ صورت ہے ٹو
ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے

۶۲۱۔ بخف تخلص

میر بخف علی قدما میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کس طرح ربط نہ ہو زلف سے دیوانوں کو
ربط ہوتا ہے پریشاں سے پریشانوں کو

۶۲۲۔ نجات تخلص

نام سید زین العابدین کہتے ہیں کہ فارسی میں ان کو ید طولیٰ تھا، بالخصوص قصائد میں، ان کا فارسی کلام نظر سے نہیں گذرا، کبھی کبھی ریختہ میں بھی فکر سخن کرتے تھے نمونہ کلام یہ ہے:۔

یہاں تلک سر کو پٹک ہجر میں توڑے پتھر
کہ نہیں دامن کہسار میں چھوڑے پتھر
آنکھیں پتھرا گئیں تسپر ہیں ٹپکتے آنسو
بل بے ہجران تری قدرت کہ نہ چھوڑے پتھر

۶۲۳۔ ندیم تخلص

مرزا غنی اشتہو۔ دہلیوں میں سے ہیں، امیر اور مرزا کے زمانہ میں دہلی میں رہتے تھے نمونہ کلام یہ ہے:۔

جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے معبدوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

۶۲۴۔ ندرت تخلص

مرزا مغل قدما میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مجھے تو پائے تخت عیش ہے نقش قدم اس کا
بڑی دولت ہی ندرت جو میسر ہوئی پا بوسی

۶۲۵۔ نزہت تخلص

مرزا ارجمند، نواب اعتماد الملک کے دربار میں خطوط نویسی کی خدمت پر مامور تھے نمونہ کلام یہ ہے:-

چاک کر پھینک دیا ہاتھ کا الجھاؤ گیا
ایک قصہ تھا گریبان کے سلوانے کا

۶۲۶۔ نزاکت تخلص

آفتاب و ماہتاب، حسن میں یکتا خوبصورتی میں بے مثال، جاں نواز، دل آرام، نام رنجو اور اصل وطن نارنول ہے جوانی ہی سے شاہجہان آباد میں جلوہ فرما ہیں، اس مبارک شہر کے لئے باعث زینت ہیں، ایک شیریں معشوق اور ایک نمکین دلبر ہیں، ان کے رخسار کی تابانی کے سامنے خورشید کی تابانی شرمندہ اور ان کے قد زیبا کے آگے شمشاد سرنگوں ہے، کلی نے کھلنے کا انداز ان کے لب خنداں سے سیکھا ہے، شمع نے ان کے عارض رخشاں سے روشنی حاصل کی ہے، ان کی گلی کی نسیم باد بہاری سے زیادہ عطر پاش ہے، ان کے زلفوں کی خوشبو تاتاری ہرنوں کے ناف سے زیادہ معطر ہے، خوش رو، خوش خو، خوش رفتار، خوش گفتار، خوش وضع اور خوش قطع، گلشن جوانی کے تازہ گل ہیں، چمن حیات کے تازہ ثمر ہیں، گلشن حسن کے تازہ سرو ہیں، ان صفات ظاہری کے باوجود محاسن باطن سے مزین ہیں فکر کی صفائی، ذہن کی جودت اور فہم کی درستگی میں یکتائے روزگار ہیں، ان کی لطیف طبیعت فطرت کے تقاضہ کی بناء پر فنون عالیہ کے اکتساب کی طرف مائل ہے، اور فطرتاً ناپسندیدہ باتوں سے نفور اور پسندیدہ امور کی طرف منعطف ہے زیر کی متانت، فطانت اور شوخی سے بالکلیہ بہرہ مند ہیں، دردمندی، بے دردی، وفا پروری اور بے رحمی کے آئین سے بخوبی واقف، کبھی کبھی فکر سخن کرتے ہیں، اور

دلکش اشعار کہتے ہیں، ان کا اسلوب بیان بھی بہتر ہے اور یہ چند اشعار ان کے ہیں :۔

بسکہ رہتا ہے یار آنکھوں میں
ہے نظر بے قرار آنکھوں میں
محفل گل رُخاں میں وہ عیار
لے گیا دل ہزار آنکھوں میں
سرمۂ خاک پا عنایت ہو
آگیا ہے غبار آنکھوں میں
کیجے جو رقیبوں سے برائی تو کہے وہ
ہے وہ ہی وفادار جو ایسوں سے نباہے
پڑا ہے خون دل سر سے قدم تک جا بجا میرے
بنایا تھا مجھے گویا کہ خاک کوئے قاتل سے
کہتا ہے آپ کی بھی ہے کیا عاشقی غلط
گر کہئے تیرے عہد میں الفت نہیں رہی
کیا کیا عذاب اٹھائے ہیں اندوہ عشق کے
جز نام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہے
ہوں نزاکت والے کوئی کیا ذکر لو
دم رخصت تم سے سنبھال سکے لو
کیوں نہ میں قربان ہوں جب وہ کہے ناز سے
ہم کو جفا کا ہے شوق اہل وفا کون ہے
مرے شوق پنہاں کی تاثیر دیکھو
کہ دل دار بھی دلربا جانتا ہے

نزاکت ہوں ہر ناتوانِ محبت
لطیفہ مرے نام کا جانتا ہے
نا منصفی اور اے بت بیداد گر ایسی
چاہت تری غیروں کو بھی ہوگی مگر ایسی
حرمان ہے اگر چاہ کی تعذیر تو ظالم
تقصیر نہ ہوگی کبھی بار دگر ایسی
ہم بزمیٔ دشمن کو چھپانا ہی تھا قاصد
کہتا ہے کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی

۶۲۷۔ نسیم تخلص

نام گلزار علی، شرف الدین مسرور کہتے ہیں کہ نسیم نے میرے والد سے اکتساب سخن کیا تھا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جنت اگر ملے تو مجھے اب نہیں تلاش
اے وائے کیا کروں کہ ہے وہ رشکِ حور دور
غیروں کے ساتھ اس کو تو سارے تپاک ہیں
ایک ہم ہی اے نسیم اڑانے کو خاک ہیں

۶۲۸۔ نسیم تخلص

مرزا راجہ کیدار ناتھ بہادر، راجہ رام ناتھ بہادر کے پوتے اور ایک متین شخص تھے، رئیسوں میں شمار ہوتے ہیں، دربار سلطانی کی نظارت کی پیش کاری پر ور انشاء مامور ہوئے ان کے انتقال کو دو سال ہوئے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

قتل ہاتھوں سے تری عاشق رنجور ہوا
درد سر روز کا تھا خوب ہوا دور ہوا

۶۲۹۔ نشاط تخلص

مولوی الٰہی بخش، فاضل اور عاقل شخص تھے اور قصبہ کاندھلا کے رہنے والے تھے فنون علمی کا اکتساب مولانا عبدالعزیز قدس سرہٗ سے کیا تھا، ممیز لوگوں میں سے تھے اور بے مثال فقیہ تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

تیغ ابرو کا اگر کچھ بھی اشارہ ہو جائے
آپ کا نام ہو اور کام ہمارا ہو جائے

۶۳۰۔ نشاط تخلص

السیہری سنگھ عرف بسنت سنگھ کا تستھ اسندر داس کے صاحبزادے تھے، اجودفتر خالصہ کے متصدی تھے، خود کو انشاء اللہ خاں کے شاگردوں میں تبلاتے تھے نمونہ کلام یہ ہے:-

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا
ترے کوچہ میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا
پاؤں تک دسترس کہاں ہے نشاط
ہاتھ سے ہاتھ لگ نہیں سکتا
ہو اجازت تو ذرا لیجے دم سایہ میں
تیرے دیوار کے آپہنچے ہیں ہم سایہ میں
تڑپوں ہوں دیکھنے کو ہے وقت آخری یہ
وہ آئے یا نہ آئے یارو بلا تو دیکھو ٹک

۶۳۱ ۔ نصیر تخلص

شاہ نصیر الدین، سجادہ نشین، شاہ صدر جہاں علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں سے ہیں، ساٹھ سال دشت عشق کی خاک چھانی ہے، مشہور شہروں مثلاً لکھنؤ، حیدرآباد وغیرہ دو دو دفعہ گئے اور ہر شہر کے مشہور شعراء سے استفادہ کیا، طرحی اور غیر طرحی مشاعرہ کرتے تھے، استاد مشہور تھے، جہاں آباد کے قیام کے وقت ہر ماہ کی پندرھویں اور انیسویں تاریخ کو محفل مشاعرہ منعقد کرتے اور سنگلاخ زمینوں میں غزلیں کہتے تھے، اس فقیر کے ساتھ بھی متعارف اور شناسا ہیں، نیک انسان اور اچھی صفات کے حامل ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

پشت لب پر ہے ترے یہ خط ریحاں ایسا
منہ تو دیکھو لکھے یاقوت رقم خاں ایسا

نکلی تھی دم تیشہ زنی سنگ سے آواز
فرہاد یہ دشمن ہے تری جان کا لوہا

قیامت آپ کا قد اس کے دل پذیر ہوا
چھڑی لے سرو چمن بے نوا فقیر ہوا

کمان و تیر نمط ربط تھا مجھے اس سے
جب اس نے آپ کو کھینچا میں گوشہ گیر ہوا

خود بخود طاق سے شیشہ جو گرا اے ساقی
روح تھی کس کی یہ مینائے مے ناب میں بند

قدم نہ رکھ مرے چشم پر آب کے گھر میں
بھرا ہے نوح کا طوفاں حباب کے گھر میں

کبھو نہ اس رخ روشن پہ چھائیاں دیکھیں
گھٹائیں چاند پہ سو بار چھائیاں دیکھیں

سب سے ملاؤ ابرو ہم سے نفاق رکھو
اس دوستی کو اپنی بالائے طاق رکھو

دیجے دل میں کیوں جگہ اس آہ بے تاثیر کو
جس میں پیکاں بھی نہ ہو رکھنا ہی کیا اس تیر کو

یہ عالم اس کے خط سبز نے دکھایا ہے
کہ جس کو دیکھ کے عالم نے زہر کھایا ہے

شوق نظارہ ترا کھینچ کے لایا تھا اسے
گرچہ تھی قیس کے پاؤں میں سلاسل بھاری

دیکھ لیتی جو اٹھا کر ترے کیا ٹوٹتے ہاتھ
لیلی ایسا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

دل کا کیا مول بھلا زلف چلیپا ٹھہرے
تیرے کچھ گانٹھ گرہ میں ہو تو سودا ٹھہرے

جنبش لب پہ قیامت ہے کہ جی اٹھے ہم
آج ایک بات میں تم رشک مسیحا ٹھہرے

دل یہ کہتا ہے کہ مت یاد بتاں دلواؤ
گچھڑے نے کا مرے پھر آپ مزہ دیکھیں گے

دیکھنے بیٹھا جو وہ مہ اپنے گھر کی چاندنی
جب تلک بیٹھا رہا ہر گز نہ سر کی چاندنی

ورد پردہ آنکھ یار سے لڑتے ہی رات سے
تار نگہ کو رشتہ ہے چاک قنات سے

۶۳۲۔ نظیر تخلص

شیخ ولی محمد اکبر آبادی کا مکان روضۂ تاج گنج کے قرب و جوار میں ہے جو بیرون شہر واقع ہے، شہروں میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور خصوصیت میں باغ شداد کے مترادف ہے، کہتے ہیں کہ نظیر حلم و اخلاق اور انکساری میں بے نظیر تھے بچوں کو تعلیم دیکر بسر اوقات کرتے تھے کچھ ہی دن ہوئے کہ اس جہان فانی سے کوچ کیا، اپنی یادگار میں بہت سے اشعار چھوڑے جو بازاری لوگوں کی زبان پر جاری ہیں، ان اشعار کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کا شمار شعراء میں نہیں ہونا چاہئے، لیکن منتخب الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے قطع نظر کیا ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سبھوں کو مے ہمیں خونابِ دل پلانا تھا
فلک ہمیں یہ تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا
ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کمبخت ترا چاہنے والا نکلا تو
داغ مرنے کا وہی محروم جانے جس کو آہ
موت آ پہنچی شتاب اور یار آیا دیر کر تو
سر چشمۂ بقا سے ہر گز نہ آب لاؤ
حضرت خضر کہیں سے جا کر شراب لاؤ
عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
ہیں دست و گریباں ہوں دم بازپسیں سے
ہمدم اسے لاتا ہے تو لا جلد کہیں سے
کچھ نہ دیکھا ہم نے جز بیداد تیرے ہاتھ سے
اے مرے بیداد گر فریاد تیرے ہاتھ سے

۶۳۳۔ نظیر تخلص

گھنپت رائے، ایک ہندو شاہ نصیر کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کیا زرد ہوئیں عشق کے آزار سے آنکھیں
ہم چشم ہیں اب نرگس بیمار سے آنکھیں

۶۳۴۔ نظیر تخلص

بنارس کے رہنے والے ہیں اور اپنے آپ کو سودا کے شاگردوں میں بتلاتے ہیں نمونہ کلام یہ ہے:۔

تا ایک نظر دیکھے تجھے اے مہ تاباں
رہتا ہے سدا مہر درخشاں ہمہ تن چشم

۶۳۵۔ نظام تخلص

نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر ایک جلیل القدر وزیر اور عالیشان امیر ہیں، ان کا حال شرح و بیان سے مستغنی ہے، مرزا سودا ان کے ثنا گویوں میں سے ہیں، قصیدہ کافیہ جو شوکت تمام کے ساتھ ان کی مدحت میں لکھا ہے، زبان زد ہر خاص و عام ہے، اکثر زبانوں میں انہوں نے شعر گوئی کی ہے میر شمس الدین فقیر اور سودا کہ داغستانی ان کے ندیموں میں سے ہیں، یہ لطیف اشعار ان کی طبع فکر کا نمونہ ہیں:۔

اعجاز لب اس کا دم عیسیٰ سے نہیں کم
وہ پنجۂ سیمیں ید بیضا سے نہیں کم
معدوم کو کیونکر کوئی ثابت کرے ورنہ
مضموں کمر یار کا عنقا سے نہیں کم

۶۳۶۔ نوازش تخلّص

نوازش حسین خاں، المشہور مرزا خانی، نواب ناصر خاں کے پوتے ہیں جو میر سوز کے شاگردوں میں سے اور صاحب دیوان ہیں، ان کا دیوان ملاحظے سے نہیں گذرا نمونہ کلام یہ ہے:۔

باتوں باتوں میں بات نکلے اُنہی کے مُنہ سے شاید
عزیزو جب تک جیا نوازش کسی سے کرتے سخن نہ دیکھا

مری چشم خونبار کے کر حوالے
رنگا چاہے گر ارغوانی دوپٹا تو

یہ بل کرتا ہے تو نوکِ مژہ کی آبداری پر
تجھے بھی طنطنہ کتنا ہے اتنی سی کٹاری پر

مجھے رونا نہ اپنے حال پر کس طرح سے آوے
نوازش برق بھی ہنستی ہے مری بے قراری پر تو

یہ سانس ہی پیکان ہے نشتر ہے کہ دل ہے
کانٹا سا کھٹکتا ہے یہ کیا آہ جگر میں

اس تند خو سے بوسے میں نے بصد سماجت
جب سو پچاس مانگے تب تین چار ٹھہرے

۶۳۷۔ نیاز تخلّص

مولوی نیاز احمد صوفی مشرب اور صافی طینت ہیں۔ بریلی میں رہتے ہیں نمونہ کلام یہ ہے:۔

وہ جو نقش پا کی طرح رہی تھی نمود اپنے وجود کی
سو کشش نے دامن ناز کی اسے بھی زمیں سے مٹا دیا

مجھے چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
یہ جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

صبر و قرار و شکیب طاقت و تاب و توان
اور تو سب چل بسے رہ گئی ایک جان تو
ہجر کی جو مصیبتیں عرض کیں اس کے روبرو
ناز و ادا سے مسکرا کہنے لگا جو ہو سو ہو

۶۳۸۔ نیاز تخلص

نام میر محمد، اکبر آبادی، بچوں کو تعلیم دیتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کہاں ہے دسترس اپنی جو پہنچے تیرے داماں تک
نہ پہنچے ناتوانی سے یہ ہاتھ اپنے گریباں تک

(و)

۶۳۹۔ واثق تخلص

حسن بخش خان، عازم الدولہ نے ان کو اپنے چچا کا بیٹا اور اپنا شاگرد لکھا ہے نمونہ کلام یہ ہے:۔

آتا ہے دل میں چاک گریبان کیجئے
صحرا کے آج چلنے کا سامان کیجئے

۶۴۰۔ واصل تخلص

محمد واصل، شاہی محل کے دربانوں کے سردار ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

سرگرم ناز کیوں نہ ہو وہ رشک آفتاب
عالم میں اس کے حسن کا بازار گرم ہے

۶۴۱۔ وجیہہ تخلّص

نواب وجیہہ الدین خان بہادر، حسام الدولہ نواب حسام الدین خاں بہادر کے چھوٹے بھائی ہیں جو شاہی منشیوں کے سرگروہ تھے، فاخر مکین کے شاگردوں میں سے ہیں اور فارسی میں بھی یہی تخلص کرتے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

تسکین نہ درد دل کو نہ آج ہو نہ کل ہو
بے یار بے کلی ہے وہ ہی ملے تو کل ہو

۶۴۲۔ وحشت تخلّص

جعفر علی حسرت کے شاگردوں میں سے ہیں، ان کا حال صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آہ آگے تو نکلتی تھی جگر سے باھر
اب جگر نکلے ہے خود دیدۂ تر سے باہر

۶۴۳۔ وحشت تخلّص

میر ابوالحسن، قصبہ میمون (متصل جہان آباد) کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

میں نے شروع نزع میں کی تھی تجھے خبر
پہنچا تو اس گھڑی کہ مرا کام ہو چکا

۶۴۴۔ واقف تخلص

فیض آباد میں درویش تھے، درحقیقت ان کے اشعار نہایت دلچسپ ہیں، نمونۂ کلام یہ ہے:۔

سرد ہے بازار خوباں گرم بازاری نہیں
کتنے یوسف دیکھتا ہوں پر خریداری نہیں
خوبرو ہو کے باوفا ہووے
میں نہ مانوں اگر خدا ہووے
عشق میں کیا فضل و ہنر چاہئے
آہ میں تھوڑا سا اثر چاہئے
صبح پر وصل یار کی ٹھہری
ہائے پھر انتظار کی ٹھہری

۶۴۵۔ والہ تخلص

فیض آباد کے ہندو ہیں، دہلی بھی آئے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

اعجاز لب اس کا دم عیسیٰ سے نہیں کم
وہ پنجۂ سیمیں ید بیضا سے نہیں کم
معدوم کو کیوں کر کوئی ثابت کرے والہ
مضمون کمر یار کا عنقا سے نہیں کم

۶۴۶۔ والہ تخلص

مرحمت خان کشمیری النسل اور اس شہر کے رہنے والے ہیں، لکھنؤ میں انگریزی اخبار کی داروغائی پر ممتاز تھے، ان کے آبا و اجداد صاحب عزت و وقار گذرے ہیں، فارسی میں بھی فکر سخن کرتے ہیں اور ثاقب تخلص ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

گئے جو بندوں میں اپنے تو ایک بار مجھے
تو خلق میں ہو خدائی کا اعتبار مجھے
ہے عیاں جلوہ ترا انسان کی تصویر سے
صورتِ معنی ہو ظاہر لفظ کی تحریر سے

۶۴۷۔ وحشت تخلّص

غلام علی خاں، میر فرحت اللہ خاں کے صاحبزادے، مولانا محمد رشید الدین کے داماد اور مراد آباد کے رہنے والے ہیں، شاہجہاں آباد میں نشو و نما پائی، یہ ایک کریم خاندان اور بزرگ اکابر زادوں میں سے ہیں، سر دست انگریزی عہدہ پر بلند شہر میں ممتاز ہیں، یہ سخن سنجی و سخندانی کی بلندی کے درخشاں مہتاب اور مضامین و معنی کے آسمان کے چمکتے ہوئے آفتاب ہیں اور ان کے گلہائے فکر معشوقوں کی محفل کے گلدستہ کے لائق ہیں، ان کی شعر و شاعری کے جواہرات مسکینوں کے کان کے بندے ہیں، ان کا ذوق گفتار دشمنوں سے بھی تحسین خراج حاصل کرتا ہے فن نظم کے میدان کو ان کے تیز گھوڑے نے روندا ہے، انصاف یہ ہے کہ فن شعر کے گلی کوچے ان کے چھانے ہوئے ہیں اور اس سے قطع نظر باوجود عالم جوانی کے ایک بڑے مرتبہ کے مالک ہیں، مقتضائے عمر کی بنا پر محبت کے رموز سے آگاہ ہیں، ان کے اضطراب سے محبت اور پریشانی کے آثار مترشح ہیں، یہ پیکر خلوص اور مجسمۂ وفاق ہیں، راقم سے ان کی دوستی کو مدت ہوئی، نہایت ربط و ضبط ہے مومن خاں کے نامور شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

دقّتِ مضمون سے لکھا مری تقدیر کا
کھل گیا اس پہ کہ یہ خط ہے اسی دل گیر کا

بسکہ رنج افزائے طبع نازکِ جاناں نہیں
آسماں پر ہے دماغ اس آہ بے تاثیر کا
اس نے دکھلایا جو خط غیر منہ فق ہو گیا
ہاتھ آیا اپنے یہ نسخہ نیا اکسیر کا
تھی زبس مرضی قاتل تو جدا زندہ ہوا
روز محشر سر بے تن تن بے سر میرا
غیر سے گر نہیں بے پر دہ ہوئے ہو تو پھر
آپ کا بندہ یہ کیوں روزنِ دیوار ہوا
ہے مناہی کہ نہ کھینچے کوئی محبوبوں کی شبیہ
اس قدر اب مری صورت سے وہ بیزار ہوا
دل ترا سنگ ہے پر آگ نہ نکلی گاہے
رخ ترا آئینہ ہے پر کبھی حیراں نہ ہوا
آیتیں حرمت صہبا کی سناتا ہوں اسے
ذکر سن کے رقیبوں کی مے آشامی کا
منفعل ضعف جنوں سے ہوئے ایسے کہ نہ پوچھ
طوق آہن جسے سمجھے تھے گریباں نکلا
سارے عالم سے صفائی ہوئی اپنی وحشت
کیا مکدر کہیں وہ آئینہ رخسار ہوا
میرے مرنے کی خبر غیر کو یوں دیتے ہیں
مر گیا وحشتِ جانباز تری جان سے دور
اے دل آساں نہیں جور اٹھانے اس کے
نوجواں یار ہے نہ کچھ فلک پیر نہیں

اڑ چکا ہے جو یہ شدت سے قلق کی بالکل
رنگ رخ میں میری اس واسطے تغیر نہیں
مجھ کو کثرت نے گناہوں کی بچایا کہ وہاں
ایسے مجرم کی مقرر کوئی تعذیر نہیں
جو نہ جاتا ہو کہیں کوچۂ جاناں کے سوا
ایسے دیوانے کو کچھ حاجت زنجیر نہیں
دل میں عدو کی ابڑھ گئی کیا الفت آپ کی
کچھ ان دنوں میں پہلے سے لطف و کرم نہیں
سن سن کے مجھ سے شکوۂ لطف عدو کہا
ان کو تو کچھ بھی رشک جفا و ستم نہیں
ناصح یہی تو عین محبت کی بات ہے
ان کو جو میرے مرنے کا ہجراں میں غم نہیں
جوش وحشت سے یہ حالت ہے کہ سایہ مجھسے
یوں گریزاں ہے کہ سایہ سے گریزاں ہوں میں
پھرے وحشت مری دن پھر کے جو دیکھا اس نے
گردش چشم ہوئی گردش دوراں مجھکو
میں تو میں سچ تو یہ ہے دشمن نہ بدلے ای فلک
مل گیا اس کا دوپٹہ چادر مہتاب سے
میں تو انسان ہوں یہ بیتابی دل ہے وہ بلا
ہجر کی شب خواب اڑ جاتا ہے فرش خواب سے
گرم غم خانہ ہے اتنا آہ آتش بار سے
بھاگتی ہے دھوپ میرے سایۂ دیوار سے

پردۂ جاناں کہاں مجھکو نصیب ای بوالہوس
حیرت آئے ہے ہجوم حسرت دیدار سے
موت کو بھی ہوا شوق شہادت ان دنوں
لگ گئی ہے آب کیا ظالم تری دیوار سے
بے تکلف آئے وہ بہر تماشا وقت نزع
کام آساں ہو گیا یاں مردن دشوار سے
ناز و شوخی دیکھنا کرتا ہے صرف بزم سوز
وہ ستمگر لے گیا میرا خون بہا اغیار سے
نازکی سے کس طاقت ناتوانی دیکھنا
جان آتی ہے نگاہ نرگس بیمار سے
دیکھیں کیا سوئے بہشت آنکھیں مری
اٹ رہی ہے خاک کوئے یار سے
کیوں نہ باطل سمجھوں اقرار وفا
سحر ٹپکے ہے تری گفتار سے
خط کے آنے سے گئی شرم سخن
آئینہ طوطی ہوا زنگار سے
نالہ میرا روز و شب سن سن کے عادت ہو گئی
اہل عالم اب نہیں ڈرتے بانگ صور سے
بزم میں ہر دم کریں کیونکر نہ ہم اغیار پر
ہے سیہ مستی نگاہ نرگس مخمور سے
آواز ہے اتنی کی خفامت ہو بید گو
گالی میں ان لبوں سے جو آیا مزہ مجھے

گذر اس اعتماد محبّت سے میں خدا
مجھ سے چھپائیں کاش وہ الفت رقیب کی
کہیں مورد جفائے یار کے ہم ہوں نہ بعد اس کے
مرے مرجانیکا اغیار کو اس واسطے غم ہے
تیر پہ تیر ناز کا دل پہ مرے گزار تھا
رخنۂ زخم ہر خدنگ دیدۂ انتظار تھا
اس اوج تک تو سیل سرشک اپنا جا بھرا
جس میں کہ ابر جوں کف دریا بہا بھرا
سانس بھی سینہ میں اب کھٹکے ہے میرے پھانس سی
کیا ہی زوروں پر چڑھی ہے ناتوانی آن دنوں
اس پائے حنائی پر رکھتا ہوں جو میں سر کو
کس ناز سے وہ ہنسکر کہتا ہے کہ بس سر کو
تھکا ہے منزلوں کا یا پیام یاس لاتا ہے
الٰہی خیر کیجو نامہ بر کچھ سست آتا ہے
حاجت تیر و کماں ہے سخت جانوں کے لئے
قتل کو میرے ذرا ابرو پہ بل درکار ہے
ہے گرفتاری سے میری سارے عالم کی نجات
شور و نالہ سے مرے ہر شخص شب بیدار ہے
اٹھانے کو کسی نے پھر نہ میری آستیں پکڑی
برنگ نقش پا اس در پہ جب میں نے زمیں پکڑی

۶۴۸۔ وحدت تخلّص

جمعیت ملتے ہیر ٹھ کے کانستھوں میں سے ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہر دم ہے عندلیب کو اب عزم نالگی
فصل بہار آتے ہی اس کو ہوا لگی ٹو

۶۴۹۔ وزیر تخلّص

خواجہ وزیر، شہر لکھنؤ کے رہنے والے اور شیخ ناسخ کے شاگردوں میں سے ہیں، ان کے کسی عزیز نے ان کے کچھ اشعار پڑھ کر سنائے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے
ایک عالم نے جبہ سائی کی ٹو
اے بتو تم نے بھی خدائی کی ٹو

۶۵۰۔ وزیر تخلّص

نام وزیر علی خان، نواب آصف الدولہ مغفور نے ان کو اپنی فرزندی کے لئے نامزد کیا تھا، نواب موصوف کی وفات کے بعد انگریزوں کے خلاف ان کی جانشینی کی داستان اور معزول ہونا اور ان کی انگریزوں سے مخالفت اور قسمت کی ناسازگاری و شکست کھانا مشہور ہے اس لئے اس سے چشم پوشی کی جاتی ہے، قید ہوتے وقت یہ شعر پڑھا تھا:۔

اٹھ گئے محفل سے سب یار اور ہلچل پڑی
اے فلک انداز گردوں اب تو تجھ کو کل پڑی

نمونہ کلام یہ ہے:۔

بعد رنجش کے مزا ملنے سے کچھ حاصل نہیں
گر تمہیں الفت نہیں اپنا بھی اب وہ دل نہیں

۶۵۱۔ وسعتؔ تخلّص

مستقیم خان، افغان، قدرت اللہ شوقؔ کے شاگرد اور رام پور کے رہنے والے ہیں، یہ شعر ان کا ہے:۔

وائے قسمت ایک گالی کی ہوئیں دو تین چار
وقت گفتن جب زباں پر اس کے لکنت آگئی

۶۵۲۔ وصالؔ تخلّص

نصر اللہ خان، حکیم ثناء اللہ فراقؔ کے صاحبزادہ اور فن طب کے ماہر ہیں، بڑی صلاحیتوں کے مالک ہیں، شاعری میں اپنے والد کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

آئینہ گھورنے کو سب سے نرالا نکلا
منہ تو دیکھو یہ بڑا چاہنے والا نکلا

۶۵۳۔ والہؔ تخلّص

مظہر علی خاں، سلیمان علی خاں ودادؔ کے صاحبزادے ہیں جو مشہور فارسی شعراء میں سے تھے اور میر نظام الدین ممنونؔ کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یوسف کا جو نقشہ در و دیوار پہ کھینچا
کیوں تو نے زلیخا نہ دل زار پہ کھینچا

۶۵۴۔ ولی تخلص

عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں ہوئے ہیں، یہ امر متنازعہ فیہ ہے کہ ریختہ کا پہلا شاعر ولی ہے یا اس سے پہلے بھی کسی نے اس زبان میں فکر سخن کی تھی، تحقیق کی رو سے تقدیم کا سہرا ولی کے سر ہے، یہ توفیق ایزدی ہے کہ اس کے زمانہ تک کوئی دوسرا اس کا ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں ہوا، اگرچہ اس کی زبان اور رائج الوقت زبان میں رات اور دن کا فرق ہے، بالفاظ دگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں ایک نہیں ہیں لیکن بہر صورت تمام ریختہ گو شعراء پر ان کی استادی مسلم ہے اور اس نظریہ سے اختلاف عدل سے انحراف کے مترادف ہو گا، ان کا دیوان ملاحظہ سے گذرا محاورات سے قطع نظر بعض جگہ مناسب مضمون باندھتے ہیں، ان کے یہ اشعار انتخاب کئے گئے:۔

طاقت نہیں کسی کو کہ ایک حرف سن سکے
احوال گر کہوں میں دل بے قرار کا
آئے ولی ہماری طرف تیغ ناز لے
اس شوخ کو خیال اگر ہے شکار کا
مسند گل منزل شبنم ہوئی ٹک ٹک
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا ٹک ٹک
جنوں عشق ہوا اس قدر زمیں کو محیط
کہ پارسا کو ہوئی موج بوریا زنجیر
دو رنگی ہے تری اے سرو رعنا
کبھی راضی کبھی بیزار ہیں ہم
خط کے آنے نے خبردار کیا گلرو کو
نشہ ہوش ہے اس بادۂ ریحانی میں

ایک دل ہا نہیں آرزو سے خالی
ہر جا ہے محال اگر خلا ہے
مرا دل مجھ سے کر کے بے وفائی
پسندِ خاطرِ خوباں ہوا ہے
ترک کر اے رقیب فرعونی
آہ میری عصائے موسٰی ہے

۶۵۵۔ ولی تخلّص

مرزا ولی محمد دہلی کے رہنے والے ہیں، مرشد آباد میں رہتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

کبھی جو زلف اٹھا دے تو منہ نظر آوے
اسی امید میں گزری ہے صبح و شام ہمیں
بند قبا چمن میں جو وہ یار وا کرے
لے برگِ گل کو ہاتھ میں پنکھا صبا کرے

(ہ)

۶۵۶۔ ہادی تخلّص

میر محمد جواد علی خان، عماد الملک مغفور کے رفقا میں سے تھے، ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا، ایک دیوان ان کی یادگار ہے جس میں سے یہ اشعار منتخب ہوئے:۔

تو نے پہچانا نہ یار اس کو تغیّر حال سے
ورنہ کوچہ میں ترے ہادی مکرر ہو گیا

کچھ آج شکستہ ہے بہت رنگ رخ گل
صیاد نے کس بلبل شیدا کو ستایا
ہے تا حشر یقین ہم کو صنم جب سے خدا نے
آشوب قیامت تری قامت سے دکھایا
کیا ہے کس کی مجھے یاد زلف نے بیمار
کہ پیچ و تاب میں ہے تار تار بستر کا
چمن میں ہادی نازک مزاج جب آیا
لیا جنوں نے رگ گل سے کام نشتر کا
ہے زندگی اپنی سے نہ خاطر کو تعلق
دلدادہ پشیمان ہے یار سفری کا
کیا مضائقہ اس میں ہم بھی گر ہوتے رسوا
شوق تھا بڑا تم کو اپنی خود نمائی کا
نہ تجھ سے ہادی کو شکوہ ہے کچھ نہ سودا کو
بلاکشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا ؎
محمل لیلی دل مجنوں ہی تھا پھر کیوں عبث
در پئے ناقہ ہوا سرگشتہ کیا دیوانہ تھا
دل ہوا آگے نہ ہادی سن کے حال رفتگان
بلکہ یہ خواب غفلت یہ بھی ایک افسانہ تھا
اندیشہ کچھ نہ کر مری فریاد و آہ کا ؎
فریاد رس ہے کون تری داد خواہ کا ؎
مرے اعمال بد کی شامت سے
رو سیہ مفت ہو گیا کاغذ

حالت خستگی و ضعف ہوتا اس پہ عیاں
ہمرہ نامہ ہمیں بھیجنی تصویر ہے شرط
اٹھتا ہے جائے نالہ مرے دل سے اب غبار
اس خاکداں میں آہ مکدر ہوں یہاں تلک
صدقے ترے ہو کے مر گئے ہم
کرنا ہی تھا جو کر گئے ہم تو
خنداں خنداں جدھر پھرا وہ
گریاں گریاں ادھر گئے ہم
ہم تو مدت سے مر گئے ہادی تو
یار کو اب تلک خبر ہی نہیں
کسی پہ نہ ہوگی ہرگز پس مرگ یہ عقوبت
کہ جو زندگی میں ہم پر ہوئے ہیں عذاب تجھ بن
یہاں تو نالے نے جگر آب کیا ہے ہادی
پر خدا جانے کہ اس دل میں اثر ہی کہ نہیں
جی میں حسرت نہ رہی زخم کے تیرے قرباں
قتل کے بعد بھی پھر کیجیو تو وار کئی

۶۵۷۔ ہاشمی تخلص

میر محمد ہاشم لکھنؤ کے رہنے والے اور سودا کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

مرا سو بار اس تک نامہ پر آرزو پہنچا
ادھر سے پر جواب صاف پہنچا جب کبھو پہنچا

دماغ آشفتہ ہوتا ہے صبا نکہت سے سنبل کی
مشام آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا

۶۵۸۔ ہاشمی تخلص

بجز اس کے کہ وہ شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے ان کا اور حال معلوم نہیں نمونہ کلام یہ ہے:۔

نشہ لے میکشوں کے کیا فلک سر پر اٹھایا ہے
کہ مست ابر سیہ ہو کر چمن میں جھوم آیا ہے
مجھے تھا دھیان زلفوں کا جو وہ خورشید رو آیا
خدا نے غم کی راتوں میں خوشی کا دن دکھایا ہے

۶۵۹۔ ہدایت تخلص

ہدایت خان، انشاء اللہ خاں مرحوم المتخلص فراق کے چچا تھے جو خواجہ میر درد کے شاگردوں اور مریدوں میں سے ہیں، شعر گوئی میں ان کو مقدرت تھی اور اس فن کے نکات اور گہرائیوں سے بدرجہ اتم واقفیت تھی ۱۲۱۵ھ میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہ رحم اس کے ہی جی میں نہ دل میں اپنے صبر
ہماری گزرے گی کیونکر الٰہی کیا ہو گا
دیکھ اس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا
بس میری جان دو ہی پیالوں میں چھک گیا
ناتوانی کا بھی احسان ہے مری گردن پر
کہ ترے پاؤں سے سر مجھ کو اٹھانے نہ دیا

چاہا میں درد دل کہوں پر اس کے روبرو
جوں زخم یک دگر لب اظہار مل گیا
جس دم زبان پہ یار ترا نام آگیا
کچھ دل کو چین جان کو آرام آگیا
کٹتی ہی نہیں یہ ہجر کی شب
یارب کیا آج سو گئی صبح
سینہ کے تیرے کھلتے ہی اے میری جان بند
آئینہ ساز کر گئے اپنی دکان بند
میں چھوڑتا ہوں کوئی اس کو مثل حلقہ در
یہ سر لگا ہے مرا اس کے آستانہ سے
ہنستے ہیں آپ اپنے رونے پہ ہم ہداہیت
گریہ میں اب ہمارے تاثیر ہے تو یہ ہے
شب ہجراں میں تری صبح کے ہوتے ہوتے
استخواں شمع صفت بہہ گئی روتے روتے
کرتا نہیں ہے جانے کو دل کوئے یار سے
گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یہاں رہے
صبا کوچہ سے اس کی مت اڑانا خاک کو میری
مبادا گرد اس کے چہرۂ گلفام پر بیٹھے

۶۶۰. ہرچند تخلص

ہرچند کشور، راجہ جگل کشور بھاٹ کے پوتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

پردۂ ظلمات دل پر سے وہیں سب اٹھ گئے
شمع رو نے جب چراغ بزم کو گل کر دیا ؎

۶۶۱- ہمدم تخلص

عبداللہ خاں، رام پور کے رہنے والے، نواب فتح علی خاں کے صاحبزادے ہیں جو کٹھیر کے رئیسوں میں ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

تو گرفتار ہوں کچھ رسم مجھے یاد نہیں
اس لئے لب پہ مرے نالہ و فریاد نہیں
کس کو حال دل غمگیں میں سناؤں اپنا
قیس صحرا میں نہیں کوہ میں فرہاد نہیں

۶۶۲- ہمزہ تخلص

شاہ ہمزہ، دہلی کے درویشوں میں سے تھے بعد میں عظیم آباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، نمونہ کلام یہ ہے:-

ہائے کس کس کے تئیں بیٹھ کے ہم یاد کریں
غم مجنوں کریں یا ماتم فرہاد کریں ؎

۶۶۳- ہمت تخلص

اخوند ہمت، رام پور کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

عجب گردش میں اپنے ان دنوں اوقات کٹتے ہیں
غنیمت ہے کوئی ساعت جو تیری ساتھ کٹتی ہے

۶۶۴۔ ہوش تخلص

غلام مرتضیٰ فرخ آباد کے رہنے والے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

جان گر تن سے جدا ہو تو جدا ہو لیکن
جان منظور نہیں تیری جدائی مجھکو
باغ ہستی کی وہیں سوجھ گئی کیفیت
مے گلرنگ جو ساقی نے پلائی مجھکو
زاہد کا دل نہ خاطر مے خوار توڑئے
سو بار توبہ کیجئے سو بار توڑئے

۶۶۵۔ ہوش تخلص

میر سوز کے شاگردوں میں سے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

یار ہنستا ہے چشم تر کو دیکھ ٹک
گریہ ٹک اپنے تو اثر کو دیکھ ٹک

۶۶۶۔ ہوش تخلص

مرزا محمد تقی خان، لکھنؤ کے رئیسوں میں سے ہیں اور منبع جود و سخا اور مصدر اوصاف حمیدہ ہیں، شعر گوئی کی بہت ہوس رکھتے ہیں، مصحفی کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

نزع میں ہم نے عجب طرح سے دل شاد کیا
آئی ہچکی تو کہا اس نے ہمیں یاد کیا
جانا ہوس کی بزم میں تجھکو روا نہیں
بدنام ہے تو دوستیِ گل سے اے صبا

مجھے کیا اگلے زمانہ کی خبر سچ تو یہ ہے
کہ تمہارے عہد میں تجھ سا کوئی پیدا نہ ہوا
محشر میں ساتھ لے نہ گیا کیوں قشان یار
سینہ سے میں نکال کے پیکان خجل ہوا
دی مجھ کو درد عشق نے غم میں بھی اک خوشی
رونے پہ میرے دیر تلک وہ ہنسا کیا
انکار سے کیا تمہارے صاحب
بندہ تو غلام ہو چکا اب
ہوش جب ذکر آ جاتا ہے اس کا
زباں ہوتی نہیں وہ دو پہر بند
رنجش کا انہوں نے بھی کیا وقت نکالا ہے
مجھ سے وہ بگڑتے ہیں جب خوب سنورتے ہیں
یہی ہے سوچ مجھے چین کیوں کر آئے گا
جو یاد تیری ادائیں مزار میں آئیں
غش آ نہ جائے دیکھ کے فرہاد کو کہیں
پردہ سے اپنا ہاتھ نہ باہر نکال تو
میں درد دل کہوں تجھ سے تو کھل کھلا کے ہنسے
نہ میری سادہ دلی نہ ترا اثر کہیں جائے
تڑپا نہ ترا صید ترے تیر کو کھا کر
اس ڈر سے کہ پہلو سے نہ پیکان نکل جائے
جنوں سے ہوش ہوویں گے ہم جل کے مقابل
تھوڑی سی توانائی بھی ہم کو اگر آئے

(ی)

۶۶۷۔ یاد تخلص

میر غلام حسین، مولانا عبدالعزیزؒ دہلوی کے رشتہ دار اور مولانا فخرالدینؒ کے مرید ہیں فن شعر گوئی میں ثناء اللہ فراق کے شاگرد ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہے کون جو ہو ابروئے خمدار کے آگے
رستم بھی نہ ٹھہرے تری تلوار کے آگے

۶۶۸۔ یاس تخلص

خیرالدین دہلوی، ایک شگفتہ طبیعت کے مالک ہیں، اب شعر نہیں کہتے، مومن خاں کے شاگردوں میں سے ہیں، آج کل حصولِ طب میں مصروف ہیں، اسی باعث ترک سخن کر رکھا ہے، نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہوں وہ ثابت رہ الفت میں کہ جوں نقش قدم
جب تلک مٹ نہیں لیتا نہیں اصلا ہلتا
اس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا
اب تلک ہے آنکھ میں شب کا سماں چھایا ہوا
زانوئے یاس کہاں اور سر دلدار کہاں
ہمنشیں بات وہ کر جس کا ہو کچھ بھی سر پاؤں
ربط غیروں سے بڑھا مجھ سے وفا چاہتے ہو
دل ہیں سمجھو کہ یہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو
عشوہ و ناز و ادا طعن سے کہتے ہیں مجھے
ایک دل رکھتے ہو کس کس کو دیا چاہتے ہو

عاشق زرد رخ اپنے کے جلانے سے حصول
سمجھو تو سونے کو تم خاک کیا چاہتے ہو

شربت وصل نہ پینے دو نہ سم کھانے دو
کیا قیامت ہے نہ جینے دو نہ مر جانے دو

ہے ستم میرا وہ بیتابی سے در پہ جانا
اور ترا ناز سے کہنا اسے مت آنے دو

لب بند ہوں لذت سے جو نام آئے زباں پر
لے گیا کوئی بوسے لب شیریں کے تمہارے

وصل جانسوز سے پروانہ کو کیا ہوتا ہے
کم ہی ٹھنڈا کوئی قسمت کا جلا ہوتا ہے

دم تو لے تیغ تلے اے تپش دل تھم جا
دیکھ قاتل کا مرے دھیان بٹا جاتا ہے

گردن غیر پہ خنجر کو ہنسی سے رکھنا
واں تجھے کھیل ہے یاں کام ہوا جاتا ہے

پوچھیں گے چارہ تو بندہ گئی سنگدلان
کہ یہ ہمن ہیں پرستار کہن پتھر کے

مجھ کو تسبیح عقیق اپنی پہنا دی اس نے
دب گیا ہاتھ تلے سیکڑوں من پتھر کے

کاش میں پردہ کا شکوہ ہی نہ کرتا ان سے
بے حجابی نے کیا اور بھی بیتاب مجھے

۶۶۹۔ یقین تخلص

انعام اللہ خاں، ظہیر الدین خان کے صاحبزادے اور سرہند کے رہنے والے ہیں۔ جہان آباد میں پیدا ہوئے، مرزا مظہر سے بہت ربط ضبط تھا اور انہیں سے حق تلمذ بھی تھا، نہایت خوبصورت اور خوش اخلاق انسان تھے، پچیس سال کی عمر میں ان کے والد نے ان کو قتل کر ڈالا، وجہ قتل معلوم نہیں، فن نظم میں مقام مطلوب رکھتے تھے، ان کے کلام میں نمکینی اور دل خواہ حلاوت ہے، ان کا دیوان ملاحظہ ہوا اور یہ اشعار اس تذکرہ کے واسطے منتخب ہوئے:۔

ہر گھڑی صحرا نشینی پہ نہ کر جرأت یقین
آگئی تھی راس مجنوں کو بیاباں کی ہوا

اتنا کوئی جہاں میں کبھو بے وفا نہ تھا
ملتے ہی تیرے مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا

جو کچھ کہیں یہ تجھ کو یقین ہے سزا تری
بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

خار سے مژگاں کے جی ٹوٹتا ہے میرا بے طرح
رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کف پا بے طرح

بہار آخر ہوئی ہے اب تو سینے دے گریباں کو
یقیں کرتا ہے کوئی اس قدر دیوانہ پن لبس کر

تو نہ تھا حیف یقین ورنہ دوانہ ہوتا ہو
آج اس طرح کا دیکھا ہے پری زاد کہ بس ہو

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پہ بتوں کا عشق ہو
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں ہو

اس عشق کے کشور میں الٹا ہے حق وباطل
پرویز کو دیں افسر فرہاد کا سر چیریں
خسرو کے منہ پہ چڑھنا اور بے ستوں سے ٹرھنا
کچھ عاشقی نہیں ہے زور آزمائیاں ہیں
یقیں بتوں کا ہوا جب سے بندہ تب سے ہے داغ
جو ہووے کافر اسے کس طرح عذاب نہ ہو
ان گنہ گاروں میں ہوں میں کہ مرے جب کے مارے
جی نکلتا ہے مرا دور سے جلاد کو دیکھ کر
گلا تو پھٹ گیا ہے نالۂ فریاد سے میرا
قیامت دور ہے کس دن ملے گی داد کیا جانے
یار کی بات ہمیں کون سناتا ہے یقیںؔ
کب کوئی گل سے دوانے کو خبر کرتا ہے
اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
نہ دی فرصت کہ ان ہاتھوں سے کچھ کام اور بھی نکلے
ہم آخر ہوں گے دامن گیر اس چاک گریباں کے
دل چھوڑ گیا ہم کو دلبر سے توقع کیا
اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانوں کو کیا کہئے
کیا قید ہے شرع گل میں اور پرواز اول میں
نہ دی فرصت زمانہ نے ہمیں دھوئیں مچانیکی
اپنے بندوں کو جلا کر داغ رکھتے ہیں یقیںؔ
ان بتوں کی ضد سے ہو جاؤں مسلماں تو سہی

جس کو منظور ہو مرنا اسے جینا ہے عذاب
ہے دمِ پاک مسیحا دمِ شمشیر مجھے
جور و جفا میں یار بہت ہو گیا دلیر
کرتے تو کی یہ راس نہ آئی وفا مجھے

۶۷ - یک رنگ تخلّص

مصطفیٰ خان، اس شہر کے باشندے اور مرزا مظہر کے شاگردوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ صفت یک رنگی میں بے نظیر اور نام و نمود سے بالکل ناآشنا تھے اس نام کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی برکت سے یہ تاثیر حاصل ہے کہ اس نام کا حامل یعنی موسوم کا دل نفاق سے مومن کے دل کی طرح پاک ہوتا ہے اور نام کی تاثیر عوام میں مسلم ہے کما تقرر فی محلہ اس وجہ سے یہ تخلّص اختیار کیا تھا، نمونہ کلام یہ ہے:-

کیوں ہوتے ہو تم کہو دشمن ہمارے اس قدر
دوست کا ہوتا ہے دشمن کوئی پیارے اس قدر
روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں
تا گلے تیرے لگوں اے یار میں
نگہباں چاہتے مدہوش کے پاس
تری آنکھوں سے کیونکر دل جدا ہو
کیا جانئے وصال ترا ہو کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر چلے
جدائی سے تری اے صندلی رنگ
مجھے یہ زندگانی درد سر ہے لو

۶۷۱۔ یوسف تخلص

میر یوسف علی، حکیم عزت اللہ خاں عشق کے شاگرد ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

نہیں ہے غیر کے قصہ کی کچھ ہم کو خبر یوسف
زباں پہ رات دن اس یار کا افسانہ رکھتے ہیں

خاتمہ

المنت للہ کہ این زیبا عروس خیال شائستہ در برآوردن واین فریبندہ شاہد فکر سزائے در آغوش افشردن آمد ہوس را منزلت عشق ارزانی شد تا عشق را چہ پایہ افزودہ باشد چشم با خیرگی از نظارہ اش سیر نیست و دل با ہم عین الکمال از نگاہ زیر مژگان معذور یکاد العیون تاکلہا والقلوب تشربہا و با این ہمہ جامع این کارنامہ را سری با آتش زلف پریشان فکر نبودہ چہ نمی بینی کہ آئین این نگار خود آرا از سادگی بستہ ام و از بی تکلفی طراز جلیب و دامان کردہ و این از ان بود کہ نغمہ گر ساز دبرگ نوا نداشتہ نی اگر خواستمے زہرہ بچرخ آمدی و عطارد صفیر بی ہشانہ زدی اما پیش نہاد نظر دوربین آن بود کہ این رنگ در تذکرہ فارسی ریختہ شود تا بہر کی برنگ دگر جلوہ گر باشد و ہم سخن از بلاغت نگردد و نیز فرمان وقت بقصر سلامت بود اطناب و وقت را مجال کو و معہذا اخری و الیق بہ ان یکتب ہذہ السطو علی وجنات الحور لفظہ مثل النسیم المعطار علی الریاحین والازہار و معنا فی الذاذ السمع کصوت الاغانی والاوتار و الحمد اللہ جل و علی والصلوۃ علی سید الانبیا و آلہ بدور الدجی و اصحابہ نجوم الہدی والسلام علی من لیس اصحاب البدع والہوی۔

صرف ایک سو ۱۴۵ پینتالیس روپے میں

دس ہزار صفحات کی تیئیس بلند پایہ مجلد کتابیں

شائع کردہ

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سرسیّد علیہ الرحمۃ اور ان کے جانشینوں کی تعلیمی و اصلاحی تحریک کی بنیاد ادب صالح کی تدوین و اشاعت پر رکھی گئی تھی۔ اس خصوص میں سب سے زیادہ کام ایجوکیشنل کانفرنس نے کیا۔ کانفرنس کی بنا ۱۸۸۶ء میں ڈالی گئی اور متحدہ ہندوستان میں اس کی ساٹھ سالہ زرّین خدمات سے اہل ملک بخوبی واقف ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ء میں اس ادارہ کا احیاء کراچی میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے کیا گیا، جس نے قیام سرسیّد گرلز کالج جیسی اہم خدمات کے علاوہ ایک اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ بھی قائم کی ہے جس کی طرف سے سہ ماہی مجلہ "العلم" اور بلند پایہ علمی و تعلیمی کتابیں شائع کی جا رہی ہیں۔ ان مطبوعات

کی اہمیت و افادیت کو ارباب حکومت، ارباب ملت اور مدیران جرائد نے بخصوصیت سے تسلیم کیا ہے، چونکہ فروخت کتب کی کل آمدنی علمی و تعلیمی مقاصد میں صرف کیجاتی ہے، اس لئے ہمدرد قوم حضرات سے توقع ہے کہ وہ ان کی زیادہ سے زیادہ خریداری کر کے اپنی معارف پروری کا ثبوت دیں گے۔

کراچی ۱۰ر جنوری ۱۹۶۲ء سیّد الطاف علی بریلوی
ڈائرکٹر اکیڈمی

فہرستِ کُتُب

			قیمت
۱	شیخ عبد القدوس گنگوہی اور انکی تعلیمات	از مولانا اعجاز الحق قدوسی۔ تعارف از ڈاکٹر اینی۔ میری شمیل پروفیسر بون یونیورسٹی	عـہ روپے
۲	"علمائے سلف و نابینا علماء"	تصنیف نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی۔ تعلیقات و حواشی مفتی انتظام اللہ شہابی و ثناء الحق صدیقی ایم اے۔	(۹) نو روپے
۳	"اردو زبان اور اسالیب"	تصنیف سید محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی۔ مقدمہ از جناب ممتاز حسن صاحب	(۹) نو روپے
۴	"حکیم عمر خیّام"	تالیف ابو المکارم سلیم اللہ فہمی صاحب مقدمہ از سیّد الطاف علی بریلوی	دو روپے
۵	خط و خطّاطی	مصنفہ شیخ ممتاز حسین جونپوری و محمد ایوب قادری بی اے۔ مقدمہ از جناب ڈاکٹر زبید احمد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی	ایک روپیہ پچاس پیسے
۶	"پاکستان کا معاشی پس منظر"	مصنفہ سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی پیش لفظ از ڈاکٹر سید ظہیر الدّین ایم اے ڈی۔ لٹ	تین روپے پچاس پیسے
۷	"ذکر و فکر"	مصنفہ سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی مقدمہ از جناب انعام عظیم برنی ایم اے	۷۵ پیسے

۸	"چند عظیم علمائے جراثیم"	انگریزی تصنیف ڈوما گروپ ہنٹر کا اردو ترجمہ۔ از پروفیسر عبدالمجید قریشی	دس روپے
۹	"تعلیمی نفسیات کا بنیادی خاکہ"	از پروفیسر وحید الحق صدیقی سابق پرنسپل ٹریننگ کالج علیگڑھ و سید منیر الدین احمد ایڈوکیٹ۔	چار روپے
۱۰	"علم و عمل" جلد اوّل	فارسی تصنیف وقائع عبدالقادر خانی کا اردو ترجمہ از مولوی معین الدین افضل گڑھی۔ ترتیب و حواشی از محمد ایوب قادری ایم۔ اے۔ تعارف از نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خاں شروانی۔	آٹھ روپے
۱۱	"علم و عمل" جلد دوم	" " " " "	آٹھ روپے
۱۲	"جان ڈوی کا فلسفہ تعلیم"	(ڈاکٹر رابرٹ اینس آرنٹ کی تالیف "جان ڈیویز فلاسفی آف ایجوکیشن" کا اردو ترجمہ) از علین الدین علوی ایم اے	دو روپے پچاس پیسے
۱۳	"مقدر انسانی"	لی کامٹ ڈو نوائے کی تصنیف "ہیومن ڈسٹنی" کا اردو ترجمہ) از پروفیسر عبدالمجید قریشی ایم۔ اے	آٹھ روپے
۱۴	"رومن رسم الخط اور پاکستان"	مصنفہ مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی	پچاس پیسے
۱۵	"قدیم شہنشاہیاں"	مصنفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)	تین روپے
۱۶	"اصول و اساس تعلیم"	"سر پرسی نن" کی عالمانہ تصنیف ایجوکیشن اٹس ڈیٹا اینڈ فرسٹ پرنسپلس" کا اردو ترجمہ) از انعام عظیم سبلی ایم اے، اخلاص حسین ایم اے، محمد حسین خاں زبیری ایم اے	

		سید بدرالحسن، اور سید اظہر حسین رضوی ایم۔اے	سات روپے
۱۷	"اصول تدریس"	"رائبرن اور رفوبح" کی کتاب "پرنسپلس آف ٹیچنگ" کا اردو ترجمہ از اخلاص حسین زبیری ایم۔اے	پانچ روپے
۱۸	"حیات مابعد"	مصنفہ سید ضامن حسین نقوی گوپالجہاں آبادی	تین روپے پچاس پیسے
۱۹	"مکاشفات کشفی"	مصنفہ خان بہادر مرزا ابو جعفر کشفی	تین روپے
۲۰	"تجدد امثال"	مصنفہ سید ضامن حسین نقوی گوپالجہاں آبادی	دو روپے
۲۱	"طالب علم کی ڈائری"	مصنفہ سید الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ)	تین روپے
۲۲	"مقاصد تعلیم"	اے این وہائٹ ہیڈ کی تصنیف "ایمس آف ایجوکیشن" کا اردو ترجمہ از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ "جنگ کراچی"	پانچ روپے
۲۳	"ارتقائے انسانی"	(جدید سائنس کی روشنی میں) مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)	دو روپے
۲۴	"جمہوریت اور تعلیم" حصہ اوّل	(جان ڈیوی کی تصنیف "ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن" کا اردو ترجمہ) از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ "جنگ"	پانچ روپے
۲۵	"جمہوریت اور تعلیم" حصہ دوم	" " " " "	پانچ روپے
۲۶	"پراسرار کائنات"	سر جیمس جینس کی کتاب "میسٹریس یونیورس" کا اردو ترجمہ از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ جنگ	چھ روپے
۲۷	"مشاہیر کے تعلیمی نظریے"	مولفہ محمد حسین خاں زبیری ایم اے (علیگ)	چار روپے
۲۸	"مادری زبان کی تعلیم"	مصنفہ پروفیسر یونس حسن فروغ علوی ایم اے	تین روپے

۲۹ "ثقافت و انتشار" ملیتھو آرنلڈ کی شہرۂ آفاق کتاب "کلچر اینڈ انارکی" کا اردو ترجمہ از انعام عظیم برنی ایم۔اے۔ و اخلاص حسین ایم۔اے — چھ روپے

۳۰ "مسلم خواتین کی تعلیم" طبع ثانی مولفہ مولوی محمد امین زبیری مرحوم — دو روپے

۳۱ "مسلمانوں کا نظام تعلیم" طبع ثانی مولفہ پروفیسر سعید احمد رفیق ایم۔اے — تین روپے

۳۲ "ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" مولفہ علامہ سید سلیمان ندوی — دو روپے

" " " انگریزی ترجمہ از مرزا عاشق حسین ایم۔اے

" " " ڈاکٹر زبیدہ احمد ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی) — زیر طبع

" " " بنگالی ترجمہ از مولانا فلاحی الدین ایڈیٹر "آج" ڈھاکہ — تین روپے

اسکولوں کالجوں اور کتب فروشوں کو خاص رعایت دی جائیگی
قیمت مکمل سٹ اکیو بنتالیس روپے

کتب زیر طبع

"علمائے نفسیات اور ان کے افادات" — اردو ترجمہ "گریٹ سائیکالوجسٹس" مصنفہ ایس سارجنٹ پی۔ایچ۔ڈی۔ مترجمہ پروفیسر عبد المجید قریشی

"رفقائے عظیم" — اردو ترجمہ "گریٹ کمپینین" مصنفہ میکس ایسٹ مین مترجمہ پروفیسر محمد حامی الدین خاں۔

"مشرق اور مغرب کی تہذیب" — مصنفہ ڈاکٹر احسان محمد خاں ایم اے پی ایچ۔ڈی

"گلشن بے خار" — مصنفہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ۔ مترجمہ معہ حواشی و تعلیقات از احسان الحق فاروقی ایم اے

"حافظ رحمت خاں" — انگریزی ترجمہ "حیات حافظ رحمت خاں" مولفہ سید الطاف علی بریلوی مترجمہ پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم اے

"ہسٹری آف مسلم ایجوکیشن" — زیر تصنیف پانچ پانچ سو صفحات کی چار جلدیں (بزبان انگریزی)

ملنے کا پتہ

سعیدہ منزل متصل سر سید گرلس کالج بی روڈ ناظم آباد کراچی